aazzamm@yahoo.com

دولت کے پجاری

اقبال کاظمی

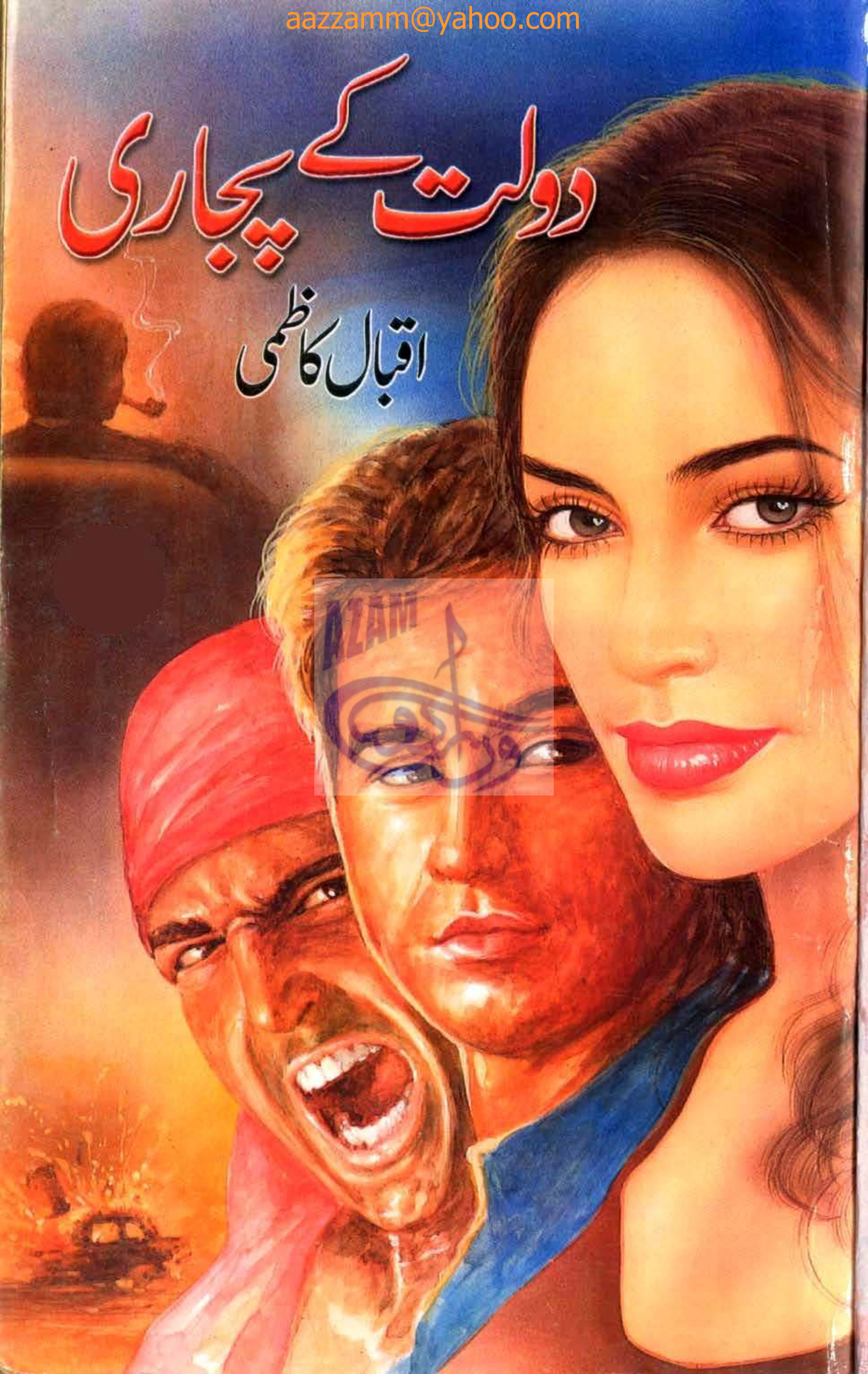

AZAM

aazzamm@yahoo.com

اس معصوم بچے کی داستان جسے قدم قدم پر سنگسار کیا گیا

دولت کے پجاری

7

اقبال کاظمی

اسٹاکسٹ
مکتبہ القریش سرکلر روڈ
اردو بازار۔ لاہور۔ فون: 7668958
E.mail: al_quraish@hotmail.com

Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

aazzamm@yahoo.com

Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

ناشر ——— القریش پبلی کیشنز
باراول ——— 2004ء
مطبع ——— نیر اسد پریس
سرورق ——— ذاکر
کمپوزنگ ——— نوید بٹ
قیمت ——— -/66 روپے

کتاب پر مت لکھیں

کتاب پر لکھنے والے سے قیمت وصول [illegible]

حاجی عبداللہ بری طرح بلبلایا ہوا تھا۔ اس روز جب اسے یہ اطلاع ملی تھی کہ شارق اور ثمینہ گلبرگ کی ایک کوٹھی میں جل کر راکھ ہو گئے ہیں تو اسے اس خبر پر یقین نہیں آیا تھا۔ اس کوٹھی کے گیراج میں اس کی پجیرو کا جلا ہوا ڈھانچہ اور تہہ خانے سے سونے کے چند ٹکڑے بھی ملے تھے۔ یہی قیمتی پجیرو شارق اور اس کے ساتھیوں نے اس کے داماد سے چھینی تھی اور اس میں سونے کے بسکٹوں سے بھری ہوئی پیٹیاں بھی تھیں۔ سونے کے پگھلے ہوئے چند ٹکڑے اور پجیرو کا جلا ہوا ڈھانچہ اگرچہ اس بات کا ثبوت تھا کہ ثمینہ اور شارق اس کوٹھی میں تھے لیکن اسے اس بات کا یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ دونوں آگ میں جل کر مر گئے ہوں گے۔ یقین نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ کوٹھی کو آگ حادثاتی طور پر نہیں لگی تھی۔ حادثاتی طور پر لگنے والی آگ اس طرح اچانک نہیں پھیلتی۔ اس عمارت میں رہنے والوں کو جان بچانے کا موقع مل جاتا ہے لیکن یہ آگ اس طرح لگی تھی کہ اس نے چند سیکنڈ کے اندر اندر چاروں طرف سے پوری کوٹھی کو لپیٹ میں لے لیا تھا اور بعد میں یہ بھی ثابت ہو گیا تھا کہ آگ حادثاتی طور پر نہیں لگی تھی بلکہ پٹرول چھڑک کر لگائی گئی تھی۔ پٹرول پوری کوٹھی میں اور چاروں طرف چھڑکا گیا ہو گا' اس لیے پوری کوٹھی آناً فاناً آگ کی لپیٹ میں آگئی تھی۔

حاجی عبداللہ یہ سوچتا رہا کہ آگ اگر شارق نے لگائی تھی تو کوٹھی سے برآمد ہونے والی وہ دو لاشیں کس کی تھیں جو جل کر راکھ ہو چکی تھیں۔

اسے یقین تھا کہ وہ لاشیں شارق اور ثمینہ کی نہیں تھیں۔ وہ دونوں اس طرح آسانی سے مرنے والے نہیں تھے۔ جس نے پورے ضلع کی پولیس اور اپنے مخالف گروہوں کے آدمیوں کو نچا رکھا تھا' وہ اس طرح آسانی سے کیسے مر سکتا تھا اور پھر یہ بات بھی تھی کہ کوٹھی میں آگ لگنے سے پہلے سونا وہاں سے کہیں اور منتقل کر دیا گیا تھا جس کا مطلب تھا کہ کوٹھی کو آگ جان بوجھ کر لگائی گئی تھی۔ ممکن ہے پولیس کو اس کوٹھی پر شبہ ہو گیا ہو اور شارق نے اپنے خلاف تمام ثبوت مٹانے کے لیے کوٹھی کو آگ لگا دی ہو۔

ایک اور خیال بھی حاجی کے ذہن میں آیا تھا۔ ماجھا گجر کا ایک آدمی مجیدا بھی پچھلے دنوں شارق سے ٹکرایا تھا اور شارق نے اس کا ایک بندہ بھی مار دیا تھا۔ ہو سکتا ہے مجیدے نے موقع پا کر شارق کی کوٹھی کو آگ لگا دی ہو لیکن اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملا تھا کہ پچھلے چند روز میں شارق اور مجیدے میں کوئی جھڑپ ہوئی ہو۔

aazzamm@yahoo.com

حاجی، شارق اور ثمینہ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے اپنے تمام ذرائع استعمال کر رہا تھا۔ اس کے آدمی پورے شہر میں پھیلے ہوئے تھے لیکن کسی طرف سے کوئی اطلاع نہیں مل رہی تھی۔

اور پھر حاجی کو اس حادثے کی اطلاع بھی مل گئی جس میں دلاور نامی ایک غنڈہ ہلاک ہو گیا تھا۔ دلاور کے بارے میں حاجی کو اتنا معلوم تھا کہ وہ ماجھے گجر کے ساتھ کام کرتا رہا تھا لیکن کچھ عرصہ سے روپوش تھا۔ اس حادثے میں ایک مزدور بھی زخمی ہوا تھا لیکن حاجی نے اس پر توجہ نہیں دی تھی اور اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی تھی لیکن اس حادثے کے دوسرے دن جب اخبارات میں یہ خبریں شائع ہوئیں کہ ٹیکسی کے حادثے میں زخمی ہونے والا مزدور شارق تھا جو ٹانگ ٹوٹ جانے کے باوجود اسپتال سے فرار ہو گیا تھا تو حاجی چونکا تھا۔ اس خبر سے [illegible] کے ان [illegible] کی تصدیق ہو گئی تھی کہ کوٹھی کی آگ میں مرنے والے ثمینہ اور شارق [illegible] تھے۔

حاجی کے آدمی ایک بار پھر پورے شہر میں پھیل گئے تھے لیکن کئی روز گزر جانے کے بعد بھی وہ شارق کا سراغ نہیں لگا سکے تھے۔ اسے حیرت تھی کہ شارق زخمی ہونے کے باوجود کہاں غائب ہو گیا۔ اس کے آدمی شہر کے تمام پرائیویٹ اسپتالوں اور ڈاکٹروں کو بھی چیک کرتے پھر رہے تھے۔ شارق [illegible] تو دوسرے علاج کی ضرورت تھی اور وہ یقیناً کسی ڈاکٹر کی خدمات حاصل کرے گا [illegible] اسے [illegible] نہیں مل سکا تھا۔

حاجی [illegible] کی روزانہ چیکنگ بھی لگا دی تھی تاکہ یہ معلوم کیا جا سکے کہ [illegible] اسپتال سے فرار ہوا تھا۔ کوئی باہر سے کوئی آدمی اسے لینے آئے تھے [illegible] اسپتال سے نکلنے کا کوئی آدمی شامل تھا۔ حاجی کو حادثہ پولیس کی رپورٹ [illegible] اس کے آدمی نے جو [illegible] مختلف نہیں تھی۔

حاجی [illegible] اس معاملے پر سوچتا مزید الجھتا جاتا۔ حاجی کے اپنے آدمی شارق کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں ناکام ہو چکے تھے اور پھر اسے ایک اور خیال آ گیا۔ چند روز پہلے شارق کی [illegible] ہوئی تھیں۔ ہو سکتا ہے مجیدا اس کے بارے میں کچھ جانتا ہو۔ یہ خیال آتے ہی حاجی نے اپنا ایک آدمی مجیدے کو بلانے کے لیے بھیج دیا۔

حاجی نے بلاوے پر مجیدا انکار نہیں کر سکا اور خاص طور پر جب اسے یہ معلوم ہوا کہ حاجی شارق کے [illegible] بات کرنا چاہتا ہے تو وہ اسی وقت اس آدمی کے ساتھ چل پڑا تھا۔

حاجی اس وقت اقبال ٹاؤن والی اسی کوٹھی میں تھا جو پہلے اس نے شارق کو دی تھی اور پھر دھوکے سے واپس لے لی تھی۔ مجیدے کا استقبال حاجی نے بڑی گرمجوشی سے کیا تھا۔ وہ کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے، پھر حاجی اصل موضوع پر آ گیا۔

"شارق نے ماجھے کے ساتھ جو کچھ بھی کیا، اس کا مجھے افسوس ہے۔" حاجی نے بات شروع کرتے ہوئے کہا۔ "اس میں شبہ نہیں کہ شارق بہت چالاک آدمی ہے۔ وہ ایک سے دشمنی رکھتا ہے تو دوسرے سے دوستی تاکہ اسے صرف ایک ہی محاذ پر لڑنا پڑے۔ ماجھے سے جب اس کی محاذ آرائی ہو رہی تھی تو شارق نے مجھ سے دوستی رکھی تاکہ میں اس معاملے میں مداخلت نہ کروں اور یہ میری بہت بڑی غلطی تھی جس کا اب مجھے احساس ہو رہا ہے۔ اب شارق ہم دونوں کا مشترکہ دشمن ہے۔ وہ میرے کئی بندے مار چکا ہے اور اس کے علاوہ مجھے کروڑوں روپے کا نقصان بھی پہنچا چکا ہے۔ اس نے تمہارا بھی ایک بندہ مارا ہے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ ہم لوگ مل کر اس کے خلاف کارروائی کریں۔ اگر ہم بکھرے رہے تو وہ ہمیں نقصان پہنچاتا رہے گا۔"

"اس نے میرے دو بندے مارے ہیں جی۔" مجیدے نے کہا۔ "میں تو چاہتا تھا کہ ہم مل کر کام کریں گے مگر آپ کے پاس آنے سے جھجک رہا تھا۔ اب آپ نے بلایا ہے تو میں بھی یہی سمجھتا ہوں کہ ہم الگ الگ رہ کر کچھ نہیں کر سکتے بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ ہمیں دوسروں کو بھی ساتھ ملا لینا چاہیے۔"

"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے لیکن ہمارے ساتھ اور کون مل سکتا ہے۔" حاجی نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"کئی چھوٹے گروپ ہیں جو اپنے طور پر کام کر رہے ہیں اور ان سب کو کسی نہ کسی موقع پر شارق سے نقصان پہنچا ہے۔ وہ سب شارق کے خلاف ہمارے ساتھ مل سکتے ہیں۔" مجیدے نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ تم ان سب سے بات کر لو۔ دو دن بعد ہم ایک میٹنگ رکھ لیتے ہیں جس میں شارق کے خلاف ایک مشترکہ لائحہ عمل طے کر لیا جائے گا۔" حاجی نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "لیکن کیا تمہیں بالکل اندازہ نہیں کہ شارق کہاں چھپا ہوا ہو گا۔"

"چند روز پہلے میں نے اسے ملتان روڈ پر دیکھا تھا۔ یتیم خانے والے چوک سے تقریباً ایک میل آگے۔" مجیدے نے کہا اور پھر اسے اسی واقعہ کی تفصیل بتانے لگا۔ جب اتفاقاً شارق سے آمنا سامنا ہوا تھا اور اس کا ساتھی شارق کو پکڑنے کی کوشش میں بس کے نیچے آ کر ہلاک ہو گیا تھا۔ آخر میں وہ کہہ رہا تھا۔ "اس واقعہ کے بعد میں تو تین چار روز تک روپوش ہی رہا تھا اور

aazzamm@yahoo.com

ب پولیس نے ایک اتفاقی حادثہ قرار دے کر بات ختم کر دی تھی تو اس کے بعد میں گھر سے نکلا
۔ مجھے شبہ تھا کہ شارق نے اس علاقے میں اپنا کوئی اڈا بنا رکھا ہے۔ میں کئی روز تک ادھر ٹوہ
تا رہا لیکن کچھ پتا نہیں چل سکا۔ میرا خیال ہے کہ شارق اتفاقاً اس طرف گیا ہوگا۔ اگر اس کا
ئی ٹھکانہ ہوتا تو وہ دوبارہ بھی اس طرف ضرور جاتا۔"

"مجھے اس جگہ کے بارے میں بتاؤ۔ میں بھی ذرا اپنے طور پر اس علاقے کو چیک کروں گا۔"
ی نے کہا۔

مجیدے نے اس علاقے کی نشاندہی کر دی۔ اس کے بعد بھی وہ دیر تک باتیں کرتے رہے۔
ان کی یہ میٹنگ ختم ہوگئی۔ حاجی نے مجیدے کو تاکید کر دی تھی کہ جیسے ہی شارق کا کوئی سراغ
ے' وقت ضائع کیے بغیر مجھے اطلاع کر دینا۔ حاجی سے اس میٹنگ میں مجیدے نے کچھ فائدہ بھی
ا تھا۔ ایک تو یہ کہ حاجی نے اسے آدھی قیمت پر ہیروئن سپلائی کرنے کا وعدہ کیا تھا اور دوسرا
یہ کیا تھا کہ وہ اس کے علاقے میں واقع اپنے پرچون کے دونوں اڈے بند کر دے گا اور اس
ج ان اڈوں کا گاہک بھی اسی کے پاس آئے گا۔ مجیدا جب حاجی کی کوٹھی سے نکلا تو بہت خوش
شارق کے خلاف کوئی کارروائی ہو یا نہ ہو' اس نے موقع سے فائدہ اٹھا لیا تھا۔

مجیدے کے جانے کے بعد حاجی نے اپنے دو آدمیوں کو بلا لیا۔ مجیدے نے ملتان روڈ کی نئی
میں شارق کے کسی ٹھکانے کے بارے میں جو شبہ ظاہر کیا تھا' حاجی اپنے طور پر بھی اس کے
ے میں تحقیق کر لینا چاہتا تھا۔

"تم دونوں کل صبح ملتان روڈ چلے جاؤ۔" حاجی نے اپنے دونوں آدمیوں کو مخاطب کرتے ہوئے
"وہاں ایک نئی کالونی بن رہی ہے۔ آبادی تو اکا دکا مکانوں میں ہوگی جبکہ زیادہ تر مکان ابھی
نیر ہیں۔ وہاں جو لوگ رہ رہے ہیں' ان کے بارے میں معلومات حاصل کرو اور ان لوگوں
رے میں بھی جو وہاں اپنے مکان وغیرہ بنا رہے ہیں۔ جیسے ہی کوئی خاص بات معلوم ہو' مجھے
دینا۔"

اور اگر شارق کہیں نظر آجائے تو؟" ایک آدمی نے پوچھا۔ "کیا اسے ختم کر دیا جائے؟"
نہیں۔" حاجی نے کہا۔ "میرا تین کروڑ کا سونا اس کے قبضے میں ہے۔ میں اسے زندہ دیکھنا
ں۔ سونا حاصل کرنے کے بعد ہی اسے موت کے گھاٹ اتارا جائے گا۔"
ٹھیک ہے جی۔ ہم صبح سویرے ہی اس طرف چلے جائیں گے۔" اس شخص نے جواب دیا۔
ہے۔ اب تم لوگ جاؤ۔" حاجی نے انہیں جانے کا اشارہ کیا۔
جی اس رات اسی کوٹھی پر رہا تھا۔ صبح دس بجے کے قریب وہ کوٹھی سے نکل گیا۔ دوپہر

تک وہ اپنے مختلف ٹھکانوں پر گھومتا رہا۔ پھر اپنے سینما والے دفتر میں آگیا۔ وہاں تین چار آدمی
اس کے منتظر بیٹھے تھے۔ دراصل چند ہفتے پہلے حاجی نے ایک فلم بنانے کا پروگرام بنایا تھا اور اس
سلسلے میں انڈسٹری کے ایک دو فلم ڈائریکٹروں سے بھی بات کی تھی۔ ان سب ہی نے مشورہ دیا تھا
کہ وہ پنجابی فلمیں شروع کرے۔ اردو فلموں کے مقابلے میں پنجابی فلمیں زیادہ بزنس کرتی تھیں
اور ظاہر ہے حاجی کو پیسہ کمانا تھا۔ اس نے بیک وقت دو پنجابی فلموں کا پروگرام بنا لیا تھا اور اس
وقت فلم انڈسٹری کے آدمی ہی وہاں بیٹھے اس کا انتظار کر رہے تھے۔

حاجی تقریباً ایک گھنٹے تک ان سے باتیں کرتا رہا۔ اس نے دو آدمیوں کو بڑی بڑی رقموں کے
چیک بھی دیے تھے تاکہ جن لوگوں سے ایگریمنٹ کرنے ہیں' انہیں ایڈوانس بھی دیا جا سکے۔

حاجی رات دس بجے تک سینما ہی میں رہا اور پھر اقبال ٹاؤن والی کوٹھی میں واپس آگیا۔ اس
کے تقریباً آدھے گھنٹے بعد اس کے وہ دونوں آدمی بھی آگئے جو صبح ملتان روڈ گئے تھے۔

"کچھ پتا چلا؟" حاجی نے پوچھا۔

"ایک ایسی جگہ کا پتا چلا ہے جس پر شبہ کیا جا سکتا ہے۔" جیلے نامی کارندے نے جواب دیا۔

"تفصیل سے بتاؤ۔" حاجی نے اسے گھورا۔ "تم جانتے ہو میں ادھوری بات سننے کا عادی نہیں
ہوں۔"

"بتاتا ہوں جی۔" جیلا گڑبڑا گیا۔ "ہم صبح سات بجے ہی اس علاقے میں پہنچ گئے تھے۔ وہاں
بہت سے مکان بن رہے ہیں۔ ہم ایک ایک مکان کے بارے میں معلوم کرتے رہے۔ بہت سا
چوڑا علاقہ ہے جی۔ چند ہی گھروں میں لوگ رہ رہے ہیں۔ ہم ایک ایک سے پوچھتے پھرے لیکن
کوئی مشتبہ بات معلوم نہیں ہو سکی۔ البتہ رات آٹھ بجے کے قریب اس طرف سے گزرنے والے
ایک آدمی نے بتایا کہ کچھ عرصہ پہلے وہاں ایک حویلی میں کچھ لوگوں کو آتے جاتے دیکھا گیا تھا۔
ان کے ساتھ ایک عورت بھی تھی لیکن کئی روز سے وہاں کوئی نہیں آیا' حویلی میں تالا لگا ہوا
ہے۔"

"وہ حویلی کس کی ہے؟" حاجی نے پوچھا۔

"ٹھوکر نیاز بیگ کا کوئی چودھری ہے جی۔ آس پاس کی زمینیں بھی اسی کی تھیں جن میں سے
بیشتر زمینیں وہ بیچ چکا ہے۔" جیلے نے جواب دیا۔

"تم نے وہ حویلی دیکھی ہے؟" حاجی نے پوچھا۔

"دیکھی ہے جی۔ بہت پرانی حویلی ہے۔ دیواریں بھی بہت اونچی ہیں۔" جیلے نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" حاجی بولا۔ "کرامت اور خورشید کو ساتھ لے جاؤ اور معلوم کرو' حویلی میں

aazzamm@yahoo.com

کوئی رہ رہا ہے یا نہیں۔ ہو سکتا ہے حویلی کا مالک ہی وہاں آتا جاتا ہو لیکن میں کسی معمولی سی بات کو بھی نظرانداز نہیں کرنا چاہتا۔ آج رات میں بھی یہیں رہوں گا۔ مجھے بارہ بجے سے پہلے پہلے معلوم ہو جانا چاہیے۔"

"ہم اس سے پہلے ہی واپس آجائیں گے جی۔" جیلے نے کہا۔

"تم جاؤ.....اب دیر مت کرو۔" حاجی بولا۔

وہ دونوں کمرے سے نکل گئے۔ کرامت اور خورشید بھی اسی کوٹھی میں موجود تھے۔ جیلے نے ان لوگوں کو ساتھ لیا اور کار میں بیٹھ کر اپنے مشن پر روانہ ہو گئے۔

وہ لوگ تقریباً پونے گیارہ بجے وہاں پہنچے تھے۔ کار انہوں نے کچی گلی کے باہر ہی چھوڑ دی تھی۔ ایک آدمی کار میں بیٹھا رہا تھا۔ جیلا، کرامت اور خورشید گلیوں میں چلتے ہوئے حویلی کے سامنے پہنچ گئے۔

"یہ ہے وہ حویلی۔" جیلے نے کرامت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اندر کوئی نہیں ہے۔ پھاٹک پر چڑھ کر آسانی سے دوسری طرف اترا جا سکتا ہے۔"

"تو پھر چڑھو اوپر.....دیکھ کیا رہے ہو۔" کرامت نے کہا۔

جیلا ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ تاریکی اور سناٹے میں جھینگروں کے علاوہ اور کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ جیلا پھاٹک پر چڑھ گیا۔ اوپر وہ ایک لمحہ کو رکا اور پھر بڑی احتیاط سے دوسری طرف اتر گیا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ حویلی کی عمارت بھی تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس نے پھاٹک کی جھری سے منہ لگا کر سرگوشی کی۔

"آجاؤ.....حویلی میں سناٹا اور تاریکی ہے۔"

اس کے چند ہی سیکنڈ بعد کرامت اور خورشید بھی پھاٹک پر چڑھ کر اندر آگئے اور جیلے کے قریب کھڑے ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگے۔ ان تینوں نے پستول نکال لیے۔

"میری اطلاع کے مطابق یہ حویلی عام طور پر خالی ہی رہتی ہے۔ یہاں کبھی کبھار ہی کوئی آتا ہے۔ اس وقت بھی یہاں کوئی نہیں ہے مگر پھر بھی احتیاط ضروری ہے۔ آہستہ آہستہ آگے چلو۔" جیلے نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

وہ تینوں دائیں بائیں پھیل کر آگے بڑھنے لگے لیکن انہیں کسی مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ وہ بڑی آسانی سے برآمدے میں پہنچ گئے۔ جیلے نے ٹٹول کر دیکھا تو دروازے پر تالا لگا ہوا تھا۔ اس نے جیب سے پنسل ٹارچ نکال لی اور اس کی روشنی میں جائزہ لینے لگا۔ ویسی قسم کا تالا تھا۔ اس نے پستول کی نالی تالے پر پھنسا کر زوردار جھٹکا دیا۔ کھٹاک کی آواز کے ساتھ تالا کھل گیا۔

دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتے ہوئے بھی وہ خاصے محتاط تھے۔ پہلے کمرے میں پہنچ کر انہیں اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ یہاں کسی قسم کی دھینگا مشتی ہوئی تھی۔ دو چارپائیاں تھیں اور کھانے کے جھوٹے برتن ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے۔ ایک چارپائی کے قریب فاؤنٹین پین بھی پڑا ہوا ملا تھا۔

"دوسرے کمرے دیکھو۔" جیلا دروازہ کی طرف مڑ گیا۔

"کھانے کے یہ جھوٹے برتن بتا رہے ہیں کہ یہاں کوئی آیا تھا اور شاید ان میں آپس میں کوئی جھگڑا بھی ہوا تھا۔" کرامت نے کہا۔

"ہوا ہوگا۔" جیلا بولا۔ "ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ یہاں کون آیا تھا۔ پہلے دوسرے کمرے دیکھ لیں۔ شاید کوئی ایسی چیز مل جائے جس سے ہم کسی نتیجے پر پہنچ سکیں۔"

وہ حویلی کے دوسرے کمرے دیکھنے لگے۔ راہداری میں ایک جگہ انہیں مردانہ جوتے بھی پڑے ہوئے ملے۔ وہ موکیشن تھے۔ ایک جوتا دوسرے سے کوئی پانچ فٹ کے فاصلے پر تھا۔

حویلی کے تمام کمروں کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ ایک اور کمرے میں دو چارپائیاں ہی تھیں۔ ایک چارپائی پر زنانہ کپڑوں کا ایک جوڑا بھی رکھا تھا۔

"یہاں کوئی عورت بھی رہتی تھی۔" کرامت کپڑوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہاں مجھے بتایا گیا تھا کہ یہاں کبھی کبھار دو تین آدمی آتے تھے۔ ان کے ساتھ ایک عورت بھی ضرور ہوتی تھی۔ آخری مرتبہ دو عورتوں کو دیکھا گیا تھا اور پچھلے چند روز سے تو یہاں کوئی نہیں آیا۔" جیلے نے جواب دیا۔

"عیش کرتے ہوں گے وہ لوگ۔" کرامت بولا۔ "ویسے اس مقصد کے لیے یہ بہترین جگہ ہے۔"

وہ اس کمرے سے نکل آئے۔ اب وہ اس کمرے کے سامنے کھڑے تھے جس کے دروازے پر تالا لگا ہوا تھا۔ جیلے نے پہلے والا طریقہ اختیار کرتے ہوئے تالا توڑ دیا اور جب وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے تو پنسل ٹارچ کی محدود روشنی میں لکڑی کی پیٹیاں دیکھ کر جیلے کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔

اب تک انہوں نے کسی کمرے کی بتی نہیں جلائی تھی لیکن یہاں لکڑی کی پیٹیاں دیکھ کر جیلا ٹارچ کی روشنی میں دیواروں پر سوئچ بورڈ تلاش کرنے لگا۔ دروازے والی دیوار پر سوئچ بورڈ دیکھتے ہی وہ اس کی طرف لپکا اور بیک وقت دو سوئچ آن کر دیے۔ کمرہ بلب کی تیز روشنی سے بھر گیا اور اس کے ساتھ ہی وہ تینوں اچھل پڑے۔

aazzamm@yahoo.com

وہ کچھ دیر تک اسی طرح پیٹیوں کی طرف دیکھتے رہے جیسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آرہا ہو۔ پھر وہ تینوں بیک وقت آگے بڑھے اور ایک ایک پیٹی کھول کر دیکھنے لگے۔

اسلحہ سے بھری ہوئی پیٹیاں اور ہیروئن سے بھرے ہوئے پیکٹ۔ انہیں یقین ہو گیا کہ ہو نہ ہو' حویلی شارق ہی کا خفیہ اڈا ہے لیکن انہیں حیرت اس بات پر ہو رہی تھی کہ یہاں کروڑوں کا مال تھا اور اس کی حفاظت کے لیے کوئی بھی موجود نہیں تھا۔

"شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ شارق کو اس اڈے کے محفوظ ہونے کا یقین ہوگا۔" جیلے نے کہا۔

"تم لوگ یہاں سے ایک رائفل اٹھا لو اور یہاں پہرہ دیتے رہو۔ میں جا کر حاجی کو اطلاع دیتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ تم جاؤ.....ہم یہاں موجود ہیں۔" کرامت نے کہا۔

جیلا تیزی سے کمرے سے نکلا۔ پھر گیٹ پر چڑھ کر وہ گلی میں کود گیا۔ کار تک پہنچنے میں اسے دو منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔ اس نے پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے شیدے کو کوٹھی چلنے کو کہا۔ کار گلی سے نکل کر سڑک پر آگئی اور طوفانی رفتار سے سڑک پر دوڑنے لگی۔

○

صبح کے دس بجے تھے۔ رات کو حویلی سے واپس آنے کے بعد بھی ثمینہ اور شاہ پری نولکھا کے کمرے میں بیٹھی دیر تک باتیں کرتی رہی تھیں اور پھر تین بجے کے قریب وہ اپنے کمرے میں آکر سو گئی تھیں۔

شاہ پری تو صبح جلدی اٹھ گئی تھی لیکن ثمینہ ابھی تک سو رہی تھی۔ رضیہ سودا وغیرہ لینے کے لیے مارکیٹ گئی ہوئی تھی۔ شاہ پری کبھی نولکھا کے پاس آکر بیٹھ جاتی' کبھی ماں جی کے پاس اور کبھی برآمدے میں آکر کرسی پر بیٹھ جاتی۔ وہ اپنے آپ میں عجیب سی بے چینی محسوس کر رہی تھی۔

سوا دس بجے کے قریب ثمینہ جاگ گئی۔ اس نے منہ ہاتھ دھو کر ناشتہ کیا اور برآمدے میں آکر شاہ پری کے پاس بیٹھ گئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد فون کی گھنٹی بجی تو وہ دونوں اٹھ کر اندر آگئیں۔ فون کا ریسیور ثمینہ ہی نے اٹھایا تھا۔

"ہیلو۔ میں رضیہ بول رہی ہوں۔ نرس رضیہ۔" ریسیور پر آواز ابھری۔

"رضیہ؟ خیریت تو ہے۔ کیا بات ہے؟" ثمینہ نے پوچھا۔ نرس رضیہ کی آواز سنتے ہی اس کی

چھٹی حس نے خطرے کی گھنٹی بجا دی تھی کیونکہ رضیہ نے کبھی یہاں فون نہیں کیا تھا بلکہ اس وقت تو وہ سو رہی ہوتی تھی۔

"ہاں۔ خیریت ہی ہے۔ ویسے کل تم لوگ جو سامان لے کر گئی تھیں' وہ بہت خراب حالت میں اسپتال پہنچ گیا ہے۔" رضیہ نے جواب دیا۔

"کیا؟" ثمینہ اچھل پڑی۔ رضیہ کا مطلب سمجھنے میں اسے دیر نہیں لگی تھی۔ "تم کہاں سے بول رہی ہو رضیہ؟"

"ایک میڈیکل اسٹور سے۔" رضیہ نے جواب دیا۔

"تم اپنے کوارٹر پر پہنچو۔ میں آرہی ہوں۔" ثمینہ نے کہتے ہوئے ریسیور رکھ دیا اور شاہ پری کی طرف دیکھنے لگی۔

"کیا ہوا..... کس کا فون تھا؟" شاہ پری نے پوچھا۔ ثمینہ کے چہرے کے تاثرات سے وہ سمجھ گئی کہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔

"بڑی گڑبڑ ہو گئی۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "رفیق کی لاش اسپتال پہنچا دی گئی ہے۔"

"کیا.....؟" شاہ پری اچھل پڑی۔ "لیکن وہ لاش کیسے ملی؟"

"نرس رضیہ کا فون تھا۔ وہ ایک میڈیکل اسٹور سے بات کر رہی تھی اور ظاہر ہے فون پر بات نہیں ہو سکتی تھی۔ تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ ہم رضیہ کے گھر جا رہے ہیں۔"

"میں تیار ہوں' صرف چادر اوڑھنی ہے۔" شاہ پری نے کہا۔

"اپنے لباس میں پستول بھی رکھ لو۔ آج شاید اس کی ضرورت پڑ جائے۔" ثمینہ کہتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اس نے نولکھا کو بھی اس نئی صورتحال سے آگاہ کر دیا۔

"یہ تو بڑی گڑبڑ ہو گئی۔" نولکھا بولا۔ "اس کا مطلب ہے کہ شارق اور رضیہ کی زندگی بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔"

"ہاں۔ میں اور شاہ پری اسی لیے وہاں جا رہی ہیں کہ شارق کو وہاں سے نکال سکیں۔" ثمینہ نے کہا۔

"لیکن سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ رفیق کی لاش کا پتہ کیسے چلا۔ اسے تو ہم نے باندھ کر کنویں میں پھینک دیا تھا۔" قریب کھڑی ہوئی شاہ پری نے کہا۔

"کنویں سے لاش دریافت ہو سکتی ہے تو کمرے میں بھرا ہوا اسلحہ اور ہیروئن کے پیکٹ برآمد نہیں رہے ہوں گے۔ کروڑوں کا مال ہے وہ شاہ پری۔ سب سے پہلے ہمیں شارق کو وہاں سے نکالنا ہے اور اس کے بعد ہی معلوم کرنا ہے کہ کوئی اس حویلی تک کیسے

aazzamm@yahoo.com

پہنچے۔"

"ہو سکتا ہے تم لوگوں کے آنے کے بعد کوئی شخص چوری کی نیت سے حویلی میں داخل ہوا ہو اور اس نے....."

"چوری تو گھروں میں کی جاتی ہے' کنوؤں میں نہیں جھانکا جاتا۔" ثمینہ نے نولکھا کی بات کاٹ دی۔ "یہ معلوم کرنا چاہیے کہ پولیس وہاں تک کیسے پہنچی۔" وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوئی' پھر بولی۔ "اوہ۔ ایک منٹ۔ میں انسپکٹر عثمان سے بات کرتی ہوں۔"

وہ کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آئی اور فون کا ریسیور اٹھا کر انسپکٹر عثمان کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔ لائن ملنے پر ریسیور کسی بچے نے اٹھایا تھا لیکن تھوڑی ہی دیر بعد انسپکٹر عثمان کی آواز سنائی دی۔

"میں ثمینہ بول رہی ہوں عثمان صاحب۔" ثمینہ اس کی آواز پہچان کر بولی۔

"شکر ہے رابطہ تو ہوا۔" عثمان بولا۔ "مسئلہ یہ ہے کہ میرے پاس تم لوگوں کا کوئی وثیقت نمبر نہیں ہے۔ کسی ایمرجنسی میں تم لوگوں سے رابطہ نہیں ہو سکتا۔"

"میں نے ایک اہم کام کے لیے فون کیا تھا۔ بہرحال پہلے آپ بتائیں کہ ایمرجنسی کیا ہے؟" ثمینہ بولی۔

"گزشتہ رات حاجی کے آدمیوں نے ملتان روڈ کے قریب واقع ایک حویلی پر چھاپہ مار کر وہاں سے کروڑوں روپے مالیت کا اسلحہ اور ہیروئن برآمد کی ہے....."

"اوہ۔" ثمینہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تو یہ حاجی کی حرکت ہے۔ بہرحال تفصیل بتاؤ۔ میں نے بھی اسی چکر میں فون کیا تھا۔"

"مجھے یہ سب کچھ آج صبح ہی معلوم ہوا ہے۔" انسپکٹر عثمان نے کہا۔ "حاجی کے آدمی لوگوں کی تلاش میں تو تھے ہی' کل رات اس نے مجیدے کو بلایا تھا اور مجیدے نے اسے بتایا تھا کہ شارق کو ملتان روڈ کے علاقے میں دیکھا گیا تھا۔ اسے شبہ تھا کہ شارق نے اس علاقے میں کوئی ٹھکانہ بنا رکھا ہے۔ حاجی کے آدمی اس علاقے کو چیک کرتے ہوئے کل رات کسی طرح اس حویلی تک پہنچ گئے جہاں ایک کمرے میں ہیروئن کے پیکٹ اور اسلحہ کی پیٹیاں رکھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے فوراً حاجی کو اطلاع دیدی۔ اتفاق سے اس وقت میں بھی حاجی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ میں بھی حاجی کے ساتھ حویلی گیا تھا۔ مزید اسلحہ یا ہیروئن کی تلاش میں انہوں نے اس کنویں کو چیک کیا تھا جس میں ایک لاش پڑی تھی۔ لاش کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔ حاجی نے

ہی۔ پولیس نے وہ لاش کنویں سے نکال کر اسپتال بھجوا دی ہے۔ حاجی نے پولیس کو ابھی یہ نہیں بتایا کہ وہ حویلی تم لوگوں کا خفیہ ٹھکانا تھا لیکن مجھے امید ہے کہ وہ بہت جلد پولیس کو یہ بھی بتا دے گا تاکہ پولیس تم لوگوں کی تلاش میں زیادہ سرگرم ہو جائے۔ شارق کا حال ہے؟"

"وہ زخمی ہے اور ایک محفوظ جگہ پر ہے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "تم حاجی پر نگاہ رکھو۔ میں میں تمہیں فون کروں گی۔"

اس نے فون بند کر دیا۔ اسی وقت رضیہ بھی مارکیٹ سے واپس آ گئی۔

"رضیہ! یہ برقع اتار کر مجھے دو۔ جلدی کرو۔" ثمینہ بولی۔

"خیریت!" رضیہ پریشان نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"خیریت ہی نہیں ہے۔ جلدی کرو۔" ثمینہ بولی۔

ثمینہ اپنا برقعہ پہنے ہوئے تھی۔ شاہ پری بھی چادر اوڑھے کھڑی تھی۔ رضیہ نے اپنا برقعہ اتار ثمینہ کے حوالے کر دیا۔ ثمینہ نے برقع پہن کر پلاسٹک کے ایک تھیلے میں ٹھونس لیا اور باہر کوٹھی سے نکلنے سے پہلے اس نے عقیل کو بھی ساتھ لے لیا تھا۔

ان کے پاس آج کل کوئی گاڑی نہیں تھی۔ وہ رکشہ ٹیکسیوں پر ہی سفر کر رہے تھے لیکن ان کو گاڑی کی ضرورت تھی۔ ثمینہ نے عقیل کو اس ضرورت سے آگاہ کیا تو وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"کوئی مسئلہ ہی نہیں ثمینہ بی بی۔" آپ جوں ہی گلی سے نکل کر مین روڈ پر میرا انتظار کریں میں گاڑی لے کر آتا ہوں۔"

عقیل بائیں طرف مڑ گیا تھا اور رضیہ اور شاہ پری دائیں طرف کی گلی میں مڑ گئیں۔ مین روڈ پر آ کر وہ ایک درخت کے نیچے کھڑی ہو گئیں۔ انہیں تقریباً دس منٹ انتظار کرنا پڑا۔ نیلے رنگ کی ایک کار ان کے قریب آ کر رکی تو اسٹیئرنگ کے سامنے عقیل کو دیکھ کر ثمینہ نے عقبی دروازہ کھولا اور دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئیں۔ عقیل نے ایک جھٹکے سے گاڑی آگے بڑھا دی۔

"کہاں جانا ہے ثمینہ بی بی؟" عقیل نے سامنے والا آئینہ ایڈجسٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

"اسپتال' رہائشی علاقے میں۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "یہ گاڑی کہاں سے لی؟"

"ایک گلی میں کھڑی تھی۔" عقیل نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اگر گاڑی کی گمشدگی کا پتہ چل گیا تو....."

"پتا نہیں چلے گا ثمینہ بی بی۔" عقیل نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اس لیے کہ ریوالور بھی اس کی ڈکی میں موجود ہے۔ اس کا منہ اور ہاتھ پیر بندھے ہوئے ہیں۔ وہ بیچارہ کسی کو کچھ نہیں بتا سکتا

aazzamm@yahoo.com

ہے۔"

ثمینہ نے مزید کوئی بات نہیں کی۔ تقریباً چالیس منٹ میں وہ اسپتال پہنچ گئے۔ طفیل گاڑی کو رہائشی علاقے والے گیٹ کے اندر لیتا چلا گیا اور پھر ثمینہ کی ہدایت پر اس نے گاڑی رضیہ کے کوارٹر کے سامنے اس طرح روکی کہ اس کا پچھلا دروازہ کوارٹر کے دروازے کے عین سامنے تھا۔

پڑوس والے کوارٹر کے سامنے کچھ لوگ جمع تھے۔ ثمینہ کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہاں رفیق کے بارے میں پتا چل گیا ہے۔ وہ کار سے اتر آئیں۔ ثمینہ نے دروازہ کھٹکھٹایا تو چند سیکنڈ بعد ہی دروازہ کھل گیا۔ ان کے اندر داخل ہوتے ہی رضیہ نے دروازہ بند کر لیا۔

"میرا خیال ہے کہ لاش کی شناخت ہو گئی ہے۔" ثمینہ کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔

"ہاں۔ اسپتال کا پورا اسٹاف اسے جانتا ہے لیکن ایک اچھی بات یہ ہوئی کہ رفیق کی بیوی نائٹ ڈیوٹی ختم کرنے کے بعد آٹھ بجے گاؤں چلی گئی تھی۔ وہ شام تک واپس آئے گی۔" نرس رضیہ نے بتایا۔

"تم پر تو کسی کو شبہ نہیں ہوا؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"ابھی نہیں۔" رضیہ نے جواب دیا۔

"ہم شارق کو یہاں سے لے جا رہے ہیں۔ تم بھی اپنی ضروری چیزیں سمیٹ لو اور ہمارے ساتھ چلو۔" ثمینہ نے کہا۔

"میرا جانا ٹھیک نہیں ہوگا۔" رضیہ نے کہا۔ "اگر میں غائب ہو گئی تو مجھ پر شبہ کیا جائے گا اس لیے میرا یہاں رہنا ہی بہتر ہے۔"

"پولیس کو ابھی تک یہ معلوم نہیں ہو سکا جس حویلی سے رفیق کی لاش برآمد ہوئی ہے' اس سے شارق کا کوئی تعلق ہے لیکن پولیس بہت جلد یہ معلوم کر لے گی کہ رفیق اس حویلی میں کس طرح پہنچا تھا۔ ایسی صورت میں....."

"اگر کوئی ایسی بات ہوئی تو میں فوراً یہاں سے نکل جاؤں گی۔ تم میری فکر مت کرو۔ شارق کو لے کر یہاں سے نکل جاؤ۔" رضیہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے رضیہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔" شارق نے کہا۔ "رضیہ کا یہاں سے جانا ٹھیک نہیں ہے۔ یہاں رہ کر یہ حالات پر نگاہ تو رکھ سکتی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" ثمینہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "تو پھر تم چلنے کے لیے تیار ہو جاؤ لو رضیہ تم۔" وہ رضیہ کی طرف گھوم گئی۔ "تم اپنے آپ کو تنہا مت سمجھنا۔ اگر تمہیں ذرا بھی شا ہو کہ تمہارا نام اس معاملے میں لیا جا رہا ہے تو فوراً گلبرگ والی کوٹھی آجانا۔"

"ٹھیک ہے۔ تم میری فکر مت کرو۔" رضیہ نے کہا۔

شارق اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ اس نے تکیے کے نیچے سے پستول بھی نکال کر قمیض کے نیچے پتلون کی بیلٹ میں اڑس لیا تھا۔

"لو.....یہ برقع پہن لو۔ اس کے بغیر تو تم یہاں سے نہیں نکل سکتے۔" ثمینہ نے تھیلے سے برقعہ نکال لیا۔

"یہ وقت بھی آنا تھا کہ مجھے برقع پہننا پڑے۔" شارق مسکرایا۔

ثمینہ نے اسے سہارا دے کر کھڑا کر دیا اور شارق کو برقعہ پہننے میں مدد دینے لگی۔ اس دوران رضیہ نے ہر وہ نشان مٹا دیا جس سے یہاں شارق کی موجودگی ثابت ہوتی ہو۔ اس نے شارق کی دوائیں بھی ایک تھیلے میں ڈال کر شاہ پری کے حوالے کر دی تھیں۔

پچھلے دس بارہ دن مکمل آرام کی وجہ سے شارق کی ٹانگ خاصی بہتر ہو گئی تھی۔ وہ بغیر سہارے کے آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ گاڑی دروازے کے بالکل سامنے کھڑی تھی۔ ان کے دروازے تک پہنچنے سے پہلے ہی دروازے پر دستک ہوئی۔ رضیہ نے دروازہ کھولا تو اپنی ماں اور بہن کو دیکھ کر وہ کسی قدر گڑبڑا سی گئی۔ شارق کے چہرے پر نقاب گرا ہوا تھا جبکہ ثمینہ اور شاہ پری کی صرف آنکھیں برہنہ تھیں۔

"یہ میری سہیلیاں ہیں اماں۔" رضیہ نے ماں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "بہت دیر سے آئی ہوئی تھیں' واپس جا رہی ہیں۔ آپ اندر چل کر بیٹھیے' میں انہیں رخصت کر کے آتی ہوں۔"

رضیہ کی ماں اور بہن کمرے کی طرف چلی گئیں۔ پہلے شاہ پری دروازے سے نکل کر سامنے کھڑی ہوئی کار میں بیٹھی' پھر شارق گاڑی میں گھس گیا اور آخر میں شارق کے ساتھ ثمینہ بیٹھی تھی۔ رضیہ کار کی کھڑکی پر جھکی مسکرا مسکرا کر باتیں کر رہی تھی۔ طفیل نے کار کا انجن اسٹارٹ کر دیا اور جب گاڑی حرکت میں آئی تو رضیہ سیدھی ہو کر ہاتھ ہلانے لگی۔ گاڑی مڑ کر گیٹ کی طرف چلی گئی تھی۔ رضیہ نے رفیق کے کوارٹر کے سامنے کھڑے ہوئے لوگوں کی طرف دیکھا۔ اس کے ساتھ ہی اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ ان لوگوں کے پاس دو پولیس والے بھی کھڑے تھے۔ ایک آدمی نے رضیہ کے کوارٹر کی طرف اشارہ کیا اور پولیس والے اس کی طرف آنے لگے۔ رضیہ دروازے میں داخل ہونا چاہتی تھی کہ ایک پولیس والے نے آواز دے کر اسے روک لیا۔ رضیہ مڑ کر ان کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔ ان پولیس والوں میں ایک اے ایس آئی تھا اور دوسرا ہیڈ کانسٹیبل۔

"معاف کیجئے سسٹر۔" اے ایس آئی

aazzamm@yahoo.com

والی نرس صائمہ..... کیا آپ انہیں جانتی ہیں۔"

"عجیب سا سوال کیا ہے آپ نے۔" رضیہ نے اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "ہم دونوں ایک دوسرے کی پڑوسنیں ہیں اور ایک ہی جگہ کام کرتی ہیں۔ پھر نہ جاننے کا کیا سوال۔"

"میرا مطلب ہے آپ بتا سکیں گی کہ سسٹر صائمہ کہاں گئی ہوئی ہیں اور کب تک واپس آئیں گی؟" اے ایس آئی بولا۔

"وہ صبح سات بجے میرے ساتھ ہی ڈیوٹی سے واپس آئی تھی۔ شاید گاؤں گئی ہے' اپنے گھر والوں سے ملنے۔ شام تک آجائے گی۔" رضیہ نے جواب دیا۔ "کون سے گاؤں؟"

"اس کے والدین کھوڑیر میں رہتے ہیں لیکن گھر کا پتا مجھے معلوم نہیں۔" رضیہ نے کہا۔

"کھوڑیر تو بہت بڑا گاؤں ہے بلکہ ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ ایڈریس کے بغیر کسی کو تلاش کرنا بہت مشکل ہے۔ بہرحال۔" اے ایس آئی اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہ بات آپ کو پتا چل گئی ہوگا کہ صائمہ کے شوہر رفیق کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس کی لاش یہاں سے میلوں دور ایک حویلی کے کنویں سے ملی ہے۔ اس کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔ اسے قتل بھی کہا جا سکتا ہے۔ آپ تو ان کے پڑوس میں رہتی ہیں۔ میاں بیوی کے تعلقات کیسے تھے؟"

"آپ کو اور بھی بہت سے لوگوں نے بتایا ہوگا کہ رفیق [illegible] تھا۔ بیوی کو مارتا پیٹتا بھی تھا اور دوسری عورتوں کے پیچھے بھی بھاگتا پھرتا تھا۔"

"کیا آپ کے خیال میں اس کی موت میں بیوی کا ہاتھ ہو سکتا ہے؟"

"میں ایسا نہیں سمجھتی۔" رضیہ نے کہا۔ "صائمہ کا کام ایسی عورتوں میں ہوتا ہے جو شوہروں کا ظلم تو برداشت کر لیتی ہیں لیکن احتجاج نہیں کرتیں۔ ویسے بھی وہ رات کو ڈیوٹی پر تھی۔"

"ابھی مجھے پتا چلا ہے کہ رفیق کا آپ سے بھی کچھ ملنا جلنا تھا؟"

"جی ہاں۔ کبھی کبھار آتے جاتے گپ شپ ہو جاتی تھی۔" رضیہ نے جواب دیا۔

"آپ سے اس کی آخری ملاقات کب ہوئی تھی؟" اے ایس آئی نے پوچھا۔

"[illegible] کو جب میں ڈیوٹی پر جانے کے لیے گھر سے نکلی تھی تو وہ اپنے دروازے کے سامنے [illegible] تھا۔ اس کے بعد میں نے اسے نہیں دیکھا البتہ صبح ڈیوٹی سے واپس آنے کے بعد میں سو رہی تھی کہ [illegible] کوارٹروں میں رہنے والے ایک آدمی نے جگا کر بتایا کہ رفیق کی لاش ملی ہے اور اس کی بیوی صائمہ گھر پر نہیں ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی' پھر بولی۔ "اب میں اجازت چاہوں گی انسپکٹر۔ میری والدہ اور بہن آئی ہوئی ہیں۔ مجھے شاید ان کے ساتھ گھر جانا پڑے۔"

"ٹھیک۔ آپ کا بہت شکریہ۔" اے ایس آئی نے کہا اور دوبارہ اس طرف چلا گیا جہاں اب بھی محلے کے لوگ کھڑے تھے۔

رضیہ نے اندر آکر دروازہ بند کر دیا اور کمرے میں ماں اور بہن کے پاس آگئی۔

○

وہ سب شارق والے کمرے میں جمع تھے۔ انہیں کوٹھی میں چھوڑنے کے بعد طفیل اس گاڑی کو اس علاقے سے بہت دور چھوڑ آیا تھا۔ کار کا مالک بندھا ہوا ڈکی میں پڑا ہوا تھا۔ طفیل نے اس کے ہاتھ پیر تو نہیں کھولے تھے البتہ ڈکی کا ڈھکنا کھول دیا تھا تاکہ ادھر سے گزرنے والا کوئی شخص اسے دیکھ کر بندشوں سے آزاد کر دے۔ وہ تقریباً ایک گھنٹے بعد واپس آیا تھا اور اس نے ثمینہ کو بتایا تھا کہ گاڑی اس نے کہاں چھوڑی تھی۔

شارق کو ثمینہ والے کمرے میں بستر پر لٹا دیا گیا۔ نولکھا بھی اسی کمرے میں آگیا تھا۔ رضیہ ان کے لیے چائے بنا لائی تھی۔ شارق نے رضیہ اور ماں جی کو اگرچہ ہر معاملے سے الگ رکھا تھا لیکن کچھ عرصہ سے صورتحال کچھ ایسی ہو گئی تھی کہ وہ رضیہ سے کوئی بات پوشیدہ نہیں رکھ پا رہا تھا۔ رضیہ محض باتوں کی حد تک ان کی شریک تھی۔ عملی طور پر شارق اسے کبھی آگے نہیں لایا تھا اور نہ ہی وہ ایسا چاہتا تھا۔ باتوں کی حد تک وہ اس وقت بھی ان کی شریک تھی۔ گفتگو کا موضوع وہ حویلی ہی تھی۔

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حاجی کے آدمی اس حویلی تک کیسے پہنچے تھے؟" شارق نے کہا۔

"مجھے انسپکٹر عثمان نے بتایا تھا۔" ثمینہ نے کہا۔ "حاجی نے مجیدے کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ مجیدے نے یہ شبہ ظاہر کیا تھا کہ اس علاقے میں شارق کا کوئی خفیہ ٹھکانا ہو سکتا ہے۔ انہوں نے وہ حویلی تلاش کر لی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش رہی' پھر عثمان سے ہونے والی گفتگو کی تفصیل سے آگاہ کرنے لگی۔

"ٹھیک ہے۔" شارق اس کے خاموش ہونے پر بولا۔ "حاجی کے آدمی وہاں پہنچ گئے تھے' انہوں نے کنویں میں پڑی ہوئی لاش کے بارے میں تو پولیس کو بتا دیا۔ اسلحہ اور ہیروئن کے بارے میں کیوں نہیں بتایا؟"

"کیسے بتا سکتا تھا شارق باؤ۔" نولکھا نے کہا۔ "یہ اسلحہ اور ہیروئن ہی تو اس کا ایمان ہے۔ کروڑوں کے اس مال کے بارے میں وہ پولیس کو کیسے بتا سکتا ہے۔"

aazzamm@yahoo.com

"اس نے ابھی تک پولیس کو یہ نہیں بتایا کہ اس حویلی سے ہمارا کوئی تعلق ہے لیکن پولیس جلد یہ معلوم کر لے گی۔ رفیق کی لاش حویلی کے کنویں سے ملی ہے۔ رفیق اسپتال کی ایک نرس کا شوہر تھا اور میں زخمی حالت میں اسپتال سے فرار ہوا تھا۔ پولیس یہ معلوم کرنے کی کوشش ضرور کرے گی کہ رفیق کا اس حویلی سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ پولیس کی تحقیق کسی ایک جگہ نہیں رکتی۔ تحقیق و تفتیش کا دائرہ مزید وسیع ہوگا تو بات نرس رضیہ تک پہنچے گی اور اس طرح وہ خطرے میں پڑ جائے گی۔ ویسے میں نے تو کہا بھی تھا کہ اس جنجال میں پڑنے کی بجائے ہمارے ساتھ ہی نکل چلے لیکن تم نے ہی میری بات کی مخالفت کی تھی۔"

"رضیہ نے ویسے ٹھیک ہی کہا تھا کہ اس کا غائب ہو جانا اسے مشتبہ بنا دے گا۔" شارق نے کہا۔ "پولیس اگر رفیق کا حویلی سے کوئی ناطہ قائم کرے گی تو یہ شبہ تو ضرور کیا جائے گا کہ شارق وارڈ سے فرار ہو کر اسپتال کی حدود میں کسی جگہ روپوش رہا تھا۔ یہ ضروری نہیں کہ پولیس والے سیدھے رضیہ کے پاس پہنچ جائیں۔ حویلی کے کنویں سے رفیق کی لاش ملی ہے تو پولیس یہ سوچنے پر مجبور ہو جائے گی کہ اس کا شارق سے کوئی تعلق تھا۔ پولیس یقیناً اس نتیجہ پر پہنچے گی کہ رفیق ہی نے شارق کو پناہ دی تھی اور اسے کہیں چھپائے رکھا تھا۔ پھر وہ کسی طرح شارق کو وہاں سے نکال کر اس حویلی میں لے گیا ہوگا۔ وہاں اس کا شارق یا اس کے ساتھیوں سے جھگڑا ہو گیا ہوگا جس پر انہوں نے رفیق کو باندھ کر کنویں میں پھینک دیا۔ رفیق اور شارق کا تعلق جوڑ لینے کے بعد پولیس رفیق کی بیوی کو پریشان کرے گی۔ ضمنی طور پر ہو سکتا ہے کہ رضیہ سمیت دوسرے پڑوسیوں سے بھی رابطہ کیا جائے لیکن وہ براہ راست کسی پر شبہ نہیں کر سکتے۔"

"یہ تو خیر الگ بحث ہے۔" ثمینہ نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ "لیکن ایک بات طے ہے کہ حاجی نے ہمیں چپت لگا دی ہے۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں اسے چھوڑوں گا نہیں۔ اس نے چپت لگائی ہے' میں اسے ایسا تھپڑ لگاؤں گا کہ وہ ناچ کر رہ جائے گا۔"

"تم ابھی کئی روز تک گھر سے باہر نہیں نکلو گے۔" ثمینہ نے اسے گھورا۔ "حاجی کو یہ تھپڑ میں لگاؤں گی۔ تم آرام سے بیٹھے رہو۔ اب میرا کام دیکھو کہ میں کیا کرتی ہوں۔" وہ چند لمحے خاموش رہی' پھر بولی۔ "چند روز میں ہی حاجی اگر تمہارا نام نہ بھول جائے اور میرے نام کی دہائی نہ دینے لگے تو میرا نام بدل دینا لیکن پہلے ایک بات بتاؤ۔"

"پوچھو۔" شارق نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

"انسپکٹر عثمان کی تصویریں تمہارے پاس موجود ہیں یا ضائع کر دیں؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"تصویریں بھی ہیں اور نیگیٹو بھی لیکن اس کے بارے میں کیوں پوچھ رہی ہو؟" شارق نے اسے گھورا۔

"وہ بڑے کام کا آدمی ہے اور میں اس سے کچھ اور کام لینا چاہتی ہوں۔ بہرحال اب یہ موضوع ختم۔ اب کسی اور موضوع پر بھی کچھ باتیں ہو جائیں۔" ثمینہ نے کہا اور پھر واقعی اس موضوع پر انہوں نے مزید کوئی بات نہیں کی۔

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد وہ تاش لے کر بیٹھ گئے اور شام چھ بجے تک تاش کھیلتے رہے۔ اس دوران ثمینہ نے دو تین مرتبہ انسپکٹر عثمان کو فون کیا تھا لیکن اس سے رابطہ نہیں ہو سکا تھا۔

سات بجے کے قریب انسپکٹر عثمان فون پر مل گیا۔

"میں تم سے ملنا چاہتی ہوں عثمان۔" ثمینہ نے کہا۔ "آج رات ساڑھے آٹھ بجے مال روڈ پر شیزان میں میرا انتظار کرنا۔"

"ٹھیک ہے۔" عثمان نے جواب دیا۔ "میں پہنچ جاؤں گا۔ تمہیں حاجی کے بارے میں کچھ باتیں بھی بتانا چاہتا ہوں۔"

"تمام باتیں ملاقات پر ہوں گی۔" ثمینہ نے کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔ اس نے شاہ پری سے تیار ہونے کو کہا اور پھر خود بھی کمرے میں آکر اس نے دروازہ بند کر لیا اور کپڑوں والی الماری کھول لی۔ کئی روز پہلے اس نے انارکلی سے دو تین ساڑھیاں خریدی تھیں اور بلاؤز وغیرہ بھی سلوائے تھے لیکن اس کے بعد حالات نے کچھ ایسا رخ اختیار کیا تھا کہ وہ ساڑھی کا شوق پورا نہیں کر سکی تھی اور آج وہ ساڑھی پہننے کے موڈ میں تھی۔

پیٹی کوٹ اور بلاؤز پہننے کے بعد وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ گئی اور چہرے پر میک اپ کرنے لگی۔ اس نے ہونٹوں کے دائیں کنارے کے قریب مسور کے دانے کے برابر ایک تل بھی بنا لیا تھا جو خوب جچ رہا تھا۔ میک اپ کرکے اس نے دراز میں سے سفید شیشوں والی ایک عینک بھی نکال کر آنکھوں پر لگا لی۔ فریم بہت خوبصورت تھا۔ پھر اس نے ساڑھی پہنی اور قد آدم آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر اپنا جائزہ لینے لگی۔ ہلکے نیلے رنگ کی ساڑھی میں وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔

ثمینہ نے اپنا ہینڈ بیگ اٹھا کر اس میں رکھی ہوئی چیزیں چیک کیں' پھر میز کی دراز سے کچھ رقم اور پستول نکال کر بیگ میں رکھا اور بیگ کا اسٹریپ کندھے پر لٹکا کر کمرے سے باہر آگئی۔ جب وہ شارق کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ بھی اسے دیکھ کر چونک گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔

aazzamm@yahoo.com

"چکرا گئے نا؟" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس وقت تو میں واقعی چکرا گیا تھا۔ اس روپ میں پہلی مرتبہ دیکھا ہے تمہیں۔" شارق نے اس کے سراپا کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"عورت کے کئی روپ ہوتے ہیں۔" ثمینہ مسکرائی۔ "تم میرے کئی روپ دیکھ چکے ہو۔ اب دیکھنا اس روپ میں کیا گل کھلاتی ہوں۔"

"کہاں جا رہی ہو؟" شارق نے پوچھا۔

"میں نے انسپکٹر عثمان کو ساڑھے آٹھ بجے شیزان میں وقت دیا ہے۔ شاہ پری میرے ساتھ جا رہی ہے۔ واپسی پر دیر ہو جائے تو پریشان مت ہونا۔" ثمینہ نے کہا۔ اس دوران شاہ پری بھی وہاں آگئی۔ اس نے اگرچہ شلوار سوٹ پہنا تھا لیکن بالوں کے بدلے ہوئے اسٹائل سے اس میں خاصی تبدیلی آگئی تھی۔ کوٹھی سے نکل کر مین روڈ پر آتے ہی انہیں ٹیکسی مل گئی تھی اور جب وہ شیزان کے سامنے ٹیکسی سے اتریں تو ٹھیک ساڑھے آٹھ بج رہے تھے۔ وہاں پر اس وقت بڑی چہل پہل تھی۔ خصوصاً شیزان کے سامنے تو بڑی رونق تھی۔ ریسٹورنٹ کے سامنے بھی کچھ بے فکرے کھڑے سگریٹ کا دھواں اڑاتے ہوئے گپ شپ کر رہے تھے۔

ریسٹورنٹ کے اندر کا ماحول بڑا خوابناک تھا۔ مدھم روشنیاں تھیں۔ مرکزی دروازے سے چند قدم آگے شیشے کا بہت بڑا ایکوریم تھا جس میں رنگ برنگ مچھلیاں تیر رہی تھیں۔ تمام میزیں بھری ہوئی تھیں۔ ہر میز پر کوئی نہ کوئی عورت ضرور نظر آرہی تھی۔ ان میں ادھیڑ عمر بھی تھیں اور جوان بھی لیکن زیادہ تعداد جوان لڑکیوں کی تھی جن کا تعلق ایسے دولت مند گھروں سے تھا جن میں رات کو دیر تک گھر سے باہر رہنے اور بوائے فرینڈز کے ساتھ گھومنے پھرنے پر کوئی بازپرس نہیں ہوتی تھی۔

ثمینہ ایکوریم کے قریب رک کر متجسس نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگی اور پھر اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ انسپکٹر عثمان شیشے کے قریب والی ایک میز پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اکیلا ہی تھا اور بار بار دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ثمینہ نے اسے ساڑھے آٹھ کا وقت دیا تھا اور اسے یقین تھا کہ وہ آٹھ بجے سے ہی یہاں بیٹھا اس کا انتظار کر رہا ہوگا۔

ہال میں بیٹھے ہوئے بہت سے لوگ ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ویسے ریسٹورنٹس میں عام طور پر لگے بندھے گاہک ہی آتے ہیں۔ وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں میں اکثریت ایسے ہی گاہکوں کی تھی اور انہوں نے ان دو حسیناؤں کو پہلی بار دیکھا تھا۔

ثمینہ نے شاہ پری کو اشارہ کیا اور وہ دونوں نپے تلے قدم اٹھاتی ہوئی عثمان والی میز کی طرف

چلنے لگیں۔ انسپکٹر عثمان بھی ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ انہیں اپنی طرف آتے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی تھی۔ وہ دونوں اس کی میز کے قریب رک گئیں۔

"کیا ہم یہاں بیٹھ سکتی ہیں!" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"اوہ.... ضرور....." انسپکٹر عثمان نے باری باری دونوں کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن کچھ اور گہری ہو گئی تھی اور وہ ایک بار پھر دروازے کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

"آپ کو شاید کسی کا انتظار ہے؟" ثمینہ نے کہا۔

"جج.... جی ہاں۔ وہ آنے ہی والی ہے۔" انسپکٹر عثمان بولا۔

"یعنی وہ کوئی خاتون ہے؟" ثمینہ مسکرائی۔ "ہو سکتا ہے وہ نہ آئے۔ اس وقت تو ہم آپ کے مہمان ہیں، ایک نہیں دو ہیں۔ ہر میز پر بیٹھے ہوئے لوگوں کی خواہش ہوگی کہ ہم ان کی میز پر بیٹھیں۔ آپ شاید الجھن محسوس کر رہے ہیں۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" انسپکٹر عثمان کھسیانا سا ہو گیا۔ "مجھے دراصل ایک ایسی خاتون کا انتظار ہے جو....."

"اور غالباً آپ اسے پہچانتے بھی نہیں۔" ثمینہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"جی ایسی بات نہیں ہے۔ میں بہت اچھی طرح پہچانتا ہوں اسے۔" انسپکٹر عثمان نے کہا۔

"پھر غور سے میری طرف دیکھو مسٹر عثمان۔" ثمینہ نے کہتے ہوئے عینک اتار لی۔ انسپکٹر عثمان اپنا نام سن کر اچھل پڑا۔ اس نے غور سے ثمینہ کی طرف دیکھا اور پھر اس کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔

"میں تمہیں واقعی نہیں پہچان سکا تھا مس ثمینہ۔" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں نے تمہیں جب بھی دیکھا جینز اور ٹی شرٹ میں دیکھا۔ بالوں کا اسٹائل بھی مختلف تھا۔ اس لباس میں تو تم بالکل ہی بدل گئی ہو اور یہ....." وہ سوالیہ نگاہوں سے شاہ پری کی طرف دیکھنے لگا۔

"میری دوست ہے شاہ پری۔" ثمینہ نے اس کا تعارف کرایا۔ "اس وقت تم اسے دیکھ رہے ہو۔ کل یہ تمہارے پاس کھڑی ہوگی تو تم اسے نہیں پہچان سکو گے۔"

"اوہ۔" انسپکٹر عثمان کے منہ سے ایک بار پھر گہرا سانس نکل گیا۔ اس نے ویٹر کو اشارہ کر کے کافی منگوا لی۔

کافی کی چسکیاں لیتے ہوئے وہ سرگوشیوں میں باتیں کرنے لگے۔ وہ لوگ شیشے کے ساتھ جس میز پر بیٹھے تھے، وہاں سے باہر سڑک پر دور تک دیکھا جا سکتا تھا۔

"ہاں۔ اب بتاؤ۔ وہ کیا باتیں ہیں جو تم مجھے بتانا چاہتے تھے۔" ثمینہ نے اس کی طرف دیکھتے

aazzamm@yahoo.com

ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں پوچھا۔

حاجی نے پولیس کو یہ اطلاع فراہم کر دی تھی کہ وہ حویلی بہت عرصہ سے شارق کے استعمال میں تھی۔ حویلی کے کنویں سے رفیق کی لاش ملی ہے اور رفیق صائمہ نامی ایک نرس کا شوہر ہے جو اسپتال ہی کے کوارٹر میں رہائش پذیر تھا۔ اس لیے پولیس کو شبہ ہی نہیں بلکہ یقین ہو گیا ہے کہ شارق کو اسپتال سے فرار کرانے میں رفیق کا ہاتھ تھا۔ ہو سکتا ہے وہ پہلے سے شارق کے لیے کام کر رہا ہو یا شارق نے اسے دولت کا لالچ دے کر اپنی مدد کے لیے آمادہ کیا ہو۔ بہرحال پولیس کو یقین ہے کہ وارڈ سے فرار ہونے کے بعد شارق اسپتال کے کسی رہائشی کوارٹر ہی میں چھپا ہوا تھا۔ پولیس نے اس سلسلے میں نئے خطوط پر تفتیش شروع کر دی ہے اور اسپتال کے ان تمام ملازمین سے پوچھ گچھ شروع کر دی گئی ہے جو اس رات ڈیوٹی پر تھے۔ ان میں کچھ نرسیں بھی شامل ہیں۔ رفیق کی بیوی صائمہ کو پولیس نے حراست میں لے لیا ہے اور اس سے رفیق اور شارق کے بارے میں پوچھ گچھ کی جا رہی ہے۔

"اوہ۔" ثمینہ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "صائمہ بے گناہ ہے۔ وہ شارق کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔"

"کیا تم اسے جانتی ہو؟" انسپکٹر عثمان نے پوچھا۔

"نہیں۔" ثمینہ نے نفی میں سر ہلایا۔ "لیکن شارق سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ شارق سے تو رفیق کا بھی کوئی تعلق نہیں تھا۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی کہ اس کی لاش حویلی کے کنویں سے کیسے ملی؟"

"ہو سکتا ہے پولیس کو الجھانے کے لیے یہ سارا ڈرامہ حاجی نے رچایا ہو اور رفیق اتفاق سے اس کے ہاتھ لگ گیا ہو جسے حویلی میں لے جا کر کنویں میں پھینک دیا ہو اور پولیس کو اطلاع دیدی ہو۔" انسپکٹر عثمان نے کہا۔

"بہرحال۔" ثمینہ گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔ "اسپتال کے اور کون کون سے ملازمین شے کی زد پر ہیں؟"

"چار پانچ ہیں۔" انسپکٹر عثمان نے جواب دیا۔ "اس رات سرجیکل وارڈ میں رضیہ نامی نرس کی ڈیوٹی تھی۔ اس سے بھی پوچھ گچھ کی جا رہی ہے اور وارڈ بوائے سے بھی جو اس روز شام کی ڈیوٹی پر آنے کے فوراً بعد چھٹی لے کر چلا گیا تھا۔ پولیس نے مشتبہ افراد کے گھروں کی تلاشی بھی لی ہے لیکن ایسی کوئی چیز نہیں ملی جس سے ثابت ہو سکے کہ شارق یہاں رہ چکا ہے۔"

"حاجی کے بارے میں اور کیا اطلاع ہے؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"مجیدے کے علاوہ وہ کچھ اور پارٹیوں کو بھی اپنے ساتھ ملا رہا ہے تاکہ سب لوگ مل کر شارق اور تمہیں تلاش کر سکیں۔ وہ سب بے وقوف ہیں۔" انسپکٹر عثمان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "وہ سمجھتے ہیں کہ حاجی ان پر مہربان ہو گیا ہے لیکن وہ نہیں جانتے کہ مطلب پورا ہو جانے کے بعد حاجی ان سب کو جوتے مار کر بھگا دے گا۔"

"اب ایک اور اہم بات۔" ثمینہ اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولی۔ "حاجی نے حویلی سے جو مال نکالا ہے' وہ کہاں رکھا گیا ہے؟"

"اقبال ٹاؤن والی کوٹھی میں۔" انسپکٹر عثمان نے جواب دیا۔ "حاجی کا زیادہ وقت آج کل اسی کوٹھی میں گزر رہا ہے۔ میں بھی حاجی کے ساتھ چپکا رہتا ہوں۔ صرف یہ ثابت کرنے کے لیے کہ میں نے اس کے خلاف جو کارروائی کی تھی' وہ غلط تھی اور اب اس کا وفادار ہوں۔"

"کیا یہ کنفرم ہے کہ مال اسی کوٹھی میں رکھا گیا ہے؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"ہاں۔" انسپکٹر عثمان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اس لیے کہ جب حاجی کو اس مال کے بارے میں اطلاع ملی تھی تو اس وقت بھی میں وہاں موجود تھا اور حاجی کے ساتھ جو آدمی حویلی گئے تھے' ان میں میں بھی شامل تھا اور وہ ٹرک بھی میں ہی چلا کر لایا تھا جس پر حویلی سے مال لادا گیا تھا۔"

"وہ مال کہیں اور تو منتقل نہیں ہوا؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"نہیں' ابھی وہیں ہے۔" انسپکٹر عثمان نے جواب دیا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ تمہیں ایک کام اور کرنا ہے۔" ثمینہ بولی۔

"وہ کیا؟" عثمان نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ایک گاڑی چاہیے کیونکہ آج کل ہمارے پاس کوئی گاڑی نہیں ہے۔" ثمینہ نے کہا۔

"میری گاڑی باہر کھڑی ہے' وہ لے جاؤ۔"

"نہیں۔ کوئی ایسی گاڑی جسے ٹریس نہ کیا جا سکے۔" ثمینہ نے کہا۔

"یہ ایسی ہی گاڑی ہے۔" انسپکٹر عثمان نے جواب دیا۔ "تقریباً دو مہینے پہلے یہ گاڑی پولیس نے ڈکیتی کے ملزمان سے پکڑی تھی۔ اصولی طور پر اسے گمشدہ گاڑیوں کے پول میں جمع کر دینا چاہیے تھا لیکن یہ گاڑی ابھی تک میرے پاس ہے۔ اس کا کہیں اندراج بھی نہیں ہے۔ اگر کہیں پکڑی بھی گئی تو ٹریس نہیں ہو سکے گی۔"

"تمہارا نام تو نہیں آئے گا؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"نہیں۔" عثمان مسکرایا۔ "ایسی بہت سی گاڑیاں پولیس والوں کے استعمال میں ہیں۔ انہیں

aazzamm@yahoo.com

کوئی پوچھنے والا بھی نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" ثمینہ نے کہا۔ "میں وہ گاڑی ابھی لے جاؤں گی اور کل رات گیارہ بجے تم مجھے اچھرہ موڑ پر ملو گے۔ ٹھیک گیارہ بجے۔"

"کوئی خاص بات؟" انسپکٹر عثمان نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔ حاجی کو یہ بتانا ہے کہ شارق اور ثمینہ سے چھینا ہوا مال آسانی سے ہضم نہیں ہو سکتا۔ ویسے اقبال ٹاؤن والی کوٹھی میں عام طور پر کتنے آدمی ہوتے ہیں؟"

"تین چار تو ہر وقت موجود رہتے ہیں۔" انسپکٹر عثمان نے جواب دیا۔

"رات گیارہ بجے اچھرہ موڑ پر آنے سے پہلے تم یہ معلوم کر لو گے کہ وہاں کتنے آدمی ہیں۔"

"تو کیا تم....."

"ہاں۔" ثمینہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "فوری جوابی کارروائی سے میں حاجی کو یہ بھی باور کرا دینا چاہتی ہوں کہ ہم غافل نہیں ہیں۔ شارق اگر زخمی ہو کر پڑا ہوا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ بے دست و پا ہو گیا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں کل رات گیارہ بجے مقررہ جگہ پر ملوں گا۔" عثمان نے جواب دیا۔

"تو ٹھیک ہے۔ اب چلنا چاہیے۔" ثمینہ نے کہا۔

انسپکٹر عثمان نے ویٹر کو بلا کر بل ادا کیا اور وہ تینوں میز سے اٹھ گئے۔ ریسٹورنٹ میں بیٹھے ہوئے لوگ اب بھی ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انسپکٹر عثمان کی گاڑی ریسٹورنٹ سے چالیس پچاس گز دور کھڑی تھی۔ وہ تینوں گاڑی کی طرف چلنے لگے۔ وہ سفید رنگ کی نسان سیڈان تھی۔ عثمان نے جیب سے چابیوں کا گچھا نکال کر ثمینہ کی طرف بڑھا دیا۔

"ویسے میرا مشورہ ہے کہ تم اس طرح آزادی سے مت پھرا کرو۔" وہ ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"اس کی تم فکر مت کرو۔" وہ مسکرائی۔ "تم مجھے نہیں پہچان سکے تھے تو کوئی اجنبی کیا پہچانے گا۔"

ثمینہ نے دروازے کا لاک کھول دیا۔ وہ دروازہ کھول ہی رہی تھی کہ فضا فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھی۔ ایک گولی انسپکٹر عثمان کے بائیں بازو پر لگی اور وہ چیخ کر نیچے گرا۔ ثمینہ اور شاہ پری بڑی پھرتی سے نیچے گر گئی تھیں۔ ان دونوں نے فوراً اپنے اپنے ہینڈ بیگز سے پستول نکال لیے تھے۔ انسپکٹر عثمان نے بھی پتلون کی جیب سے پستول نکال لیا تھا۔

فائرنگ سڑک کے دوسری طرف کھڑی ہوئی ایک کار سے کی جا رہی تھی۔ فائرنگ سے بھگدڑ سی مچ گئی۔ لوگ ادھر ادھر دوڑنے لگے۔ شاہ پری اور ثمینہ وغیرہ نے بھی اپنی کار کی آڑ سے سامنے والی کار پر فائرنگ شروع کر دی۔

اس کار میں تین آدمی تھے۔ ایک ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا اور دو فائرنگ کر رہے تھے۔ دونوں کے پاس پستول یا ریوالور تھے۔ جوابی کارروائی ہوتے دیکھ کر وہ کار حرکت میں آگئی اور طوفانی رفتار سے ریگل چوک کی طرف چلی گئی۔

"کون تھے یہ لوگ؟" ثمینہ نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"پتہ نہیں کون تھے۔ گاڑی میں بیٹھو۔ جلدی کرو اور تم لوگ نکل جاؤ یہاں سے۔" انسپکٹر عثمان نے کہا۔

"اور تم.....؟" ثمینہ بولی۔

"میری فکر مت کرو۔ تم لوگ نکل جاؤ۔" عثمان بولا۔

ثمینہ اور شاہ پری گاڑی میں بیٹھ گئیں۔ ثمینہ نے انجن اسٹارٹ کیا اور ایک زوردار جھٹکے سے گاڑی آگے بڑھا دی اور اس کی رفتار بڑھاتی چلی گئی۔

○

اخبار میں شائع ہونے والی وہ خبر خاصی دلچسپ تھی۔ ایک سابق پولیس افسر پر اس وقت قاتلانہ حملہ کیا گیا تھا جب وہ اپنے دوستوں کے ساتھ مال روڈ کے ایک ریسٹورنٹ سے نکل کر کار کی طرف جا رہا تھا۔ پولیس کے ذرائع نے بتایا تھا کہ یہ پولیس آفیسر آج کل اگرچہ معطل ہے لیکن اس سے پہلے اپنی ڈیوٹی کے دوران جرائم پیشہ لوگوں کے خلاف سخت کارروائی کرتا رہا ہے اور اس پر حملہ کسی ایسے ہی جرائم پیشہ شخص نے کیا تھا جو اس کے ہاتھوں کسی وقت زک اٹھا چکا تھا۔ پولیس کے ذرائع کے مطابق ایک گولی سابق پولیس آفیسر کے بازو کا گوشت چیرتی ہوئی نکل گئی تھی اور اسے مرہم پٹی کر کے فارغ کر دیا گیا تھا۔ پولیس نامعلوم حملہ آوروں کا سراغ لگانے کی کوشش کر رہی ہے۔

یہ اگرچہ سادہ خبر تھی۔ اس خبر کو پڑھنے کے بعد ہر شخص یہی سمجھے گا کہ کسی جرائم پیشہ نے کوئی بدلہ لینے کے لیے پولیس آفیسر پر قاتلانہ حملہ کیا تھا لیکن شارق وغیرہ کے لیے سوچنے کے لیے بہت کچھ تھا اور وہ لوگ بہت دیر سے بیٹھے اسی خبر پر تبصرہ کر رہے تھے۔

"یہ انسپکٹر عثمان کی کوئی چال بھی ہو سکتی ہے۔" نولکھا کہہ رہا ہے۔ "وہ جانتا ہے کہ تمہارے پاس اس کی ایسی تصویریں ہیں جو اسے پھانسی کے پھندے تک پہنچا سکتی ہیں۔ ان تصویروں کی وجہ

aazzamm@yahoo.com

سے وہ براہ راست تمہارے خلاف کچھ نہیں کر سکتا لیکن ایک تلوار تو اس کے گلے پر لٹکی ہوئی ہے ناں..... اس سے نجات حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ تم لوگوں کا ہمدرد بنا رہے اور تمہیں راستے سے ہٹانے کی کوشش بھی کرے۔"

"اس امکان کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔" شارق بولا۔ "ثمینہ نے پہلے سے اسے بتا دیا تھا کہ وہ ساڑھے آٹھ بجے شیزان میں اسے ملنے آئے گی اور ہو سکتا ہے عثمان نے پہلے سے آدمیوں کا بندوبست کر رکھا ہو اور انہیں سمجھا دیا ہو کہ کس وقت کیا کرنا ہے' لہٰذا موقع پا کر انہوں نے کارروائی کر دی۔ یہ تو خوش قسمتی تھی کہ تم دونوں بچ گئیں۔" وہ ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھنے لگا۔

"سوچنے کی بات اور بھی ہے۔" ثمینہ نے کہا۔ "گولی اس کو لگی تھی اور پھر اس نے ہمیں وہاں سے بھاگ جانے کا مشورہ دیا تھا۔ اس کے پاس پستول بھی تھا۔ اگر وہ چاہتا تو ہمیں اپنی گولیوں کا نشانہ بنا کر الزام حملہ آوروں پر عاید کر سکتا تھا۔"

"ثمینہ بی بی۔" نولکھا نے کہا۔ "ایسے کھیلوں میں تو بڑی لمبی لمبی چالیں چلی جاتی ہیں۔ تمہاری ذہانت میں کوئی شبہ نہیں لیکن تم ان باتوں کو ابھی نہیں سمجھ رہی ہو۔ میرا مشورہ تو یہ ہے کہ انسپکٹر عثمان پر زیادہ اعتماد نہ کیا جائے۔"

"میں تم سے اتفاق کرتی ہوں۔" شاہ پری نے پہلی مرتبہ گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

"بہرحال جو کچھ بھی ہو' حاجی کے خلاف آج ہی کارروائی ہو گی اور اس کارروائی میں عثمان شریک نہیں ہوگا۔ اسے فون کرکے بتا دیا جائے گا کہ ہم نے اپنا پروگرام ملتوی کر دیا ہے۔" ثمینہ نے کہا۔

توقع کے عین مطابق انسپکٹر عثمان گھر پر ہی موجود تھا اور فون کال اسی نے ریسیو کی تھی۔ "میں ثمینہ بول رہی ہوں مسٹر عثمان۔" ثمینہ نے اس کی آواز سننے کے بعد کہا۔ "تمہارے بازو کا زخم کیسا ہے اب۔ رات کو تو میں گھبرا گئی تھی لیکن ابھی اخبار میں پڑھا تو پتہ چلا کہ گولی صرف گوشت چیرتی ہوئی نکل گئی تھی۔"

"ہاں۔ معمولی زخم ہے۔ دو چار روز میں ٹھیک ہو جائے گا۔ پولیس سروس میں رہ کر تو ایسے کئی زخم لگے ہیں جن کی میں نے کبھی پروا نہیں کی۔ بہرحال یہ زخم ہمارے کسی کام میں رکاوٹ نہیں بنے گا۔" انسپکٹر عثمان نے جواب دیا۔

"کون تھے وہ لوگ' کچھ پتہ چلا؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"پولیس سروس میں رہتے ہوئے میں نے دوست کم اور دشمن زیادہ بنائے ہیں۔" عثمان نے

کہا۔ "بیسیوں لوگوں کو جیل بھجوایا تھا۔ ہو سکتا ہے انہی میں سے کوئی ہو جو رہا ہونے کے بعد مجھ سے بدلہ لینا چاہتا ہو۔"

"وہ حاجی کے آدمی تو نہیں تھے۔" ثمینہ نے سوال کیا۔

"حاجی کے آدمی! تمہارے دل میں یہ خیال کیسے آیا کہ وہ حاجی کے آدمی ہو سکتے ہیں۔" عثمان بولا۔

"ہو سکتا ہے حاجی کو تم پر شبہ ہو گیا ہو اور اس نے تمہاری نگرانی شروع کر رکھی ہو۔" ثمینہ نے کہا۔

"نہیں۔ وہ حاجی کے آدمی نہیں ہو سکتے۔" انسپکٹر عثمان نے پروثوق لہجے میں جواب دیا۔ "اگر وہ حاجی کے آدمی ہوتے تو ہم تینوں کا خاتمہ کیے بغیر وہاں سے نہ جاتے۔"

"ٹھیک ہے۔" ثمینہ بولی۔ "اس وقت میں نے تمہیں یہ بتانے کے لیے فون کیا تھا کہ ہم نے آج رات گیارہ بجے والا پروگرام فی الحال ملتوی کر دیا ہے۔"

"کیوں؟" عثمان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"[illegible] پروگرام پر اس وقت عمل کیا جائے گا جب تمہارے بازو کا زخم ٹھیک ہو جائے گا۔" ثمینہ نے کہا۔

"لیکن اس دوران اگر حاجی نے وہ مال کہیں اور منتقل کر دیا تو؟"

"اس کی تم فکر مت کرو۔ ہم اس کا سراغ لگا لیں گے۔ ویسے تم بھی تو موجود ہو حاجی پر نگاہ رکھنے کے لیے۔" ثمینہ نے کہا۔ "میں ایک دو دن بعد تمہیں فون کروں گی۔" اس نے جواب کا انتظار کیے بغیر فون بند کر دیا۔

ثمینہ نے وہ سارا دن کوٹھی ہی میں گزارا تھا۔ شام کو اس نے گاڑی کا جائزہ لیا۔ گزشتہ رات فائرنگ کی وجہ سے اس کی کھڑکیوں کے دو شیشے ٹوٹ گئے تھے۔ اس کے علاوہ گاڑی کو اور کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ رات کو گاڑی چلاتے ہوئے اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ گاڑی کا انجن بہترین حالت میں تھا اور ثمینہ کو یقین تھا کہ کسی موقع پر یہ گاڑی پریشان نہیں کرے گی۔

رات کو ٹھیک گیارہ بجے ثمینہ اور شاہ پری طفیلی کو ساتھ لے کر کار میں کوٹھی سے نکل گئے۔ ایک پٹرول پمپ پر کار کی ٹینکی فل کروا لی گئی اور پٹرول کے تین فاضل گیلن بھی گاڑی میں رکھوا لیے گئے۔

اقبال ٹاؤن پہنچنے میں انہیں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ طفیلی کو پورا منصوبہ سمجھا دیا گیا تھا۔ اس نے حاجی کی اقبال ٹاؤن والی کوٹھی نہیں دیکھی تھی۔ ثمینہ اسے راستہ سمجھا رہی تھی۔

aazzamm@yahoo.com

یہ علاقہ انڈر ڈویلپمنٹ تھا۔ کہیں ایک گھر آباد ہو چکا تھا تو اس کے آگے پیچھے چار چھ گھر زیرِتعمیر تھے۔ اس طرح آبادی بہت پھیل رہی تھی۔ ایک کچی گلی میں مڑتے ہی کار کا انجن ہچکولے کھانے لگا اور بالآخر کار گلی کے کونے پر پہنچ کر رک گئی۔ اس سے آگے دائیں طرف وہی گلی تھی جس کے سامنے والی لین میں تیسرے نمبر پر ایک خوبصورت دو منزلہ کوٹھی تھی۔

اس کوٹھی کو دیکھ کر ثمینہ کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ یہ وہی کوٹھی تھی جو حاجی نے اسے دی تھی اور اس نے رضیہ کے نام ٹرانسفر کرا دی تھی لیکن بعد میں حاجی نے دھوکے سے اس پر دوبارہ قبضہ کر لیا تھا۔ ثمینہ سرگوشیوں میں شاہ پری کو اس کوٹھی کے بارے میں بتا رہی تھی۔

طفیل گیئر بدل بدل کر ایکسیلیٹر دبا رہا تھا لیکن کار آگے بڑھنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ بالآخر وہ انجن بند کرکے نیچے اتر آیا اور باہر بونٹ کھول کر انجن دیکھنے لگا۔

ثمینہ کوٹھی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ گیٹ کے سامنے کرسی پر ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے کندھے پر لٹکی ہوئی کلاشنکوف بھی صاف نظر آرہی تھی۔ کوٹھی کے اندر صرف برآمدے میں روشنی ہو رہی تھی جبکہ اندر کی بتیاں بجھی ہوئی تھیں۔

"بی بی۔ ریڈی ایٹر میں پانی ختم ہو گیا ہے۔" طفیل نے اس قدر بلند آواز میں کہا کہ کوٹھی کے گیٹ کے سامنے بیٹھے ہوئے گن مین نے بھی آواز سن لی۔

ثمینہ اور شاہ پری نیچے اتر آئیں۔ وہ بھی چند لمحے انجن کو دیکھتی رہیں' پھر کوٹھی کے گیٹ کے سامنے آگئیں۔

"بھائی صاحب۔" ثمینہ گن مین کی طرف دیکھتے ہوئے بولی "ہماری گاڑی میں پانی ختم ہو گیا ہے۔ اگر تھوڑا سا....."

"میری کوئی بہن نہیں ہے بی بی' اس لیے مجھے بھائی صاحب مت کہو۔" اس آدمی نے ثمینہ کی بات کاٹ دی۔

"اچھا جناب۔" ثمینہ زیرلب مسکرا دی۔ "گاڑی کے لیے پانی مل جائے گا؟"

"میں ابھی لاتا ہوں۔ یہیں کھڑی رہو۔" وہ آدمی اندر چلا گیا اور کچھ دیر بعد ایک ڈبے میں پانی لے آیا۔ ثمینہ نے طفیل کو بلا کر ڈبہ اس کے حوالے کر دیا اور گن مین کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"پینے کے لیے بھی ٹھنڈا پانی مل جائے گا؟"

"جتنا مرضی.....اندر آجاؤ۔ میں تمہیں فریج کا ٹھنڈا پانی پلاتا ہوں۔ باہر گلی میں کھڑے ہو کر

پانی پینا اچھا نہیں لگتا۔" گن مین نے کہا۔ وہ دونوں اگرچہ برقع پہنے ہوئے تھیں مگر شاہ پری نے نقاب اٹھا رکھا تھا اور گن مین بڑی للچائی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"اندر خواتین اور بچے تو ہوں گے ناں؟" ثمینہ بولی۔

"یہاں کوئی خواتین اور بچے نہیں ہیں۔ یہاں صرف میں ہوں اور منظورا ہے۔ ہم دونوں شریف آدمی ہیں اور آج تو یہاں ہمارا راج ہے۔ میں تمہیں پانی بھی پلاؤں گا اور.....اور جو کہو۔"

ثمینہ اور شاہ پری نے ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نگاہوں سے دیکھا اور گیٹ کے اندر آگئیں۔ گن مین نے گیٹ بھیڑ دیا۔ وہ دونوں اس کے ساتھ برآمدے میں آگئیں۔ اسی طرح اندر سے ایک اور آدمی بھی نکل آیا تھا۔ اس کے کندھے پر بھی کلاشنکوف لٹکی ہوئی تھی۔

"اوئے منظورے۔" پہلے گن مین نے دوسرے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "جا فریج میں سے ٹھنڈا پانی نکال کر لا۔ یہ بیبیاں پتا نہیں کب سے پیاسی ہیں۔ بی بی اندر آجاؤ تم لوگ۔"

ثمینہ اور شاہ پری راہداری میں آگئیں۔ ان کے ہاتھ برقعوں کے اندر تھے۔ ان دونوں نے اپنے اپنے پستول نکال لیے تھے۔ ثمینہ نے شاہ پری کو اشارہ کیا اور پھر انہوں نے بیک وقت پستول نکال لیے۔ دونوں کے پستولوں پر سائلنسر لگے ہوئے تھے۔

"ہاتھ اٹھا لو۔ اگر تم میں سے کسی نے کوئی غلط حرکت کی تو بھیجہ اڑ جائے گا۔" ثمینہ غرائی۔ اس نے اس گن مین کو زد پر لے رکھا تھا جس نے انہیں اندر بلایا تھا۔

"بڑی دلیر ہو بھئی۔" گن مین ہنسا۔ "مجھے ڈراتی ہو۔ شبیرے کو....." اس نے کندھے پر لٹکی ہوئی کلاشنکوف اتارنے کی کوشش کی مگر ثمینہ نے ٹریگر دبا دیا۔ گولی اس کے ہاتھ پر لگی اور وہ چیخ اٹھا۔

ثمینہ نے چہرے سے نقاب ہٹا دیا۔

"مجھے اچھی طرح پہچان لو۔" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "میں ثمینہ ہوں جس کی حاجی کو تلاش ہے۔ میں تمہیں زندہ رکھوں گی تاکہ تم حاجی کو بتا سکو کہ شارق اور ثمینہ غافل نہیں ہیں۔ حاجی اگر ہماری حویلی سے مال اٹھا لایا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم خاموش ہو کر بیٹھ جائیں گے۔ مجھے معلوم ہے' مال اسی کوٹھی میں ہے لیکن چند منٹ بعد یہاں راکھ کے ڈھیر کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔"

ان دونوں نے گن مین اور اس کے ساتھی منظورے کو غیرمسلح کر دیا۔ ثمینہ نے آواز دے کر طفیل کو بھی بلا لیا۔ وہ پٹرول کے گیلن اٹھا لایا تھا۔

شاہ پری ان دونوں کو پستول کی زد پر لیے رہی اور طفیل انہیں رسیوں سے باندھنے لگا۔ پھر وہ

aazzamm@yahoo.com

ان دونوں کو اٹھا کر باہر لے گیا اور گاڑی میں ٹھونس دیا۔

ثمینہ اور شاہ پری پوری کوٹھی میں پٹرول چھڑک رہی تھیں۔ کچھ پٹرول انہوں نے گیٹ پر بھی چھڑکا تھا۔ ثمینہ نے دونوں کی کلاشنکوفیں بھی اٹھا لی تھیں۔

باہر آکر ثمینہ نے برقعے کی جیب میں رکھی ہوئی ماچس نکالی اور تیلی جلا کر گیٹ کی طرف اچھال دی۔ گیٹ پر چھڑکے ہوئے پٹرول نے فوراً ہی آگ پکڑ لی۔ وہ دونوں دوڑ کر کار میں اگلی سیٹ پر ٹھنس گئیں۔ کار کا انجن اسٹارٹ تھا۔ طفیل نے ایک جھٹکے سے کار آگے بڑھا دی۔

آگ بڑی تیزی سے پھیل رہی تھی۔ تیسری گلی میں مڑتے ہی طفیل نے کار روک لی اور نیچے اتر کر اس نے کوٹھی کے دونوں محافظوں کو کھینچ کر نیچے پھینک دیا اور دوبارہ اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ کر کار آگے بڑھا دی اور مختلف گلیوں میں گھماتا ہوا سڑک پر لے آیا۔

○

اخبارات ایک بار پھر چیخ اٹھے تھے۔

اس رات اقبال ٹاؤن کا علاقہ دھماکوں سے گونجتا رہا تھا۔ یہ تو غنیمت تھا کہ اسلحہ کی پیٹیاں کوٹھی کے پچھلے کمرے میں رکھی ہوئی تھیں اور کوٹھی کے پچھلی طرف دور تک گہرا کھڈ اور ویرانہ تھا۔ کوٹھی کو آگ لگنے کے بعد قرب و جوار کے لوگ شور مچاتے ہوئے وہاں جمع ہو گئے تھے لیکن دھماکے شروع ہوتے ہی لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ پہلے دھماکے کے ساتھ ہی کوٹھی کی پچھلی دیوار ڈھے گئی تھی اور اس کمرے میں ایک کھڈ پڑ گیا تھا اور پھر وہ کھڈ پھیلتا ہوا کوٹھی کے پچھلی طرف واقع کھڈ سے مل گیا۔ اس طرح اسلحہ اور گولہ بارود کی تمام پیٹیاں اس کھڈ میں جا گری تھیں اور اس کھڈ ہی میں دھماکے ہوتے رہے تھے۔ اگر کوٹھی کی پچھلی طرف بھی آبادی ہوتی تو بہت بھاری جانی نقصان ہوتا لیکن جانی نقصان تو کوئی نہیں ہوا البتہ وہ کوٹھی جل کر راکھ ہو گئی تھی اور اس کے دائیں بائیں دو اور زیر تعمیر کوٹھیوں کو نقصان پہنچا تھا۔

آگ لگنے کی اطلاع ملنے پر پولیس نے بھی وہاں پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی تھی۔ پولیس کو ایک گلی میں کوٹھی کے دونوں محافظ بھی بندھے ہوئے مل گئے تھے۔ انہوں نے چھوٹتے ہی پولیس کو یہ بیان دیا تھا کہ یہ کوٹھی حاجی عبداللہ کی ملکیت تھی اور اسے آگ شارق کی ساتھی ثمینہ نے لگائی تھی۔ اس کے ساتھ ایک اور خوبصورت لڑکی بھی تھی۔

لیکن حاجی نے کوٹھی کی ملکیت ہی سے انکار کر دیا تھا۔ اس کے بیان کے مطابق یہ کوٹھی بنوائی اسی نے تھی لیکن بعد میں شارق کو دے دی تھی۔ اس کے بعد اس کا اس کوٹھی سے کوئی تعلق نہیں رہا تھا۔

پولیس افسران جانتے تھے کہ حاجی کوٹھی کی ملکیت سے انکار کیوں کر رہا تھا۔ بات کوئی معمولی نہیں تھی۔ کوٹھی میں اسلحہ اور گولہ بارود کا انبار لگا ہوا تھا۔ اگر حاجی کوٹھی کی ملکیت قبول کر لیتا تو اسے یہ بھی جواب دینا پڑتا کہ وہ اسلحہ کہاں سے آیا تھا لیکن حاجی سے پہلے اس کے کارندے یہ بیان دے چکے تھے کہ کوٹھی حاجی عبداللہ کی ملکیت تھی اور شارق کی ساتھی ثمینہ نے آگ لگائی تھی۔ حاجی عبداللہ کے نمک خوار پولیس افسران کوشش کر رہے تھے کہ اس معاملے میں حاجی کا نام نہ آنے پائے لیکن اخبارات کے رپورٹر حاجی کے دونوں کارندوں سے رابطہ کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے اور ان کے بیان لے اڑے تھے۔

اخبارات نے شارق اور ثمینہ کے ناموں کو تو کوریج دی ہی تھی لیکن حاجی عبداللہ کے نام کو بھی خوب اچھالا تھا اور پہلی مرتبہ اس کے خلاف کھل کر لکھا تھا اور حکومت سے مطالبہ کیا تھا کہ حاجی عبداللہ کو گرفتار کر کے اس واقعہ کی اعلیٰ سطح پر تحقیقات کرائی جائیں۔

حاجی عبداللہ وسن پورہ میں اپنے ایک معتمد کارکن کے گھر میں چھپا بیٹھا تھا۔ وہ اب تک اپنے آدمیوں کو بیسیوں مرتبہ فون کر چکا تھا۔ اسمبلیوں میں اس کے نمک خوار وزیر تھے اور وہ ٹیلی فون پر حاجی کو یقین دلا رہے تھے کہ اسے خوفزدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ پولیس اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکے گی۔

حقیقت یہ تھی کہ گزشتہ رات ثمینہ کی اس کارروائی سے حاجی عبداللہ نہ صرف بوکھلا گیا تھا بلکہ پہلی مرتبہ وہ کچھ خوف بھی محسوس کرنے لگا تھا۔ اس کے آدمیوں کی پوری فوج شہر میں پھیلی ہوئی تھی لیکن وہ شارق اور ثمینہ کا سراغ نہیں لگا سکے تھے۔ اس روز حویلی سے اسلحہ اور گولہ بارود کی پیٹیاں اور ہیروئن کے پیکٹ اپنے قبضے میں لینے کے بعد اس کا خیال تھا کہ شارق کی کمر ٹوٹ جائے گی۔ وہ اس کامیابی پر بہت خوش تھا لیکن اس کے جواب میں ثمینہ نے جو کچھ کیا تھا، اس نے نہ صرف حاجی کے ہوش اڑا دیئے تھے بلکہ اسے خوفزدہ ہو کر روپوش ہونے پر بھی مجبور کر دیا تھا۔ ثمینہ کے بارے میں سوچ کر وہ بار بار دانت کچکچا رہا تھا۔ اگر اتفاق سے یہ لڑکی اس کے ہاتھ لگ جائے تو وہ اس کی اتنی بوٹیاں کر دے کہ انہیں گننا بھی مشکل ہو جائے۔ دوسری طرف اسے اپنے آدمیوں پر بھی غصہ آرہا تھا جنہیں دو لڑکیاں بے وقوف بنا گئی تھیں۔ وہ انہیں گولی سے اڑا دینا چاہتا تھا لیکن ایسا نہیں کر سکتا تھا کیونکہ شبیر اور منظور دونوں پولیس کسٹڈی میں تھے۔

حاجی عبداللہ نے اگرچہ یہ کہہ دیا تھا کہ اس کوٹھی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے لیکن وہ جانتا تھا کہ کہہ دینے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اس علاقے کے لوگ گواہی دیں گے کہ اسے وہاں آتے

aazzamm@yahoo.com

جاتے اور رہتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔

عوام کا دباؤ بھی حکومت پر بڑھتا جا رہا تھا۔ لوگ ایک بار پھر سڑکوں پر نکل آئے تھے اور حکومت کے خلاف نعرے لگاتے ہوئے حاجی عبداللہ کی گرفتاری کا مطالبہ کر رہے تھے۔

دوسری طرف حاجی کو اس بات پر بھی حیرت تھی کہ ثمینہ کو یہ پتہ کیسے چلا تھا کہ حویلی سے چرائی جانے والی ہیروئن اور اسلحہ اس کوٹھی میں موجود ہے۔ اگر انہیں اس کوٹھی میں اسلحہ کی موجودگی کا پتہ چل گیا تھا تو عین ممکن ہے انہیں دوسرے ٹھکانوں کا بھی علم ہو لیکن نہیں' حاجی نے اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ اگر شارق وغیرہ کو کسی اور اڈے کا پتہ ہوتا تو پہلے وہیں کارروائی کرتے جبکہ ایسا نہیں ہوا تھا۔ اس کوٹھی کے بارے میں کسی طرح پتہ چل گیا ہوگا اور انہوں نے فوری کارروائی کر دی۔

دفعتاً" ایک اور خیال حاجی کے ذہن میں ابھر آیا۔ یہ خیال ایسا خوفناک تھا کہ وہ کانپ اٹھا۔ منظورا اور شبیرا پولیس کی حراست میں تھے اور وہ دونوں حاجی کے بہت ہی قابل اعتماد محافظ تھے۔ انہیں تمام گوداموں کے بارے میں معلوم تھا۔ پولیس ان پر تشدد کرکے راز اگلوا سکتی تھی اور اگر ان میں سے کسی نے زبان کھول دی تو نہ صرف کروڑوں روپے کا مال اس کے ہاتھ سے نکل جائے گا بلکہ اسمبلیوں میں بھی کھل کر اس کے خلاف آواز اٹھائی جائے گی اور پھر وہ بے دست و پا ہو جائے گا اور اس کے بھاگنے کا راستہ بھی نہیں رہے گا۔ یہ سوچتے ہوئے اس نے فون کا ریسیور اٹھایا اور ایک نمبر ڈائل کرنے لگا۔ جلد ہی لائن مل گئی۔

"غلام حیدر!" حاجی آواز سنتے ہی بولا۔ "یہ معلوم کرو کہ شبیرے اور منظورے کو کہاں رکھا ہوا ہے۔ میرا مطلب ہے وہ کس تھانے میں ہیں۔"

"ابھی معلوم کرتا ہوں جی۔" دوسری طرف سے آواز سنائی دی۔

"میں انتظار کر رہا ہوں۔ دس منٹ سے زیادہ نہیں لگنے چاہئیں۔" حاجی نے کہا اور فون بند کر دیا۔

وہ بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ ٹھیک دس منٹ بعد فون کی گھنٹی بجی تو اس نے لپک کر ریسیور اٹھا لیا۔

"یس!"

"میں نے ان دونوں کے بارے میں معلوم کر لیا ہے جناب۔ وہ....."

تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔" حاجی نے غراتے ہوئے بات کاٹ دی۔ "ان دونوں کو ختم کرا دو۔ میں ایک گھنٹے بعد دوبارہ فون کروں گا اور اس وقت میں ان کی موت کے علاوہ اور کوئی جواب نہیں سننا چاہوں گا۔"

دوسری طرف سے کچھ کہا جا رہا تھا لیکن حاجی نے فون پٹخ دیا اور پہلے کی طرح کمرے میں ٹہلنے لگا۔

پینتالیس منٹ بعد فون کی گھنٹی بجی۔ حاجی عبداللہ اس وقت کمرے کے دروازے سے باہر نکل رہا تھا۔ گھنٹی کی آواز سن کر وہ واپس مڑا اور آگے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا۔

"یس۔"

"شہباز بول رہا ہوں۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ "ان دونوں کو اوپر پہنچا دیا گیا ہے۔"

"گڈ۔" حاجی کے منہ سے ایک لفظ نکلا اور اس نے فون بند کر دیا۔ "اوئے لطیف۔" اس نے نوکر کو آواز دی۔ "چائے لے کر آؤ۔"

وہ صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ اپنے آپ کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا جیسے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔

○

یہ واقعہ دن کو گیارہ بجے پیش آیا تھا اور دوپہر ایک بجے اخبارات نے ضمیمے شائع کر دیئے تھے۔ تمام ہی اخبارات نے گزشتہ رات اقبال ٹاؤن میں حاجی کی کوٹھی میں آتشزدگی اور دھماکوں کی خبریں بھی دوبارہ شائع کی تھیں اور تھانے میں قتل کی اس دوہری واردات کو نمایاں طور پر شائع کیا تھا۔

اخبارات کے مطابق گزشتہ رات کوٹھی کو آگ لگنے کے تھوڑی دیر بعد ہی پولیس جائے وقوعہ پر پہنچی تھی تو حاجی کے دو کارندوں منظور اور شبیر کو ایک قریبی گلی میں بندھے ہوئے پایا تھا۔ انہوں نے اپنے بیان میں کہا تھا کہ یہ کوٹھی حاجی عبداللہ کی ملکیت ہے اور اس میں آگ شارق کی ساتھی ثمینہ نے لگائی تھی جو ایک اور خوبصورت لڑکی کے ساتھ وہاں آئی تھی۔ انہوں نے دھوکے سے انہیں باندھ دیا اور پٹرول چھڑک کر کوٹھی کو آگ لگا دی۔

بعد میں حاجی عبداللہ نے کوٹھی کی ملکیت ہی سے انکار کر دیا تھا کیونکہ کوٹھی میں اسلحہ اور گولہ بارود کے ذخیرے میں بھی آگ لگ گئی تھی اور دھماکے شروع ہو گئے تھے۔ دراصل حاجی اس الزام سے بچنا چاہتا تھا کہ اس نے کوٹھی میں ناجائز اسلحہ جمع کر رکھا تھا۔

شبیر اور منظور حاجی کے تنخواہ دار ملازم تھے۔ وہ اس کیس کے اہم گواہ تھے اور پولیس نے انہیں اپنی تحویل میں لے لیا تھا لیکن آج دن کے گیارہ بجے تین نامعلوم آدمی داخل ہوئے اور

aazzamm@yahoo.com

انہوں نے آتے ہی سب مشین گنوں سے اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی اور حوالات میں بند شبیرے اور منظورے کو گولیوں سے چھلنی کر دیا۔ نامعلوم حملہ آوروں کی اس کارروائی میں ایک کانسٹیبل بھی جاں بحق ہوا تھا جبکہ تین سپاہی زخمی ہوئے تھے۔

اخبارات نے حاجی کے خلاف ایک بار پھر کھل کر لکھا تھا کہ شبیر اور منظور کو اسی نے مروایا تھا تاکہ وہ اس کے خلاف کوئی بیان نہ دے سکیں۔ بعض اخباروں نے اسمبلیوں میں ان نمائندوں کے خلاف بھی لکھا تھا جو عوام کی نمائندگی کرنے کی بجائے صرف اور صرف حاجی عبداللہ کے مفادات کا تحفظ کر رہے تھے۔ اخبارات نے ایک بار پھر حاجی عبداللہ کی گرفتاری کا مطالبہ کیا تھا اور اس کے ساتھ ہی پولیس کو بھی کڑی تنقید کا نشانہ بنایا تھا۔ نامعلوم حملہ آوروں نے تھانے میں گھس کر حوالات میں بند کیس کے دو اہم گواہوں کو گولیوں سے چھلنی کر دیا تھا۔ یہ پولیس کی نااہلی کا کھلا ثبوت تھا۔ پولیس اپنی اور اپنے تھانے کی حفاظت کرنے میں ناکام رہی تھی تو وہ عوام کو کیا تحفظ فراہم کر سکتی تھی۔

اس واقعہ کے فوراً بعد اس تھانے کے پورے عملے' ڈی ایس پی اور ایس پی تک کو معطل کر دیا گیا تھا اور پورے شہر کی پولیس کو ملزمان کی گرفتاری کا حکم دے دیا گیا تھا۔

عوام میں خوف و ہراس پھیل گیا تھا۔ لوگ عدم تحفظ کا شکار ہو گئے تھے۔ پولیس تھانے ہی محفوظ نہیں رہے تھے تو کوئی عام آدمی اپنے آپ کو کیسے محفوظ سمجھ سکتا تھا۔

حاجی عبداللہ کی گرفتاری کے لیے عوام کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ چیف منسٹر ہاؤس اور گورنر ہاؤس کے گھیراؤ ہو رہے تھے۔ پولیس مظاہرین پر لاٹھی چارج کر رہی تھی لیکن حاجی عبداللہ کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔

حاجی عبداللہ اپنی پناہ گاہ میں بیٹھا ایک ایک لمحہ کی صورتحال سے باخبر تھا اور عوام کی بے بسی پر دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔

○

صورتحال خاصی سنگین ہو گئی تھی۔ شارق اور ثمینہ وغیرہ کو اگرچہ فوری طور پر کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن وہ آنکھیں بند کر کے نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ ثمینہ کی کارروائی سے حاجی عبداللہ بوکھلا گیا تھا۔ عوام بھی اس کے خلاف مظاہرے کر رہے تھے اور وہ روپوش ہو گیا تھا اور پھر اس روز پولیس کی حراست میں شبیرے اور منظورے کو گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا۔ اخبارات اور عوام حاجی کے خلاف شور مچانے لگے لیکن قانون حاجی کا کچھ نہیں بگاڑ سکا تھا۔ اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں

کی گئی۔ اس کے برعکس پولیس اپنی تمام تر توانائی شارق اور ثمینہ کی تلاش میں صرف کر رہی تھی۔ جگہ جگہ چھاپے مارے جا رہے تھے۔ زیرزمین دنیا سے تعلق رکھنے والے کئی لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا تھا اور ان پر تشدد کر کے ان سے شارق اور ثمینہ کے بارے میں پوچھا جا رہا تھا۔

اس واقعہ کو تقریباً ایک ہفتہ گزر گیا تھا۔ عوام کا جوش و خروش دم توڑ گیا تھا لیکن پولیس کی سرگرمیاں جاری تھیں۔ شارق اور ثمینہ کی تلاش میں اب بھی جگہ جگہ چھاپے مارے جا رہے تھے۔

اس رات نو بجے شارق وغیرہ کھانا کھا رہے تھے کہ کال بیل کی آواز نے ان سب کو متوجہ کر لیا۔

"یہ کون ہو سکتا ہے؟" شارق بڑبڑاتے ہوئے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ وہ سب لوگ اس وقت گھر میں موجود تھے۔ طفیل بھی ان کے قریب ہی کھڑا تھا۔

"میں دیکھتا ہوں جی۔" طفیل بولا۔

"نہیں۔ تم ٹھہرو' میں دیکھتی ہوں۔" ثمینہ کہتے ہوئے اٹھ گئی۔

"نوکھا!" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اشارہ کیا۔ اس نے طفیل کو بھی اشارہ کر دیا تھا۔

نوکھا اب بہت بہتر ہو چکا تھا۔ وہ شارق کا اشارہ سمجھ گیا تھا اور اٹھ کر کمرے سے کلاشنکوف رائفلیں لے آیا تھا۔ اب سب کے ہاتھوں میں ایک ایک رائفل نظر آ رہی تھی۔ وہ لوگ اگرچہ کھانے کی میز پر ہی بیٹھے رہے تھے لیکن رائفلیں گھٹنوں پر رکھ لی تھیں اور ایسی پوزیشن اختیار کر لی تھی کہ رائفلیں فوری طور پر استعمال کر سکیں۔ یہ غنیمت تھا کہ ماں جی نے کھانا آٹھ بجے کھا لیا تھا اور وہ اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں ورنہ یہ صورتحال دیکھ کر پریشان ہو جاتیں۔ البتہ رضیہ ان کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی لیکن شارق نے اسے بھی کمرے میں بھیج دیا تھا۔

ثمینہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی گیٹ کے پاس پہنچ گئی۔ اس درمیان بیل ایک مرتبہ اور بجائی گئی تھی۔

"کون ہے؟" ثمینہ نے گیٹ کی جھری میں سے جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"دروازہ کھولیے۔ مجھے آپ سے ایک ضروری کام ہے۔" باہر سے ایک مردانہ آواز سنائی دی۔ ثمینہ کو یہ آواز کچھ جانی پہچانی سی لگی۔ اس نے ایک بار پھر جھری میں سے جھانکا لیکن باہر جو کوئی بھی تھا' ایک سائیڈ میں کھڑا تھا اور جھری میں سے نظر نہیں آ رہا تھا۔

ثمینہ نے چھوٹا دروازہ کھول دیا اور پھر سامنے کھڑے ہوئے شخص کو دیکھ کر اس کا دل اچھل

aazzamm@yahoo.com

کر حلق میں آگیا۔

وہ انسپکٹر عثمان تھا۔

"تت.....تم....." ثمینہ ہکلائی۔ "تم یہاں کیسے آئے؟"

"مجھے اندر تو آنے دو ثمینہ بی بی۔" انسپکٹر عثمان آگے بڑھتے ہوئے بولا۔ "بڑی مشکل سے چھپتا چھپاتا یہاں تک پہنچا ہوں۔"

ثمینہ ایک طرف ہٹ گئی۔ انسپکٹر عثمان جیسے ہی اندر داخل ہوا' اس نے دروازہ بند کر دیا۔ وہ عجیب سی نظروں سے عثمان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"تمہیں یہاں کا پتا کیسے چلا؟" اس نے پوچھا۔

"یہاں کا پتا مجھے پندرہ بیس دن پہلے ہی معلوم ہو چکا تھا۔" عثمان نے جواب دیا۔ "ثمینہ بی بی۔ تم شاید یہ بھول گئی ہو کہ میرا تعلق پولیس سے ہے اور اگر کوئی پولیس والا چاہے تو کسی کو زمین کی تہوں میں سے بھی ڈھونڈ نکالتا ہے۔ پچھلے دنوں تم آدھا آدھا گھنٹہ مجھ سے فون پر باتیں کرتی رہی ہو۔ فون ٹیپ کرکے نمبر اور پھر ایڈریس معلوم کرنا کچھ زیادہ مشکل تو نہیں تھا۔"

"اوہ۔" ثمینہ کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ "چلو۔ اندر چلو لیکن یہ بتا دوں کہ اگر اس وقت ہمارے ساتھ کوئی دھوکا ہوا تو تم یہاں سے زندہ واپس نہیں جا سکو گے۔"

"مطمئن رہو۔ میں اکیلا ہی آیا ہوں۔" انسپکٹر عثمان نے جواب دیا۔

ثمینہ اسے اندر لے آئی۔ انسپکٹر عثمان کو دیکھ کر شارق بھی چونک گیا۔ ثمینہ نے اسے بتا دیا کہ اسے یہاں کا پتا کیسے معلوم ہوا تھا۔

"میں ایک اہم اطلاع لے کر آیا ہوں۔" انسپکٹر عثمان نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"وہ اہم اطلاع تم فون پر بھی دے سکتے تھے جبکہ تم نمبر معلوم کر چکے تھے۔" شارق نے اسے گھورا۔

"میں دو گھنٹوں سے فون پر کوشش کر رہا ہوں لیکن کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔ شاید تمہارا فون خراب ہے۔ اس لیے مجھے خود آنا پڑا۔" عثمان نے کہا۔

ثمینہ اور شارق الجھی ہوئی نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ انہوں نے دوپہر کے بعد سے فون استعمال نہیں کیا تھا۔ ثمینہ نے آگے بڑھ کر فون کا ریسیور اٹھا لیا۔ عثمان نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ فون بے جان پڑا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ تم لوگوں کو اب بھی میرے اوپر یقین نہیں آیا۔" انسپکٹر عثمان' شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "لیکن میری وفاداری کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہو کہ مجھے یہاں کا نمبر

اور ایڈریس پندرہ بیس دن پہلے معلوم ہو چکا تھا۔ اس دوران اگر میں چاہتا تو پولیس یا حاجی کو بتا کر تم لوگوں کو یہیں پر ختم کروا دیتا لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔ یہ میری وفاداری کا ثبوت ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا' پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "حاجی نے میرا کیریئر تباہ کر دیا ہے۔ میں اس سے اپنا انتقام لینا چاہتا ہوں اور سچی بات یہ ہے کہ میں اپنے طور پر اس کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا۔ تم واحد شخص ہو جو حاجی کو کیفر کردار تک پہنچا سکتا ہے۔ میں معافی تلافی کے بہانے حاجی کے ساتھ اس لیے لگا ہوا ہوں کہ اس کے بارے میں تمہیں اطلاعات فراہم کر سکوں اور اب تک میں نے جو بھی اطلاع دی ہے' وہ سو فیصد درست ثابت ہوئی ہے۔ میں نے کبھی تمہارے ساتھ دھوکا نہیں کیا۔"

"اب کونسی اہم اطلاع لے کر آئے ہو؟" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"حاجی تم لوگوں کے بہت قریب پہنچ چکا ہے۔" انسپکٹر عثمان نے کہا۔

"کیا مطلب؟" شارق چونک گیا۔

"یہ تو تمہیں معلوم ہی ہے کہ پولیس کے علاوہ حاجی کے آدمی بھی تم لوگوں کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ چند روز پہلے اس کے کسی آدمی نے ثمینہ کو لبرٹی مارکیٹ میں گھومتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ یہ اتفاق ہے کہ اس وقت ثمینہ اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تھی لیکن اس اطلاع کے بعد حاجی کو یقین ہو گیا ہے کہ تم لوگ اسی علاقے میں کہیں موجود ہو اور وہ لوگ پاگل کتوں کی طرح تم لوگوں کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے کچھ عورتوں کو بھی کام پر لگا رکھا ہے۔ عورتیں چیزیں بیچنے' کرائے کا مکان تلاش کرنے یا کسی اور بہانے سے گھروں میں گھس کر معلومات حاصل کر رہی ہیں۔ اس طرح زیادہ سے زیادہ ایک دو دن بعد وہ تمہارا یہ ٹھکانہ معلوم کر لے گا۔ اس لیے جتنی جلد ممکن ہو سکے تم لوگ یہاں سے ہٹ جاؤ۔"

اس کے خاموش ہونے پر شارق کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ کال بیل ایک بار پھر بج اٹھی۔ اس مرتبہ انہوں نے طفیل کو باہر بھیجا کیونکہ طفیل کو حاجی کے گروہ کا کوئی آدمی ملاقات ہوئی تو طفیل دو منٹ بعد واپس آیا تو اس کے ساتھ نرس رضیہ سے دوسری سیٹ پر بیٹھے ہوئے

"کیا بات ہے۔ تم لوگ کچھ پریشان سے لگ رہے ہو۔" ثمینہ نے کیا اور اپنے ماتحتوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں بات ہی کچھ ایسی ہے۔" ثمینہ نے کہا۔ "تم

"آج میں ڈیوٹی سے آف ہوں۔ سوچا تم لوگوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ وہ شارق

"لیکن یہاں معاملہ کیا ہے؟"

aazzamm@yahoo.com

"اب تمہیں میری وفاداری کا یقین آجانا چاہیے۔ اگر میرے دل میں غداری کا خیال ہوتا تو اس وقت بھی تمہیں پولیس کے حوالے کر سکتا تھا۔"

"تمہاری وفاداری کا یقین تو میں نے اس دن کر لیا تھا جب میں نے تمہاری تصویریں کھینچی تھیں۔" شارق نے بھی مدھم لہجے میں جواب دیا۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ "جب تک ان تصویروں کے نیگیٹو میرے قبضے میں ہیں' تم میرے وفادار رہو گے۔"

"نہیں شارق بھائی' یہ بات نہیں ہے۔" انسپکٹر عثمان نے کہا۔ "مجھے ان تصویروں کی کوئی پروا نہیں ہے۔ میں تو صرف حاجی کے خلاف تمہارا ساتھ دینا چاہتا ہوں۔ حاجی ایک ایسا ناگ ہے جس کا سر کچلنے کے لیے تم جیسے آدمی کی ضرورت ہے اور صرف میں ہی نہیں اور بھی بہت سے لوگ اس معاملے میں تمہارا ساتھ دیں گے۔ پچھلے دنوں سڑکوں پر جو مظاہرے ہوتے رہے ہیں' وہ حاجی کے خلاف تھے۔ میں نے بہت سے لوگوں کو تمہارا ہمدرد پایا ہے۔ میری بات چھوڑو' نرس رضیہ ہی کی مثال لے لو۔ اس نے آخر تمہیں کیوں بچایا تھا۔ اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر تمہیں اپنے گھر میں پناہ کیوں دی تھی؟ کیا تمہارے پاس اس کی بھی کوئی تصویریں ہیں' جن سے وہ خوفزدہ ہے؟"

"نہیں۔ میں نے پہلی بار اسے اسپتال ہی میں دیکھا تھا۔ اس سے پہلے وہ صرف میرے نام سے واقف تھی اور میں تو اس کے نام سے بھی واقف نہیں تھا۔" شارق نے جواب دیا۔

"وہ بڑی اچھی عورت ہے۔" انسپکٹر عثمان نے جواب دیا۔ "اب سے پہلے میں نے اسے صرف ایک مرتبہ دیکھا تھا جب اس کا شوہر زندہ تھا۔ سب انسپکٹر سلمان ان دنوں میری ماتحتی میں تھا۔ ایک مرتبہ اس نے اپنے نئے گھر پر چند قریبی دوستوں کی دعوت کی تھی۔ ان میں میں بھی شامل تھا۔ وہ اپنی بیوی کو شو پیس کے طور پر اپنے دوستوں کے سامنے پیش کرنا چاہتا تھا لیکن رضیہ نے انکار کر دیا تھا جس پر سلمان نے اسے مارا پیٹا تھا لیکن وہ نہیں مانی۔

دوسرے روز میں نے سب انسپکٹر کو اس حرکت پر ڈانٹا بھی تھا اور اسے سمجھانے کی کوشش بھی کی تھی لیکن وہ نہیں مانا۔ اس کے بعد میں اس کے گھر کبھی نہیں گیا لیکن مجھے پتا چلتا رہا کہ وہ اپنی بیوی کو اپنے دوستوں کے لیے تماشا بنانا چاہتا ہے لیکن وہ غیرت مند لڑکی اس کے سامنے نہیں جھکی۔ اب یہ وہی لڑکی ہے جس نے تمہاری مدد کی اور اب بھی تمہارے لیے اپنی جان خطرے میں ڈال رہی ہے۔ اس کی کوئی وجہ تو ہوگی۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اسے تم سے کوئی لالچ نہیں ہے۔ وہ محض ہمدردی کی بنا پر تمہارا ساتھ دے رہی ہے اور تم میری بات کا بھی یقین کر لو کہ میں ان تصویروں کی وجہ سے تمہارا ساتھ نہیں دے رہا۔"

"وجہ کچھ بھی ہو' لیکن میں نے بہرحال تم پر اعتماد کر لیا ہے۔" شارق نے کہا۔ "اگر یہ بات نہ ہوتی تو تم سے یہ اطلاع ملنے کے بعد نئے ٹھکانے پر تمہیں اپنے ساتھ نہ لے جاتا بلکہ تمہیں اس کے بارے میں کچھ بتاتا بھی نہیں۔"

"یہ تو اتفاق ہے کہ ٹھکانے کا بندوبست ہو گیا ورنہ میں تم لوگوں کو فوری طور پر اپنے گھر لے جاتا۔" انسپکٹر عثمان نے کہا۔

"اس طرح تم بھی خطرے میں پڑ جاتے۔" شارق مسکرایا۔

"خطرے میں تو اب بھی ہوں۔" انسپکٹر عثمان نے جواب دیا۔ "پولیس کو یا حاجی کو پتا چل جائے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تو یقین کرو' ایک دن بھی زندہ نہیں رہ سکوں گا۔ حاجی کے آدمی تو مجھے اس طرح چھلنی کریں گے کہ میرے جسم پر گولیوں کے نشان بھی نہیں گنے جا سکیں گے۔"

وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا' پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "میں نے گلشن راوی میں اپنا ایک مکان کرائے پر دے رکھا ہے۔ میں کل صبح ہی کرائے دار کو ایک ہفتے کا نوٹس دے کر وہ مکان خالی کروا لیتا ہوں تاکہ کسی ہنگامی صورتحال میں اسے پناہ گاہ کے طور پر استعمال کیا جا سکے۔"

"گویا تم مکمل طور پر....."

"ہاں۔" انسپکٹر عثمان نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اب میں مکمل طور پر تمہارے ساتھ ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" شارق نے کہا۔ "جب تک تم وفادار رہو گے' مجھے اپنا دوست پاؤ گے لیکن اگر غداری کا خیال بھی تمہارے دل میں آیا تو ایک منٹ بھی زندہ نہیں رہ سکو گے۔"

انسپکٹر عثمان جواب دینے کے بجائے اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی ثمینہ نے ماں جی کو باتوں میں لگا رکھا تھا کہ وہ شارق اور عثمان میں ہونے والی گفتگو نہ سن سکیں جبکہ اس کی اپنی تمام تر توجہ ان کی باتوں کی طرف تھی۔

گاڑی گڑھی شاہو کے پل اور تیزاب احاطے سے ہوتی ہوئی گھوڑے شاہ چوک پر پہنچ گئی۔ اس چوک سے ذرا آگے باغبانپورہ کی طرف جانے والی سڑک کے کنارے گھوڑے شاہ کا مزار تھا۔ قبر ایک چھوٹی سی چار دیواری کے اندر تھی۔ دیواروں پر اور قبر کے آس پاس مٹی کے بنے ہوئے چھوٹے چھوٹے گھوڑوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ ضعیف العقیدہ لوگ منتیں ماننے آتے تو پیسوں کے علاوہ چڑھاوے کے طور پر مٹی کے یہ گھوڑے بھی چڑھاتے تھے۔ ان کی منت پوری ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو' مزار کے پڑوس میں مٹی کے یہ چھوٹے چھوٹے گھوڑے بنانے اور بیچنے والوں کا کاروبار خوب چل رہا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

گھوڑے شاہ روڈ پر تقریباً نصف میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد انسپکٹر عثمان نے گاڑی بائیں طرف موڑ لی۔ اس طرف ایک کالونی بن چکی تھی۔ مغلوں کے زمانے میں یہاں ایک وسیع و عریض اور خوبصورت باغ ہوا کرتا تھا جو بعد میں مائی کا باغ کہلانے لگا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد بھی یہ باغ کافی عرصہ تک موجود رہا تھا لیکن پھر بتدریج یہاں بستیاں بنتی چلی گئیں اور شالیمار باغ تک جانے والی اس تنگ سی سڑک کے دونوں طرف باغات غائب ہو گئے۔ ایک قدیم مزار باقی رہ گیا تھا۔ اس کے چاروں طرف چھوٹے بڑے مکان بن گئے تھے۔

انسپکٹر عثمان اگرچہ صرف ایک مرتبہ' کئی سال پہلے یہاں آیا تھا لیکن اسے سب انسپکٹر سلمان کے گھر کا راستہ معلوم تھا۔ اس بستی کے آگے کی طرف چھوٹے مکان تھے جبکہ پچھلی طرف بڑے پلاٹ تھے۔ سلمان کا مکان خاصا بڑا تھا اور اس کے ساتھ وسیع لان بھی تھا.....ایک سڑک اس طرف سے بھی چاہ میراں کی طرف چلی گئی تھی۔

نرس رضیہ وغیرہ ان سے پہلے ہی وہاں پہنچ چکی تھیں۔ ہارن کی آواز سن کر گیٹ نرس رضیہ ہی نے کھولا تھا۔ عثمان گاڑی کو اندر لیتا چلا گیا اور پہلے سے کھڑی ہوئی نسان کے پیچھے روک دی۔

وہ لوگ اندر داخل ہوئے تو شارق حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ رضیہ نے اسے بتایا تھا کہ مکان کافی عرصہ سے بند پڑا ہے اور شارق کا خیال تھا کہ دیواریں اور فرش دھول سے اٹے ہوئے ہوں گے لیکن یہاں صورتحال اس کے برعکس تھی۔ کمروں میں بیڈز بچھے ہوئے تھے۔ دوسرے کمروں میں بھی ضروری فرنیچر موجود تھا۔ ڈرائنگ روم بھی سجا ہوا تھا۔

"یہ.....یہ سب کیا ہے؟" شارق نے نرس رضیہ کی طرف دیکھا۔

"میری دور اندیشی۔" نرس رضیہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "جن دنوں تم میرے کوارٹر میں رہ رہے تھے' انہیں دنوں مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ تمہیں کسی محفوظ پناہ گاہ کی ضرورت ہوگی۔ انہی دنوں میرے ڈیڈی بھی آئے تھے۔ انہوں نے بتایا تھا کہ پہلے والے کرائے دار واپس جا رہے ہیں اور پراپرٹی ڈیلر کسی اور کو مکان کرائے پر دینا چاہتا ہے لیکن میں نے اسے منع کر دیا تھا۔ جب تم میرے کوارٹر سے چلے گئے تو میں خود یہاں آئی تھی۔ اپنے ہاتھوں سے میں نے یہاں کی صفائی کی اور پھر دو تین دن میں یہاں فرنیچر ڈلوا دیا۔ اس مکان کے کرائے کی ملنے والی رقم میرے پاس جمع تھی۔ اس میں سے کچھ رقم میں نے خرچ کر دی۔ میں نے پڑوسیوں کو بتا دیا تھا کہ شاید چند روز میں میرے کچھ عزیز رہنے کے لیے یہاں آجائیں اور آج میرا کہا ہوا پورا ہو گیا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی' پھر مسکراتے ہوئے بولی۔ "ویسے تم لوگوں کو پڑوسیوں سے پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ دائیں طرف کے مکان میں جو لوگ رہتے ہیں' وہ خود بھی کسی سے ملنا

جلنا پسند نہیں کرتے اور بائیں طرف کا مکان خالی پڑا ہے۔ وہ لوگ سعودی عرب گئے ہوئے ہیں اور سامنے والے مکانوں میں رہنے والے بھی بس ایویں ہی ہیں۔ اس لیے تم لوگوں کو ان سے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ ویسے اگر خواتین یہاں آنے کی کوشش کریں تو ان سے اس طرح کا رویہ اختیار کیا جائے کہ ان کی حوصلہ شکنی ہو اور دوبارہ نہ آئیں۔" "سمجھ گئی بڑی بی۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ "اور بھی کچھ کہنا ہے تو کہہ ڈالو اور یقین کرو' ہم تمہاری ہدایات پر پورا پورا عمل کریں گے۔"

"شکریہ۔" نرس رضیہ بھی مسکرا دی۔ "اب میں تم لوگوں کے لیے چائے بنا دوں۔ میں نے تو بہت پہلے سے سارے انتظام کر رکھے ہیں۔ اس وقت تو چائے خشک دودھ کی پینی پڑے گی۔"

"چلے گا۔" شارق بولا۔

وہ لوگ ڈرائنگ روم میں آگئے۔ شارق کے ایکسیڈنٹ والے واقعے کو چودہ پندرہ دن ہو چکے تھے اور اب تو وہ آہستہ آہستہ چلنے بھی لگا تھا لیکن نرس رضیہ نے اسے واضح طور پر تنبیہ کر دی تھی کہ وہ کم از کم ایک مہینہ اور آرام کرے گا۔

تھوڑی دیر بعد نرس رضیہ اور شاہ پری چائے لے کر آگئیں۔ وہ سب ڈرائنگ روم میں موجود تھے لیکن ماں جی اس کمرے میں چلی گئی تھیں جو ان کے لیے مخصوص کر دیا گیا تھا۔ وہ خاصی دلبرداشتہ ہو رہی تھیں۔ انہوں نے تو اب یہ بھی نہیں پوچھا تھا کہ کوٹھی چھوڑ کر یہاں کیوں آئے ہو؟ وہ اپنے کمرے میں جا کر بستر پر لیٹ گئی تھیں۔

رات دو بجے تک وہ لوگ باتیں کرتے رہے اور پھر انسپکٹر عثمان تو رخصت ہو گیا لیکن نرس رضیہ وہیں رہ گئی تھی۔ اسے کل شام کو ڈیوٹی پر جانا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ کل دوپہر تک یہاں رہے گی۔

نولکھا اور شارق اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ ثمینہ اور رضیہ وغیرہ ڈرائنگ روم میں بیٹھی باتیں کرتی رہیں اور پھر وہ چاروں ڈرائنگ روم ہی میں سو گئی تھیں۔ صبح اٹھتے ہی نرس رضیہ نے پہلے چائے بنائی۔ پھر شاہ پری کو ساتھ لے کر چاہ میراں چلی گئی۔ شاہ پری نے اب چادر بھی نہیں اوڑھی تھی۔ اسے چادر اوڑھنے کی ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ اس شہر میں اسے کوئی نہیں پہچانتا تھا۔ گلبرگ میں تو وہ ثمینہ کا ساتھ ہونے کی وجہ سے چادر اوڑھتی رہی تھی۔

بازار سے سامان خریدنے کے بعد وہ تقریباً ایک گھنٹے بعد لوٹی تھیں۔ نرس رضیہ آتے ہی ناشتے کی تیاری میں لگ گئی۔ دوسری رضیہ بھی اس کا ہاتھ بٹانے لگی۔

"طفیل ابھی تک نہیں آیا۔" ناشتے کے دوران ثمینہ نے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

"آجائے گا۔" شارق بولا۔ "ہوشیار آدمی ہے۔ اس کے بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

ناشتے کے بعد نرس رضیہ انہیں گھوم پھر کر گھر دکھانے لگی۔ چار بیڈ روم نیچے تھے اور چار ہی اوپر تھے۔ اوپر جانے کے لیے سیڑھیاں اندر سے تھیں۔ یہ مکان ان کے خیال میں ہر لحاظ سے محفوظ تھا اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ یہاں ٹیلی فون بھی موجود تھا۔ مکان کا ایک دروازہ پچھلی گلی میں تھا۔ یہ تنگ سی گلی تھی۔

مکان دکھانے کے بعد نرس رضیہ نے دوپہر کے کھانے کی تیاری شروع کر دی۔ وہ مرغی اور بکرے کا گوشت لے آئی تھی۔ کچھ گوشت اس نے پکانے کے لیے نکال لیا اور باقی فریج میں رکھ دیا تھا۔

اسی دوران طفیل بھی آگیا۔

"اچھا ہی ہوا آپ لوگ رات کو وہاں سے آگئے تھے۔" اس نے شارق کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔ "صبح دس بجے دو عورتیں آگئی تھیں۔ انہوں نے بڑے بڑے تھیلے اٹھا رکھے تھے۔ ایک عورت نے کہا وہ عورتوں کے استعمال کی چیزیں بیچتی ہے اور گھر کی عورتوں سے ملنا چاہتی ہے۔ میرے منع کرنے کے باوجود وہ گیٹ میں گھس آئی تھیں اور جب میں نے بتایا کہ گھر والے گوجرانوالہ گئے ہوئے ہیں' تب وہ باہر گئی تھیں۔

"انسپکٹر عثمان واقعی کام کا آدمی ثابت ہوا۔" ثمینہ بولی۔ "اگر وہ ہمیں بروقت اطلاع نہ دیتا اور ہم وہاں سے نہ نکلتے تو ہم میں سے کوئی بھی ان عورتوں کی نظروں میں آسکتا تھا۔"

"ہاں۔ وہ واقعی کام کا آدمی ثابت ہو رہا ہے اور میں اس سے بہت سے کام لینا چاہتا ہوں۔" شارق بولا۔ "وہ حاجی سے اپنا انتقام لینے کے لیے ہمارے کندھے پر بندوق رکھ کر چلانا چاہتا ہے لیکن میں یہ بندوق اس سے چلواؤں گا۔"

"حاجی کا باغبانپورے والا گودام کہاں ہے؟ عثمان نے تمہیں اس کے بارے میں بتایا تھا ناں؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"وہ گودام دراصل باغبانپورہ میں نہیں' سنگھ پورہ کے قبرستان میں ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ "یہی سڑک باغبانپورہ کی طرف چلی گئی ہے۔ اس سے پہلے سنگھ پورہ کا چوک آتا ہے۔ اس چوک کے بائیں طرف چند گز آگے ایک پرانا سا قبرستان ہے۔ اس قبرستان کے کنارے سڑک کے ساتھ دو تین مکان ہیں۔ وہ مکان حاجی کی ملکیت ہیں۔ سڑک کے دوسری طرف دکانیں ہیں جو ہمیشہ بند رہتی ہیں۔ ان دکانوں اور مکانوں کے نیچے تہہ خانہ ہے۔ اس تہہ خانے کا راستہ مکانوں

کے ساتھ بنے ہوئے ایک طویلے میں ہے۔ یہ طویلہ بھی حاجی نے بنوا رکھا ہے اور اس کا مقصد تہہ خانے کے راستے کی حفاظت کرنا ہے۔ یہاں کم از کم دو آدمی ہر وقت موجود رہتے ہیں۔"

"تو پھر آج رات اس طویلے کو بھی اڑا دیا جائے۔" ثمینہ مسکرائی۔

"اگر وہاں گولہ بارود ہوا تو اسے اڑانا خطرناک ہوگا۔ اس قبرستان کے چاروں طرف گنجان آبادی ہے۔"

"تو پھر پہلے عثمان سے معلوم کیا جائے کہ اس تہہ خانے میں کس قسم کا مال رکھا ہوا ہے۔" ثمینہ نے کہا۔ "اگر وہاں اسلحہ نہ ہوا تو اس طویلے کو آگ لگا دی جائے۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ حاجی کو پے در پے اس طرح نقصان پہنچایا جائے کہ وہ پاگل ہو جائے۔" شارق بولا۔

"تو پھر میں عثمان سے بات کرتی ہوں۔" ثمینہ نے کہتے ہوئے فون اٹھا لیا۔

انسپکٹر عثمان نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ اس گودام میں صرف ہیروئن رکھی جاتی ہے۔ اسلحہ وہاں نہیں ہوتا۔

"ٹھیک ہے۔ تم آج رات دس بجے یہاں پہنچ جانا۔" ثمینہ نے کہا۔

"پروگرام کیا ہے؟" انسپکٹر عثمان نے پوچھا۔

"آؤ گے تو پتا چل جائے گا۔" ثمینہ نے کہتے ہوئے ریسیور رکھ دیا۔

"میرا خیال ہے کہ پہلے طفیل کو بھیج دیا جائے۔ وہ معلوم کرکے آئے کہ وہاں کی صورتحال کیا ہے۔ وہاں کتنے آدمی موجود رہتے ہیں۔" شارق نے کہا۔

"ہاں۔ میں بھی یہی سوچ رہی ہوں۔" ثمینہ کہتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئی۔ سہ پہر پانچ بجے کے قریب طفیل کو سنگھ پورہ بھیج دیا گیا۔ اس کی واپسی تقریباً تین گھنٹے بعد ہوئی تھی۔ اس کے کہنے کے مطابق وہ طویلا بھی برائے نام ہی ہے۔ وہاں صرف دو تانگے ہیں۔ خاصا لمبا چوڑا پلاٹ ہے جس کے زیادہ حصے میں کاٹھ کباڑ بھرا ہوا ہے۔ لکڑیوں کے انبار کے پیچھے دو کوٹھریاں بنی ہوئی ہیں۔ تہہ خانے کا راستہ ایک کوٹھری میں ہے۔ اس کا اندازہ اسے اس طرح ہوا کہ وہ ایک بیروزگار کوچوان بن کر وہاں گیا تھا۔ وہ آوازیں دیتا ہوا طویلے میں گھس گیا۔ اس نے دونوں کوٹھریاں بھی دیکھیں' وہ خالی تھیں۔ وہ طویلے کے صحن میں کھڑا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ باہر سے ایک آدمی اندر آگیا۔ اس نے چائے کے دو گلاس اٹھا رکھے تھے۔ وہ اس طویلے کا محافظ تھا جو چائے لینے گیا ہوا تھا۔ وہ طفیل سے سوال و جواب کرنے لگا۔ اسی دوران ایک اور آدمی ایک کوٹھری سے نکل کر باہر آگیا۔ اس سے طفیل کو اندازہ ہوا کہ وہ دوسرا آدمی یقیناً تہہ خانے میں تھا اور تہہ خانے کا راستہ

aazzamm@yahoo.com

اس کوٹھری میں ہے۔ ان دونوں نے طفیل کو ڈانٹ ڈپٹ کر بھگا دیا۔

شارق اور ثمینہ نے پروگرام فائنل کر لیا۔ منصوبے کے مطابق ثمینہ اور شاہ پری کو انسپکٹر عثمان کے ساتھ جانا تھا۔ رات دس بجے انسپکٹر عثمان بھی آگیا۔ اس کے ساتھ تبادلہ خیال کرنے کے بعد گیارہ بجے وہ تینوں وہاں سے روانہ ہو گئے۔

عثمان نے قبرستان سے آگے نکل کر کار روک لی۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی ثمینہ اور شاہ پری نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر اچانک ہی ایک دوسرے پر جھپٹ پڑیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان دونوں کے کپڑے پھٹ گئے۔ بال بھی بکھر گئے اور پھر دونوں کار سے اتر گئیں۔ وہ کچھ دور تک آہستہ آہستہ چلتی رہیں' پھر دوڑتی ہوئی طویلہ کے لکڑی کے پھاٹک پر چڑھ کر اندر کود گئیں۔ وہ دونوں بری طرح ہانپ رہی تھیں۔ جیسے دور سے دوڑتی ہوئی آئی ہوں۔

"کون ہے۔ ادھر کون ہے؟" لکڑیوں کے انبار کی طرف سے ایک گونجتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"بچاؤ..... ہمیں بچاؤ۔" ثمینہ چیخی لیکن آواز زیادہ بلند نہیں تھی۔ وہ دونوں لکڑیوں کے انبار کے پچھلی طرف چلی گئیں جہاں اب بلب روشن ہو گیا تھا اور دو غنڈہ قسم کے آدمی کھڑے تھے۔

"کون ہو تم لوگ؟ کیا بات ہے؟" ایک نے باری باری انہیں گھورا۔

"غنڈے ہمارا پیچھا کر رہے ہیں۔ وہ ہماری عزت لوٹنا چاہتے ہیں۔ ہم بڑی مشکل سے اپنے آپ کو چھڑا کر بھاگی ہیں۔ خدا کے لیے ہمیں بچا لو۔" ثمینہ بولی۔

"فکر ہی مت کرو۔ ہم سے بڑا اس علاقے میں غنڈہ کون ہو سکتا ہے؟ آؤ' تم لوگ اندر آجاؤ۔ ہم دیکھتے ہیں۔" اس شخص نے کہا۔

ثمینہ اور شاہ پری کوٹھری میں داخل ہو گئیں۔ وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرا دی تھیں۔

Scanned By:
Azam & Ali
aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

ان دونوں غنڈوں نے بھی معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور دونوں لکڑیوں کے انبار کے اوپر سے گھوم کر طویلے کے پھاٹک کی طرف چلے گئے۔

ثمینہ اور شاہ پری اس کوٹھڑی میں کھڑی رہیں۔ یہ کوٹھری آٹھ بائی آٹھ فٹ سے زیادہ بڑی نہیں تھی۔ اس کی دیواریں گارے مٹی کی تھیں اور چھت ٹین کی تھی جس پر گھاس پھوس اور سوکھی جھاڑیاں پڑی تھیں۔ فرش بھی کچا تھا۔ ایک طرف چارپائی پڑی تھی جس پر میلا سا کھیس اور تکیہ پڑا ہوا تھا۔ تکیے کے قریب کے ٹو سگریٹ اور ایک ماچس بھی رکھی ہوئی تھی۔ اس چارپائی کے سامنے دو ٹوٹی ہوئی کرسیاں بھی پڑی تھیں جو غالباً" طویلے میں موجود کاٹھ کباڑ کے ڈھیر میں سے نکالی گئی تھیں۔ کرسیوں اور چارپائی کے درمیان ایک حقہ بھی رکھا ہوا تھا۔ ثمینہ نے جھک کر چلم کو چھو کر دیکھا۔ وہ گرم تھی۔ غالباً" وہ دونوں یہاں بیٹھے حقہ پی رہے تھے۔ ایک دیوار پر لگی ہوئی کھونٹی پر دو تین میلے سے کپڑے ٹنگے ہوئے تھے۔

تقریباً" پانچ منٹ بعد کوٹھری کے باہر ان دونوں غنڈوں کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ اونچی آواز میں کسی کو ماں بہن کی گالیاں بکتے ہوئے آرہے تھے۔ ثمینہ اور شاہ پری ایک دم سنبھل گئیں۔ اب ان کے چہروں پر مسکراہٹ کے بجائے خوف کا تاثر جھلک رہا تھا۔ وہ سہمی ہوئی سی ایک دیوار سے لگ کر کھڑی ہو گئیں۔ ساٹھ واٹ کے بلب کی روشنی میں ان کے چہروں پر زردی کا تاثر بھی پیدا ہو گیا تھا۔ وہ دونوں غنڈے اندر داخل ہو کر دروازے کے قریب ہی رک گئے۔

"بھاگ گئے حرامزادے۔" ان میں سے ایک نے اندر داخل ہوتے ہی کہا۔ وہ دبلا پتلا لمبے قد کا مالک تھا۔ اس کی ٹھوڑی پر دائیں طرف تقریباً" ایک انچ لمبا پرانے زخم کا نشان نظر آرہا تھا۔

"وہ اسی علاقے کے سڑک چھاپ غنڈے ہیں۔ اب تو بھاگ گئے ہیں لیکن دھمکی دیکر گئے ہیں کہ اپنے ساتھیوں کو لیکر تھوڑی دیر میں پھر آئیں گے۔"

"ہیں۔۔۔ پھر آئیں گے؟" ثمینہ ہکلا گئی۔ اس کے لہجے میں خوف نمایاں تھا۔ "ہم گھر کیسے جائیں گی۔ وہ ہمیں پھر پریشان کریں گے۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ جوان لڑکیاں آدھی رات کو اکیلی گھروں سے کیوں نکلتی ہیں۔ کہاں

aazzamm@yahoo.com

رہتی ہو تم لوگ؟" اسی غنڈے نے کہا۔ اس نے آخری الفاظ ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہے تھے۔

"ٹیلی فون ایکسچینج کے پچھلی طرف۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "ہم بھوگیوال میں اپنی بیمار تائی کو دیکھنے گئی تھیں۔ واپسی پر دیر ہوگئی۔ تم لوگ ہمیں گھر تک چھوڑ آؤ--- بڑی مہربانی ہوگی تم لوگوں کی۔"

"ناں بی بی ناں۔" وہی غنڈہ بولا۔ "دو چار غنڈوں سے تو ہم نمٹ سکتے ہیں۔ اگر انہوں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہمیں راستے میں گھیر لیا تو ہم کیا کریں گے۔ اپنی جان تو سب کو پیاری ہوتی ہے نا--- اگر انہوں نے یہاں حملہ کردیا تب بھی ہماری جان خطرے میں پڑ جائے گی۔ اب موقع ہے تم لوگ یہاں سے چلی جاؤ۔"

"نن--- نہیں--- وہ ہمیں راستے میں گھیر لیں گے۔" ثمینہ نے خوفزدہ لہجے میں جواب دیا۔ اس نے محسوس کرلیا تھا کہ وہ دونوں للچائی ہوئی نظروں سے ان دونوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"لیکن تم لوگوں کیلئے ہم اپنی جانیں خطرے میں نہیں ڈال سکتے۔" وہی غنڈہ بولا۔

"ہمیں یہاں چھپالو۔" ثمینہ گھگھیائی۔ "وہ غنڈے یہاں سے ہوکر چلے جائیں گے تو ہم یہاں سے نکل جائیں گی۔"

"کہاں چھپالیں تمہیں؟" وہ بولا۔

"اوئے نورے۔" دوسرے غنڈے نے اپنے ساتھی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "بیچاری بہت پریشان اور ڈری ہوئی ہیں۔ انہیں تھوڑی دیر کے لئے تہ خانہ میں چھپا دو۔ وہ حرامزادے یہاں کا چکر لگا کر چلے جائیں گے تو ہم انہیں بھی یہاں سے نکال دیں گے۔"

"تم کہتے ہو تو ٹھیک ہے طافو۔" نورے نے کہا۔ "وہ تہ خانہ ہی ان کیلئے محفوظ رہے گا۔ بعد میں انہیں نکال کر ہم ان کو گھر بھی چھوڑ آئیں گے۔"

اسی دوران گیٹ کی طرف سے ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی لکڑی گری ہو۔ نورے اور طافو نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ نورا انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کرتا ہوا باہر نکل گیا۔ اس کی واپسی دو منٹ بعد ہوئی تھی۔ اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر انہیں بولنے سے منع کردیا اور خود سرگوشی کرتے ہوئے بولا۔

"میرا خیال ہے وہ لوگ آگئے ہیں اور طویلے کو گھیرنے کی کوشش کررہے ہیں۔"

"تو پھر سوچ کیا رہے ہو۔" طافو بھی سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔ "تہ خانے کا راستہ کھولو اور

انہیں چھپا دو۔"

نورے نے باری باری ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھا اور طافو کو اشارہ کیا۔ ان دونوں نے چارپائی اٹھا کر دوسری طرف رکھ دی۔ چارپائی کے پیچھے دیوار میں زمین کے قریب ایک سوراخ تھا۔ یہ سوراخ اتنا بڑا تھا کہ اس میں آسانی سے ہاتھ ڈالا جاسکتا تھا۔

"ادھر آکر کھڑی ہوجاؤ تم دونوں۔" نورے نے ثمینہ اور شاہ پری کو اشارہ کیا اور پھر آگے بڑھ کر ثمینہ کو بازو سے پکڑ کر اس جگہ کھڑا کردیا جہاں پہلے چارپائی بچھی ہوئی تھی۔

طافو شاہ پری کو پکڑ کر اس جگہ لے آیا تھا۔ ثمینہ یا شاہ پری نے ان دونوں سے ہاتھ چھڑانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

نورے نے جھک کر دیوار میں ہاتھ ڈالا اور اندر کسی چیز کو حرکت دی۔ ثمینہ اور شاہ پری چونک گئیں۔ زمین کا وہ حصہ لفٹ کی طرح نیچے دھنسنے لگا۔ تقریباً" چھ فٹ نیچے جاکر زمین رک گئی۔ اب زمین کا تین بائی چار فٹ کا وہ ٹکڑا کسی چبوترے کی طرح نظر آرہا تھا۔ تہ خانے کی زمین اس سے تین فٹ نیچے تھی۔

"نیچے اتر جاؤ۔ گرنا نہیں۔ چوٹ لگ جائے گی۔" نورے نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ٹھہرو میں تمہیں سہارا دیتا ہوں۔"

نورے نے سہارا دیکر ثمینہ کو چبوترے سے نیچے اتار دیا۔ طافو نے بھی شاہ پری کو سہارا دینا ضروری سمجھا تھا اور وہ دونوں خود بھی نیچے اتر آئے تھے۔

ثمینہ خوفزدہ سی نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ یہ تہ خانہ تین فٹ لمبا اور بیس فٹ چوڑا تھا۔ فرش اور دیواریں پختہ تھیں۔ مختلف جگہوں پر تین مرکری ٹیوب لائٹیں روشن تھیں۔ ان ٹیوب لائٹوں کا تعلق غالباً" راستے کے میکنزم سے تھا۔ لیکن ایک طرف دیوار پر سوئچ بورڈ بھی لگا ہوا تھا جس کے تمام سوئچ آف تھے۔ نورے نے تین چار سوئچ آن کردیئے اور اسی دیوار کے ایک سوراخ میں ہاتھ ڈال کر کسی چیز کو حرکت دی۔ وہ چبوترہ آہستہ آہستہ اوپر اٹھنے لگا۔ اس کے نیچے لفٹ شافٹ لگی ہوئی تھیں۔ ایسی لفٹ شافٹ عام طور پر پٹرول پمپوں پر نظر آتی ہیں۔ جو کاروں کو دھونے یا سروس کرنے میں استعمال ہوتی ہیں۔

وہ چبوترہ چھت کے خلا میں فٹ ہوگیا۔ تہ خانے کا راستہ بند ہونے سے ٹیوب لائٹوں پر کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ نورے نے سوئچ آن کردیئے تھے۔

اس وسیع و عریض کمرے میں دیواروں کے ساتھ شیشے کی الماریاں بنی ہوئی تھیں۔ اور ان الماریوں میں ہیروئن کے پیکٹ بھرے ہوئے تھے۔ ثمینہ کے خیال میں ہر پیکٹ پانچ کلو کا ضرور

aazzamm@yahoo.com

ہوگا۔ اس حساب سے وہ ہیروئن دو ٹن سے بھی زیادہ ہوسکتی تھی۔ لاہور حاجی عبداللہ کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ یہاں سے پوری دنیا کو مال سپلائی ہوتا تھا۔ یہ تو ایک گودام تھا۔ ہوسکتا ہے اس طرح کے اور بھی کئی گودام ہوں جو اسی طرح ہیروئن سے بھرے ہوئے ہوں۔ شاہ پری بھی متوحش نظروں سے ان الماریوں کو دیکھ رہی تھی۔

"کیوں اوئے طافو۔" ثمینہ نورے کی آواز سن کر چونک گئی۔ وہ اپنے ساتھی کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "کیسی رہی ہماری یہ چال؟ غنڈوں سے بچ کر پناہ لینے کیلئے ہمارے ڈیرے پر آئی تھیں۔ انہیں پتا نہیں تھا کہ ہم ان سے بھی بڑے غنڈے ہیں۔"

"آج کی رات تو جشن منائیں گے۔" طافو نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ "تازہ مال ہے۔ مزا آجائے گا۔ اب تک تو گلیوں میں پھرنے والی فقیرنیوں پر ہی گزارہ کرتے رہے ہیں۔ مگر ان کو دیکھو--- کیسی چمک رہی ہیں۔"

"ہاں۔ زندگی میں پہلی بار ایسی چیز ملی ہے۔ آج تو واقعی جشن منائیں گے۔" نورے نے بھی ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ پھر ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "آج تم لوگوں کو پتا چلے گا کہ آدھی رات کو اکیلے گھر سے نکلنے کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔"

"کک--- کیا مطلب--- کیا چاہتے ہو تو لوگ؟" ثمینہ خوفزدہ انداز میں ہکلائی۔

"تم تو خود سیانی ہو۔ تمہیں سمجھ لینا چاہئے کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔" نورے نے ہنستے ہوئے کہا۔ "شرافت سے ہماری بات مان لو۔ ہنسی خوشی راضی ہوجاؤ گی تو بعد میں ہم تمہیں تمہارے گھر تک بھی چھوڑ آئیں گے۔"

"نہیں نہیں۔" ثمینہ خوفزدہ انداز میں پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔ "تم لوگوں نے ہمارے ساتھ دھوکہ کیا ہے۔ ہمیں چھوڑ دو۔"

"کیسے چھوڑ دیں۔" نورا بھی آگے بڑھتے ہوئے بولا۔ "زندگی میں پہلی بار تو ایسی چیز ملی ہے۔ کیسے چھوڑ دیں۔"

"ہم شور مچا دیں گے۔" ثمینہ نے دھمکی دی۔

"اس سے کیا ہوگا۔" نورے نے کہا۔ "جتنا مرضی چیخ لو۔ تمہاری آواز اس تہ خانے سے باہر نہیں جائے گی۔"

شاہ پری بھی منت سماجت کرتی ہوئی پیچھے ہٹ رہی تھی اور طافو نے اسے گھیر کر دیوار سے لگا دیا تھا۔ شاہ پری کیلئے اب پیچھے ہٹنے کی جگہ نہیں تھی۔ اس نے ایک طرف ہٹنا چاہا مگر طافو شکاری کتے کی طرح اس پر جھپٹا تھا لیکن شاہ پری جھکائی دیکر نیچے بیٹھ گئی۔

دوسری طرف ثمینہ بھی کچھ ایسی صورتحال سے دوچار تھی۔ نورے نے ثمینہ پر چھلانگ لگائی تو وہ بڑی پھرتی سے جھکائی دیکر ایک طرف ہٹ گئی۔ اس کے ساتھ ہی وہ چیخی تھی۔

"ایکشن شاہ پری!"

اور پھر دونوں نے بیک وقت اپنی اپنی شلوار کے نیفوں میں اڑسے ہوئے پستول نکال لئے۔

"بس۔ اب ختم ہوگیا تم لوگوں کا ڈرامہ۔" ثمینہ نورے کو پستول کی زد میں لیتے ہوئے بولی۔ "تم سمجھے تھے کہ ہم واقعی غنڈوں سے بچنے کیلئے یہاں آئی تھیں اور جب تم دھوکے سے ہمیں تہ خانے میں لا رہے تھے تو ہم کچھ نہیں سمجھی تھیں۔ ہم تو خود اس تہ خانے میں آنا چاہتی تھیں اور تم لوگ بڑی آسانی سے ہمارے جال میں پھنس گئے۔"

"کون ہو تم لوگ؟" نورے نے کہا۔ ان کے ہاتھوں میں پستول دیکھ کر اس کا چہرہ ایک دم پیلا پڑ گیا تھا۔

"تمہاری موت۔" ثمینہ نے کہا۔ "لیکن نہیں۔ ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گی۔ ہمارا معاملہ تو حاجی عبداللہ سے ہے۔ تم لوگ تو اس کے معمولی کارندے ہو۔ تمہیں زندہ رکھا جائے گا۔ تاکہ تم لوگ حاجی کو بتا سکو کہ یہاں کون آیا تھا۔"

"شش--- ثمینہ؟" نورا ہکلایا۔ اس کا چہرہ خوف سے سیاہ پڑ گیا تھا۔

"پہچان لیا۔" ثمینہ مسکرائی۔ "پہلے بھی دیکھا تھا مجھے؟"

"نن--- نہیں۔" نورا بولا۔ "حاجی کی اقبال ٹاؤن والی کوٹھی کو بھی تم نے آگ لگائی تھی۔ حاجی نے ہمیں ہوشیار کردیا تھا مگر پھر بھی ہم دھوکہ کھا گئے۔"

"اگر تمہیں اپنے فرض کا احساس ہوتا اور دل میں ہوس نہ ہوتی تو ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتی تھیں۔" ثمینہ نے کہا۔ "اب حاجی کے اس گودام کا حال بھی اقبال ٹاؤن والی کوٹھی جیسا ہوگا اور اربوں روپے مالیت کی یہ ہیروئن چند منٹ میں دھواں بن کر اڑ جائے گی۔" ہاتھ اٹھا لو اور دیوار کی طرف منہ کرکے کھڑے ہوجاؤ۔"

ان دونوں نے حکم کی تعمیل میں دیر نہیں لگائی تھی۔ تہ خانے میں رسیاں بھی موجود تھیں اور انہیں باندھنے میں ثمینہ کو ذرا بھی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ ان دونوں نے مزاحمت بھی نہیں کی تھی۔ ثمینہ کا خوف اس طرح ان کے ذہن کو لپیٹ میں لے چکا تھا کہ وہ مزاحمت کر ہی نہیں سکے تھے۔

"شاہ پری!" ثمینہ ان دونوں کو باندھنے کے بعد سیدھی ہوتی ہوئی بولی۔ "تم یہیں رکو میں عثمان کو بلا کر لاتی ہوں۔"

aazzamm@yahoo.com

اس نے دیوار کے سوراخ میں ہاتھ ڈال کر ایک کنڈے کو گھمایا۔ اوپر والے کمرے کے فرش کا وہ حصہ نیچے آگیا۔

"تہ خانے سے باہر آکر ثمینہ محتاط انداز میں چلتی ہوئی طویلے کے پھاٹک کے پاس آگئی۔ پھاٹک کی آڑ میں رک کر اس نے دو انگلیاں ہونٹوں میں ڈال کر سیٹی بجائی اور انتظار کرنے لگی۔

چند سیکنڈ بعد ہی انسپکٹر عثمان وہاں آگیا۔ ثمینہ اسے تہ خانے میں لے آئی۔ الماریوں میں بھری ہوئی ہیروئن دیکھ کر اس کی آنکھوں میں چمک ابھر آئی۔

نورے کو دیکھ کر وہ چونک گیا۔ نورا بھی عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ عثمان نے ثمینہ کے ہاتھ سے پستول لے لیا اور اس کی نالی نورے کی کھوپڑی پر رکھ کر ٹرائیگر دبا دیا۔ نورے کے سر سے خون کی دھار بہہ نکلی۔ اس نے ایک دو جھٹکے لئے اور ختم ہوگیا۔

"یہ کیا کیا تم نے؟" ثمینہ نے عثمان کو گھورا۔

"یہ مجھے جانتا ہے اور اچھی طرح پہچانتا ہے۔" انسپکٹر عثمان نے اس کے کان میں سرگوشی کی پھر وہ طافو کی طرف دیکھتے ہوئے بارعب لہجے میں بولا۔ "مجھے جانتے ہو میں کون ہوں؟"

"نہیں جی۔" طافو نے جواب دیا۔ وہ نورے کا حشر دیکھ کر کانپ اٹھا تھا۔ "مجھے مت ماریں جی۔ میرے نکے نکے بچے ہیں۔"

"تمہیں ان لوگوں کے نکے نکے بچوں کا خیال نہیں آتا جنہیں تم لوگ بیدردی سے موت کے گھاٹ اتار دیتے ہو۔" انسپکٹر عثمان نے اسے ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔

"اس کے ساتھ الجھ کر وقت ضائع مت کرو۔" ثمینہ نے عثمان کو ٹوک دیا۔ ہمیں اپنی کارروائی مکمل کرکے یہاں سے نکل جانا چاہئے۔" ثمینہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "تم باہر جاؤ اور ٹوٹا پھوٹا فرنیچر اور لکڑیاں وغیرہ نیچے پھینکتے رہو۔ ہم نیچے کا کام سنبھال لیں گی۔"

انسپکٹر عثمان اوپر چلا گیا اور کوٹھڑی کے سامنے انبار میں سے لکڑیاں اٹھا اٹھا کر نیچے پھینکنے لگا۔ اس میں ٹوٹا پھوٹا فرنیچر۔ زیادہ تر ٹوٹے ہوئے تانگے اور درختوں کی خشک لکڑیاں تھیں۔

ثمینہ اور شاہ پری وہ لکڑیاں اٹھا اٹھا کر الماریوں کے ساتھ ساتھ ڈھیر کرتی رہیں۔ انہیں اس کام میں تقریباً" ایک گھنٹہ لگ گیا اور اس ایک گھنٹے کے دوران ہیروئن کے پیکٹوں سے بھری ہوئی ہر الماری کے ساتھ اچھی خاصی لکڑیاں جمع ہوچکی تھیں۔

ثمینہ اور شاہ پری نے نورے کی لاش اور رسیوں سے بندھے ہوئے طافو کو اٹھا کر چبوترے پر ڈال دیا اور لفٹ کو اوپر بھیج دیا۔ عثمان نے نورے کی لاش کو اٹھا کر ایک طرف ڈال دیا اور طافو

کو بھی پیر سے دھکا دیکر ایک طرف گرا دیا۔

"عثمان۔ ماچس نیچے پھینک دو۔" ثمینہ نے اوپر دیکھتے ہوئے کہا۔

انسپکٹر عثمان نے جیب سے ماچس نکال کر نیچے پھینک دی۔ ثمینہ نے شاہ پری کو اشارہ کیا۔ وہ لفٹ والے چبوترے پر کھڑی ہوگئی اور ثمینہ آگے بڑھ کر الماریوں کے سامنے لکڑیوں کو آگ لگانے لگی۔ لکڑیوں کے ساتھ جگہ جگہ پتلی شاخوں والی خشک جھاڑیاں بھی رکھی گئی تھیں۔ ان جھاڑیوں نے فوراً" ہی آگ پکڑ لی۔ ثمینہ نے پانچ چھ جگہوں پر آگ لگائی تھی جو آہستہ آہستہ پھیلنے لگی تھی۔

ثمینہ نے دیوار کے سوراخ میں ہاتھ ڈال کر لفٹ کے میکنزم کو حرکت دی لیکن اس چبوترے نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی۔ وہ میکنزم کو بار بار حرکت دیتی رہی۔ ثمینہ کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ بار بار کوشش کے باوجود وہ چبوترا ٹس سے مس نہیں ہوا تھا۔

تہ خانے میں آگ تیزی سے پھیل رہی تھی اور دھواں بھر رہا تھا۔ آگ کی تپش سے ایک الماری کا شیشہ چٹخ کر گرا تو چھناکے کی آواز سے شاہ پری بھی بدحواس ہوگئی۔ انسپکٹر عثمان بھی اوپر سے لفٹ کے میکنزم کو بار بار حرکت دے رہا تھا لیکن مقصد پورا نہیں ہورہا تھا۔

"اسے چھوڑ دو عثمان۔ ہمیں ہاتھ سے پکڑ کر اوپر کھینچو۔ جلدی کرو۔ آگ پھیل رہی ہے۔" ثمینہ نے اوپر دیکھتے ہوئے کہا۔

عثمان نے جھک کر ثمینہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے اوپر کھینچنے لگا۔ اوپر آکر ثمینہ ایک طرف کھڑی ہوگئی اور لمبے لمبے سانس لینے لگی۔ عثمان ایک بار پھر جھک کر شاہ پری کو اوپر کھینچنے لگا۔ شاہ پری بھی اوپر آگئی تھی۔

"جلدی کرو--- کچھ لکڑیاں تہ خانے کے اندر پھینک دو تاکہ آگ مزید پھیل جائے۔" ثمینہ نے کہا۔

وہ تینوں لکڑیاں اٹھا اٹھا کر تہ خانے میں پھینکنے لگے۔ یہاں تک کہ راستے والی خلا بھی لکڑیوں سے بند ہوگئی۔ نیچے سے یہ لکڑیاں آگ پکڑتیں تو طویلے کا اوپر والا حصہ بھی آگ کی زد میں آجاتا۔ انہوں نے کوٹھڑی میں بھی بہت سی لکڑیاں پھینک دی تھیں۔

"میں طفیل کو بلاتی ہوں۔ اور تم اسے اٹھا کر پھاٹک کے پاس لے آؤ عثمان۔" ثمینہ نے طافو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور دوڑتی ہوئی طویلے کے پھاٹک کے قریب چلی گئی اور پہلے کی طرح دو انگلیاں منہ میں ڈال کر سیٹی بجائی۔

صرف دو منٹ کے اندر اندر طفیل گاڑی لیکر وہاں پہنچ گیا۔ اس کے ہیڈ لیمپس اور اندر کی

aazzamm@yahoo.com

بتیاں بھی بجھی ہوئی تھیں۔

"ڈکی کھول طفیل' جلدی کرو۔" ثمینہ نے کہا اور اندر کی طرف دوڑی گئی۔

اسی دوران انسپکٹر عثمان طافو کو اٹھا کر وہاں لے آیا تھا۔ طفیل نے ڈکی کھول دی۔ عثمان نے طافو کو ڈکی میں ٹھونس کر ڈھکنا بند کردیا۔ پھر وہ اور طفیل مل کر تورے کی لاش اٹھا کر لے آئے اور اسے طویلے کے سامنے سڑک کے دوسرے کنارے پر ڈال دیا۔

اس دوران ثمینہ اور شاہ پری کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ چکی تھیں۔

انسپکٹر عثمان ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا تھا اور طفیل دوسری سیٹ پر۔ ثمینہ نے مڑ کر دیکھا۔ تہ خانے والی کوٹھڑی سے دھواں نکلنا شروع ہوگیا تھا جس کا مطلب تھا کہ تہ خانے میں آگ پھیل رہی تھی۔

عثمان نے یوٹرن لیا اور کار کو چوک کی طرف موڑ دیا چوک پر سگریٹ اور چائے کی دکانیں بند ہوچکی تھیں اور یہاں مکمل سناٹا تھا۔ اس چوک سے نکلنے والی ایک سڑک تو حق نواز روڈ تھی جو باغبانپورہ سے ہوتی ہوئی شالیمار تک چلی گئی تھی۔ سامنے والی سڑک کچھ آگے جاکر جی ٹی روڈ سے مل گئی تھی اور دائیں طرف وہ سڑک تھی جو گھوڑے شاہ اور چاہ میراں کی طرف چلی گئی تھی۔ وہ لوگ اسی سڑک سے آئے تھے۔ چوک سے اس سڑک کی طرف ایک گھاٹی سی بنی ہوئی تھی۔

عثمان نے اسی طرف کار موڑ لی۔ گھاٹی پر تھوڑا ہی آگے سڑک کے کنارے ایک چھوٹی سی پولیس چوکی تھی۔ یہ چوکی ایک مکان میں بنی ہوئی تھی۔ اس وقت رات کا ایک بجنے والا تھا۔ چوکی کے دفتر والے دروازے کے باہر اگرچہ ایک بلب روشن تھا لیکن دروازہ بند تھا۔ عثمان نے چوکی سے دس بارہ گز آگے نکل کر کار روک لی' نیچے اترا اور ڈکی میں سے طافو کو نکال کر سڑک کے کنارے پر ڈال دیا اور دوبارہ اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ گیا۔ دوسرے ہی لمحے کار طوفانی رفتار سے سڑک پر دوڑنے لگی۔

انہیں اپنے ٹھکانے پر پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ شارق وغیرہ ان کے انتظار میں جاگ رہے تھے البتہ مریم اپنے کمرے میں سو رہی تھی۔

"بہت دیر لگا دی ہم پریشان ہورہے تھے۔" نولکھا نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہاں کچھ دیر تو ہوگئی لیکن ہم کام ادھورا نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"تم دونوں کے بکھرے ہوئے بال دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ کچھ دشواری پیش آئی تھی۔" شارق نے باری باری ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"دشواری ہم نے خود پیدا کی تھی۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "حاجی کے صرف دو گرگے وہاں موجود تھے جنہیں قابو میں کرنے کیلئے ہمیں کچھ ڈرامہ کرنا پڑا۔ اس کے علاوہ اور کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔"

"کام ہوگیا؟" نولکھا نے کہا۔

"ظاہر ہے۔" ثمینہ مسکرائی۔ "اس کے بغیر تو ہم واپس بھی نہ آتے۔ اب تک تو اس علاقے میں قیامت برپا ہوچکی ہوگی۔ اس مرتبہ تو حاجی یقیناً" پاگل ہوجائے گا۔"

"وہاں کتنا مال تھا؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"مال۔" ثمینہ ایک بار پھر مسکرائی۔ "میرے خیال میں کم از کم دو ٹن ہیروئن ضرور ہوگی جو اب تک دھواں بن کر اڑ چکی ہوگی اور اس زہریلے دھویں کا عام لوگوں پر جو اثر ہوگا اس کا مجھے افسوس ہے۔ لیکن مجھے امید ہے کہ یہ دھواں لوگوں کو زیادہ نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

"دو ٹن۔" شارق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اسی لئے تو کہہ رہی ہوں کہ حاجی اس مرتبہ ضرور پاگل ہوجائے گی۔" ثمینہ نے کہا۔

"میرا خیال ہے آپ لوگ چائے تو ضرور پئیں گے۔" قریب کھڑی ہوئی رضیہ نے ان سب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں بھئی۔ اس وقت تو واقعی چائے کی طلب محسوس ہورہی ہے۔" عثمان نے جواب دیا۔

رضیہ باورچی خانے میں چلی گئی۔ اور آدھے گھنٹے بعد سب کیلئے چائے بنا کر لے آئی۔ چائے کے دوران وہ صورتحال پر تبصرہ بھی کرتے رہے۔ اڑھائی بج گئے۔ انسپکٹر عثمان نے گھر جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو شارق نے اسے روک لیا۔

انسپکٹر عثمان فوراً" ہی رکنے پر تیار ہوگیا۔

"آؤ۔ میں تمہیں کمرا دکھا دوں۔ آرام سے سوتے رہنا۔ کوئی تمہیں ڈسٹرب نہیں کرے گا۔" ثمینہ نے کہا اور عثمان کو اوپر کی منزل کے ایک کمرے میں لے آئی۔ اور بتی جلا دی۔ یہ کارنر کا کمرا تھا اور اس میں دو طرف کھڑکیاں تھیں۔

انسپکٹر عثمان دروازے میں کھڑا ثمینہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ثمینہ اس وقت کمرے کے اندر تھی۔ جب وہ باہر نکلنے لگی تو اس کا کندھا عثمان کے کندھے سے ٹکرا گیا۔ ثمینہ نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور باہر نکل گئی۔

وہ بستر پر لیٹ گیا اور جلد ہی نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

○

aazzamm@yahoo.com

حاجی کو یہ اطلاع رات دو بجے ملی تھی۔

اس کے خلاف عوام کا غصہ کچھ سرد پڑ گیا تھا اور عوامی مظاہرے بھی ختم ہو رہے تھے۔ اسے اپنے آدمیوں سے صورتحال کے بارے میں مسلسل اطلاعات مل رہی تھیں۔ وہ اگر چاہتا تو اپنی کسی کوٹھی میں جاسکتا تھا لیکن احتیاطاً" وہ وسن پورے والے اسی مکان میں مقیم تھا۔

وہ اس وقت سو رہا تھا۔ ٹیلی فون اس کے بیڈ کے قریب ہی رکھا ہوا تھا۔ اس کی آنکھ دوسری گھنٹی پر ہی کھل گئی تھی۔ کمرے میں سبز رنگ کا نائٹ بلب جل رہا تھا۔ پہلے وہ خوابیدہ سی نظروں سے ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ پھر تیسری گھنٹی بجی تو اس نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔ اور پھر دوسری طرف سے جو کچھ بھی کہا گیا اسے سن کر حاجی کے ہوش اڑ گئے تھے۔ وہ غیر شعوری طور پر ایک جھٹکے سے اٹھ کر پلنگ سے اتر کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"یہ سب کچھ کیسے ہوا۔ تم لوگ کہاں مر گئے تھے۔" حاجی دھاڑا۔

"میں نے اور شوکت نے دس بجے ڈیرے کا چکر لگایا تھا جناب۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ "اس وقت سب ٹھیک تھا جناب۔ نورا اور طافو کمرے میں بیٹھے حقہ پی رہے تھے۔ ہم چند منٹ ان کے پاس بیٹھے بھی تھے۔ پتا نہیں یہ سب کچھ کب اور کیسے ہو گیا۔ میں شور کی آواز سن کر باہر نکلا تھا۔ اسی وقت دو آدمی ہمیں آگ لگنے کی اطلاع دینے کیلئے چوکی آئے تھے اور جب میں چوکی سے باہر نکلا تو دروازے سے چند فٹ کے فاصلے پر نورے کی لاش پڑی تھی۔ وہ رسیوں سے بندھا ہوا تھا اور اسے سر پر گولی مار کر ہلاک کیا گیا تھا۔"

"بولتے رہو۔ میں سن رہا ہوں۔" حاجی اس کے خاموش ہونے پر چیخا۔

"میں اپنے سپاہیوں کو لے کر جائے وقوعہ پر پہنچا تو آگ بے قابو ہو چکی تھی۔ آگ اس وقت بھی قابو سے باہر ہے۔ آسمان سیاہ دھویں سے ڈھکا ہوا ہے۔ فائر بریگیڈ کا ابھی دور دور تک پتا نہیں ہے۔ انسپکٹر صاحب بھی پہنچ چکے ہیں اور آپ کے لئے ایک اور اطلاع یہ ہے کہ سنگھ پورہ موڑ کی طرف جانے والی سڑک پر طافو بھی رسیوں سے بندھا ہوا ملا ہے۔"

"وہ زندہ ہے؟" حاجی نے پوچھا۔

"جی جناب۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ "اس نے بڑی عجیب بات بتائی ہے جناب۔"

"طافو کا بیان ہے کہ دو جوان اور خوبصورت لڑکیاں غنڈوں سے بچنے کیلئے ان کے ڈیرے میں گھس آئی تھیں۔ طافو اور نورے نے انہیں غنڈوں سے بچانے کیلئے ڈیرے میں پناہ دی تھی لیکن ان لڑکیوں نے پستول نکال لئے اور انہیں تہ خانے کا راستہ کھولنے پر مجبور کر دیا۔ ان میں ایک لڑکی نے اپنا نام ثمینہ بتایا تھا۔"

"یقیناً" وہی ہوگی۔" حاجی غرایا۔ "اس کے علاوہ دنیا کی کسی لڑکی میں اتنی جرأت نہیں ہے کہ حاجی کے ڈیرے میں قدم رکھ سکے۔"

"اس کے ساتھ دو آدمی بھی تھے۔" دوسری طرف سے کہا جا رہا تھا۔ "ان میں سے ایک آدمی بعد میں تہ خانے میں آیا تھا اور اس نے نورے کو گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ ثمینہ نے پوچھا کہ اس نے گولی کیوں ماری تو اس شخص نے کہا تھا کہ نورا اسے پہچانتا ہے۔"

"اوہ! یہ کون ہو سکتا ہے۔" حاجی چونک گیا۔

"آپ کے اندر ہی کا کوئی آدمی ہوگا جناب۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"طافو کہاں ہے؟" حاجی نے پوچھا۔

"پولیس کی تحویل میں جناب۔ انسپکٹر صاحب بھی آچکے ہیں اور اس سے اس معاملے میں پوچھ گچھ کر رہے ہیں۔"

"ختم کر دو اسے۔ اس کی زبان پر میرا نام نہیں آنا چاہئے سمجھے۔" حاجی کے لہجے میں بھیڑیے کی سی غراہٹ تھی۔

"اب ایسی کوئی کوشش کرنا بیکار ہے جناب۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"کیوں۔ کیا اس نے آب حیات پی لیا ہے؟" حاجی چیخا۔

"وہ باقاعدہ پولیس کی کسٹڈی میں ہے اور آپ تو اخبار والوں کو جانتے ہی ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اخبار والوں کو ایسے واقعات کی اطلاع کیسے مل جاتی ہے۔ اس وقت بھی کم از کم سات پریس رپورٹرز اور فوٹو گرافرز اس جگہ موجود ہیں اور انہوں نے طافو سے اگلوا لیا ہے کہ ڈیرہ آپ کا تھا اور تہ خانے میں ڈیڑھ دو ٹن کے لگ بھگ ہیروئن رکھی ہوئی تھی۔"

"کتے کا بچہ؟" حاجی غرایا۔ "ختم کر دو اسے۔ ہر صورت میں ختم کر دو۔" یہ ممکن نہیں جناب۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ "اقبال ٹاؤن والے کیس میں آپ کے آدمیوں کو تھانے کے اندر ختم کر دیا تھا جس کے نتیجہ میں نہ صرف تھانے کا پورا عملہ بلکہ ڈی ایس پی تک کو معطل کر دیا گیا تھا۔ ہمارے انسپکٹر صاحب کو شاید پہلے ہی سے اس بات کا شبہ تھا کہ اس کو ختم کرنے کی کوشش کی جاسکتی ہے۔ اس لئے انہوں نے طافو کو کڑی حفاظت میں رکھا ہوا ہے اور کسی کو اس سے ملنے کی اجازت بھی نہیں ہے۔ انسپکٹر صاحب نے ڈی ایس پی اور ایس پی صاحب کو اطلاع دیدی ہے۔ وہ لوگ بھی اب پہنچنے والے ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ انسپکٹر سے کہو مجھ سے بات کرلے۔" حاجی نے کہا۔

"انسپکٹر صاحب جائے وقوعہ پر ہیں جی۔ میں انہیں آپ کا پیغام دے دیتا ہوں۔" دوسری

aazzamm@yahoo.com

طرف سے کہا گیا اور اس کے ساتھ ہی لائن بے جان ہوگئی۔

حاجی نے ریسیور پٹخ دیا اور دروازے پر آہٹ سن کر اس طرف مڑ گیا۔ اس کا میزبان شفقت دروازے میں کھڑا تھا۔

"کس کا فون تھا حاجی صاحب؟" شفقت نے پوچھا۔ "کیا ہوا۔ بڑے غصے میں ہیں آپ؟"

"وہ لڑکی ثمینہ۔" حاجی غرایا۔ "وہ مجھے مل جائے تو۔۔۔"

"مل جائے گی تو غصہ اتاریں گے نا۔" شفقت نے اس کی بات کاٹ دی۔ "وہ تو چھلاوہ بنی ہوئی ہے چھلاوہ۔۔۔ اب کیا کیا ہے اس نے۔۔۔ آپ کی باتوں میں' میں نے طافو کا نام سنا تھا۔"

"اس نے سنگھ پورہ والے ڈیرے کو آگ لگا دی ہے۔ دو ٹن ہیروئن جل کر راکھ ہوگئی ہے۔ یہ لڑکی تو مجھے واقعی تباہ کرکے چھوڑے گی۔ جب تک ثمینہ اور شارق ختم نہیں ہوجاتے' میں سکون سے نہیں بیٹھوں گا۔" حاجی بولا۔

سنگھ پورہ والے ڈیرے کی تباہی کا سن کر شفقت بھی اچھل پڑا تھا۔

"ایک بات ہے حاجی جی۔" شفقت اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "شارق کو افغانستان بھیجنے کے بعد اس کی ماں اور بہن کو اقبال ٹاؤن والی کوٹھی سے نکالنے کا فیصلہ کیا تھا تو میں نے اسی وقت آپ کو منع کیا تھا کہ کوئی ایسا فیصلہ نہ کریں جس پر بعد میں پچھتانا پڑے۔ لیکن آپ نے میری بات نہیں مانی اور اب یہ سب کچھ اسی کا نتیجہ ہے۔ وہ دونوں پے درپے ہمیں نقصان پہنچاتے چلے جارہے ہیں اور ہم ہیں کہ ابھی تک ان کا کوئی سراغ نہیں لگا سکے۔"

"مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ حرامزادے بموں اور گولیوں کی بارش سے بھی بچ کر نکل آئیں گے۔" حاجی غرایا۔ "اگر وہ دونوں سمجھتے ہیں کہ میں ان کے سامنے سر جھکا دوں گا تو یہ ان کی بھول ہے۔ میں آخری دم تک لڑوں گا۔ چاہے میری ساری دولت ختم ہوجائے۔ انہیں تلاش کروں گا اور اپنے ہاتھوں سے انہیں موت کے گھاٹ اتاروں گا۔ تم نے کہا تھا کہ وہ لوگ گلبرگ کی کسی کوٹھی میں چھپے ہوئے ہیں۔ اس کوٹھی کا پتا چلا کہ نہیں؟"

"ابھی تک کوئی پتا نہیں چلا۔" شفقت نے جواب دیا۔ "میں نے کئی آدمیوں اور دس بارہ عورتوں کو بھی اس کام پر لگا رکھا ہے۔ امید ہے کہ ایک دو دن میں کوئی سراغ مل جائے گا۔"

"اگلے ہفتے مانٹریال سے پارٹی آنے والی ہے۔ وہ لوگ مال لینے آرہے ہیں جہاز ایک ہفتہ پہلے ہی کراچی پہنچ گیا تھا جو برتھ کے انتظار میں گہرے سمندر میں کھڑا ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انہیں مال کہاں سے دیا جائے گا۔" حاجی نے کہا۔ وہ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "پیٹرک کی پارٹی کا مال پہلے انڈیا سے جاتا تھا۔ ہم نے بڑی مشکل سے انہیں توڑا تھا اور ریٹ بھی انڈیا کے مقابلے میں زیادہ تھے۔ یہ ان سے ہماری پہلی ڈیل ہونے والی ہے۔ وہ لوگ ہمیں دس لاکھ ڈالر ایڈوانس بھی دے چکے ہیں۔ اگر ڈیل مکمل نہ ہوسکی تو بین الاقوامی طور پر ہماری ساکھ ختم ہوجائے گی۔ اور ہم برباد ہوجائیں گے۔"

"اس کی تو آپ فکر نہ کریں حاجی جی۔" شفقت نے جواب دیا۔ "کچھ مال بند روڈ والے اڈے پر موجود ہے۔ میں صبح ہی عجب گل کو پشاور فون کر دیتا ہوں۔ وہ فوری طور پر کچھ بندوبست کردے گا۔ لیکن سب سے پہلے ہمیں شارق اور ثمینہ کا بندوبست کرنا پڑے گا۔"

"اپنے سارے آدمی ان کی تلاش پر لگا دو۔" حاجی نے کہا۔ "اور بند روڈ والے اڈے پر پہرہ سخت کردو۔ اگر وہاں کوئی ایسی بات ہوئی تو میں کسی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اور ہاں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "میرے پولیس کے مخبر نے سنگھ پورہ سے اطلاع دی تھی کہ طافو کے بیان کے مطابق ثمینہ کے ساتھ جو آدمی تھا اس نے نورے کو محض اس لئے گولی مار کر ہلاک کردیا تاکہ نورا اسے جانتا تھا۔ مخبر نے بھی اس شبے کا اظہار کیا ہے کہ وہ ہمارے اندر ہی کا کوئی آدمی ہوسکتا ہے۔ جو کسی وجہ سے شارق سے مل گیا ہے۔ معلوم کرو وہ کون ہے۔ اس غدار کا پتا چل جائے تو شارق اور ثمینہ تک پہنچنا مشکل نہیں ہوگا۔"

"کل ہی سے اس پر کام شروع کردیتا ہوں۔" شفقت نے جواب دیا۔ حاجی کچھ کہنا چاہتا تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس نے لپک کر ریسیور اٹھا لیا۔ اس کا خیال تھا کہ انسپکٹر ہوگا۔ لیکن یہ اس کا ایک آدمی تھا جو اسے ڈیرے میں آتشزدگی کی اطلاع دے رہا تھا۔

"مجھے پتا چل گیا ہے۔" حاجی نے مختصر سا جواب دیا اور فون بند کردیا پھر وہ شفقت کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "چائے بنوا کر لاؤ۔ میرا تو دماغ بھی دکھنے لگا ہے۔"

شفقت کمرے سے نکل گیا اور حاجی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام رکھا تھا۔ اس کے سر میں دھماکے ہورہے تھے اور خون کھول رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ شارق اور ثمینہ کہاں چھپے ہوئے ہیں۔ لاہور شہر میں رہتے ہوئے وہ لاپتا ہیں اور مزے کی بات تو یہ کہ وہ دندناتے پھر رہے ہیں اور اس کے آدمی یا پولیس ان کا سراغ نہیں لگا پا رہی۔

ایک مہینے کے اندر اندر یہ چوتھا بڑا واقعہ تھا۔ پہلے سمن آباد والی کوٹھی جلا کر راکھ کر ڈالی گئی۔ پھر اس کے آدمیوں سے تین کروڑ مالیت کا سونا چھین لیا گیا اور اس کے بعض اہم آدمیوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔ ان دونوں واقعات میں شارق بھی شریک تھا۔ پھر شارق نے یہ ڈرامہ کیا کہ گلبرگ میں اپنی ہی کوٹھی کو آگ لگا کر روپوش ہوگیا۔ اس نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی تھی کہ وہ اور ثمینہ اس آگ میں جل کر راکھ ہوچکے ہیں لیکن پھر ٹیکسی کے حادثے

aazzamm@yahoo.com

والا واقعہ پیش آیا اور یہ انکشاف ہوا کہ اس حادثے میں زخمی ہونے والا شارق تھا لیکن وہ ہسپتال سے پراسرار طور پر غائب ہوگیا اور پورے شہر کی پولیس اس کا سراغ نہیں لگا سکی تھی۔

حاجی نے ملتان روڈ والی حویلی سے شارق کے مال پر قبضہ کیا تھا اور وہ بہت خوش تھا کہ وہ شارق کو نیچا دکھانے میں کامیاب ہوگیا ہے لیکن تیسرے ہی دن ثمینہ نے نہ صرف اس مال کو بلکہ اس کی کوٹھی کو بھی اڑا دیا تھا اور اس کے بعد آج اس کی اربوں ڈالر مالیت کی ہیروئن دھویں میں اڑا دی تھی۔

"ثمینہ--- ثمینہ---" حاجی دانت کچکچا کر رہ گیا۔ اسے کیسے پتا چلا کہ بھوگیوال کے قبرستان والے طویلے میں کوئی تہ خانہ ہے اور اس تہ خانے میں ہیروئن بھری ہوئی ہے۔ اس کے ساتھ دوسری لڑکی کون ہے اور انہیں اس کے اڈے کے بارے میں معلومات فراہم کرنے والا کون ہے۔

حاجی کے پولیس والے مخبر نے بتایا تھا کہ ثمینہ کے ساتھ اس کارروائی میں حصہ لینے والا حاجی ہی کے گروہ کا کوئی آدمی ہوسکتا ہے۔ اس بات کی تصدیق اس طرح بھی ہوتی تھی کہ اس نے نورے کو محض اس لئے گولی مار دی تھی کہ وہ اسے جانتا تھا اور اسے یہ ڈر پیدا ہوگیا تھا کہ اگر نورے کو زندہ چھوڑ دیا گیا تو وہ اسے شناخت کرلے گا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ کوئی گروہ ہی کا آدمی تھا۔

حاجی کو اب دوسرے ٹھکانوں کی فکر ہوگئی تھی جن میں اربوں ڈالر کا مال بھرا ہوا تھا۔ اس مال میں اسلحہ بھی تھا اور ہیروئن بھی۔ سب سے زیادہ مال بند ر ڈ والے اڈے پر تھا۔ جہاں دو آدمی چوبیس گھنٹے موجود رہتے تھے اور حاجی نے شفقت کو ہدایت کردی تھی کہ اس اڈے کی حفاظت کیلئے مزید آدمی بھیج دیئے جائیں اور جو کوئی اڈے میں داخل ہونے کی کوشش کرے اسے گولی سے اڑا دیا جائے۔ خوبصورت لڑکیوں پر خاص طور پر نگاہ رکھی جائے۔ اگر کوئی لڑکی کسی بھی بہانے اڈے میں داخل ہونے کی کوشش کرے تو اسے پکڑ لیا جائے اور حاجی کو مطلع کردیا جائے۔

حاجی یہ سب کچھ سوچ رہا تھا کہ شفقت چائے لے کر آگیا۔ اس نے ایک کپ حاجی کو دیدیا اور دوسرا خود لیکر اس کے سامنے دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ دونوں چائے پیتے ہوئے یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرتے رہے کہ شارق اور ثمینہ کہاں چھپے ہوں گے اور ان کو اطلاعات فراہم کرنے والا کون ہے۔

"اپنے گروہ کا کوئی آدمی نہیں ہوسکتا حاجی جی۔" شفقت نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔ "ہمارا کوئی بھی آدمی غداری کا نہیں سوچ سکتا۔ یہ یقیناً" کوئی باہر کا آدمی ہے۔"

"باہر کا آدمی کون ہوسکتا ہے جسے ہمارے اڈوں کے بارے میں اتنی معلومات حاصل ہوں۔"

حاجی نے کہا۔

"دو تین آدمی ایسے ہیں حاجی جی جو آپ کے قریب رہنے کی کوشش کرتے ہیں انہی میں سے کوئی ہوسکتا ہے۔" شفقت نے جواب دیا۔

"مثلاً کون؟" حاجی نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ایک تو زبیر ہے جی۔" شفقت نے جواب دیا۔ "یہ انگلینڈ والے گینگ کا نمائندہ ہے۔ وہ ہر وقت آپ کے قریب رہتا ہے۔ ایک سودے میں آپ نے اسے کمیشن کم دیا تھا۔ جس پر وہ ناراض بھی ہوگیا تھا۔ ہوسکتا ہے اسے ان اڈوں کے بارے میں آپ کی باتوں سے معلومات حاصل ہوگئی ہوں اور اس نے انتقامی کارروائی کے طور پر شارق کو ان کے بارے میں اطلاع دیدی ہو۔ افغانستان جانے سے پہلے شارق سے بھی تو اس کے تعلقات رہے ہیں۔"

"اور اس کے علاوہ؟" حاجی نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"پولیس انسپکٹر عثمان۔ جسے آپ نے معطل کروایا تھا۔" شفقت بولا۔

"نہیں یار۔" حاجی نے کہا۔ "وہ ایسا نہیں کرسکتا۔ وہ تو کتے کی طرح میرے پیچھے دم ہلاتا پھرتا ہے کہ میں سفارش کرکے اسے ملازمت پر بحال کرا دوں۔ اس میں اتنی جرات نہیں کہ میرے خلاف کوئی قدم اٹھا سکے اور پھر شارق سے اس کا کیا تعلق ہوسکتا ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "تم شاید یہ بھول رہے ہو کہ انسپکٹر عثمان پولیس سروس سے معطل ہوچکا ہے اور وہ اس کوشش میں ہے کہ اس کی سروس بحال ہوسکے۔ اگر اسے شارق اور ثمینہ کے بارے میں کچھ معلوم ہوتا تو وہ پہلی فرصت میں انہیں پکڑ کر پولیس کے حوالے کردیتا۔ جس سے نہ صرف فوری طور پر اس کی سروس بحال ہوجاتی بلکہ اسے ترقی بھی ملتی اور انعام بھی۔ وہ میرے خلاف شارق سے مخبری کیوں کرتا۔ اس طرح اسے کیا فائدہ ہوسکتا ہے۔"

"آپ کہتے تو ٹھیک ہیں حاجی جی۔ شفقت نے کہا۔ "ویسے مجیدے کا بھی آج کل آپ کے پاس بہت آنا جانا ہے۔ ہوسکتا ہے اسے آپ سے کچھ باتیں معلوم ہوگئی ہوں جنہیں وہ شارق تک پہنچا رہا ہو۔"

"نہیں شفقت۔" حاجی نے مجیدے والے امکان کو بھی مسترد کردیا۔ "نہ صرف مجیدے کا بہنوئی بلکہ اس کے اور بھی بہت سے آدمی شارق کے ہاتھوں مارے جاچکے ہیں۔ وہ شارق کو دیکھتے ہی گولی تو مار سکتا ہے لیکن اس سے دوستی نہیں کرے گا۔ ویسے بھی مجیدا ایک بہت چھوٹا آدمی ہے۔ مجھ سے دشمنی مول لینا پسند نہیں کرے گا۔"

aazzamm@yahoo.com

"پھر بھی ان لوگوں پر نگاہ رکھنی چاہئے۔" شفقت نے مشورہ دیا۔

"ہاں۔ اپنے اطمینان کیلئے ایسا کیا جاسکتا ہے۔" حاجی بولا۔

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ حاجی نے پہلے گھڑی کی طرف دیکھا۔ صبح کے چار بج رہے تھے۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھالیا۔

"میں محمود چیمہ بولا رہا ہوں' حاجی صاحب۔" دوسری طرف سے ہیلو کے جواب میں کہا گیا۔

"مجھے ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ۔۔۔۔"

"مجھے بھی اطلاع مل چکی ہے۔" حاجی نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اچھا ہوا تم نے فون کردیا۔ طافو پولیس کی تحویل میں ہے اور اس نے پولیس کو بتا دیا ہے کہ وہ ڈیرہ میرا ہے۔ اگر یہ بات منظر عام پر آگئی تو میرے خلاف مزید ہنگامہ کھڑا ہوگا۔ تم اس علاقے کے ایس پی سے بات کرکے طافو کو وہاں سے نکال لو۔"

"یہ طافو کون ہے حاجی صاحب؟" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"ڈیرے پر رہتا تھا۔ میرا کارندہ ہے۔" حاجی نے جواب دیا۔

"میں ابھی ایس پی سے بات کرتا ہوں۔ پھر آپ کو اطلاع دوں گا۔" محمود نے کہا۔

"میں تمہاری کال کا انتظار کروں گا۔" حاجی نے کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔

محمود اسمبلی کا ممبر تھا۔ اسے اسمبلی تک پہنچانے میں حاجی ہی کا ہاتھ تھا۔ حاجی نے پہلے اسے علاقے میں متعارف کرایا تھا۔ اس کے ہاتھوں علاقے کے لوگوں کے بہت سے مسائل حل کروائے تھے جن پر حاجی نے پیسہ پانی کی طرح بہایا تھا۔ اس وقت دوسرے سیاسی لیڈر بھی میدان میں موجود تھے۔ دو تین تو ایسے تھے جنہوں نے سیاست کو اپنی میراث بنا لیا تھا۔ وہ لوگ اسمبلیوں میں تھے۔ لوگ اپنے مسائل لیکر ان کے پاس جاتے تو انہیں ٹال دیا جاتا۔ ان سیاستدانوں کو صرف اپنا ذاتی مفاد عزیز تھا اور اس کے لئے وہ حکومت کے اعلیٰ عہدیداروں سے جوڑ توڑ کرتے رہتے تھے لیکن عوام کے ان نمائندوں کو عوام اور ان کے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ایسے میں محمود سامنے آیا۔ وہ اپنی جیب سے پیسہ خرچ کر کے لوگوں کے مسائل حل کررہا تھا۔ علاقے میں جگہ جگہ لگے ہوئے گندگی کے ڈھیر اس نے صاف کروا دیئے تھے۔ کچھ گلیوں میں اینٹوں کے فرش بنوا دیئے تھے۔ بہت سے علاقوں میں پینے کے پانی کا مسئلہ حل کروا دیا تھا۔

لوگ یہ نہیں جانتے تھے کہ ان سارے کاموں کے پیچھے حاجی عبداللہ جیسے سمگلر کا ہاتھ ہے۔ وہ تو صرف محمود کو جانتے تھے جو پیسہ خرچ کرکے ان کے مسائل حل کررہا تھا۔ وہ جوان آدمی تھا اور اس میں کام کا جذبہ بھی تھا اور جب محمود الیکشن میں کھڑا ہوا تو لوگوں کی اکثریت نے اسے

ووٹ دیے۔ محمود کی الیکشن کی مہم پر بھی حاجی نے روپیہ پانی کی طرح بہایا تھا۔ ووٹ خریدنے کیلئے گھر گھر جاکر نوٹ بانٹے گئے تھے اور جب الیکشن کا رزلٹ سامنے آیا تو محمود خوشی سے ناچ اٹھا تھا۔ اس کا حریف اس علاقے کا پرانا اور گھاگ سیاستدان تھا۔ قیام پاکستان کے بعد سے اب تک اسمبلی میں یہ سیٹ اسی کے خاندان میں چلی آرہی تھی۔ گویا یہ اس خاندان کی موروثی سیٹ بن گئی تھی اور اب پہلی مرتبہ اس خاندان کو شکست ہوئی تھی اور یہ سیٹ ان کے ہاتھوں سے نکل گئی تھی۔

لوگ محمود کو اپنا ہمدرد غمگسار سمجھتے تھے لیکن بہت جلد یہ بات سامنے آگئی کہ محمود بھی خدمت کا جذبہ لیکر نہیں آیا تھا۔ اس نے لاکھوں روپے بلا وجہ خرچ نہیں کئے تھے۔ وہ بھی ایک کے سو بنانے کے چکر میں تھا اور سب سے بڑھ کر وہ حاجی عبداللہ جیسے سمگلر کو تحفظ فراہم کررہا تھا۔ اخبارات جب بھی حاجی کے خلاف کچھ لکھتے اسمبلی میں جب بھی حاجی عبداللہ کی غیر قانونی سرگرمیوں کے خلاف آواز اٹھتی محمود اور اس جیسے زر خریدنمائندے حاجی عبداللہ کے مفادات کا تحفظ کرتے اور بات کو اسمبلی کی دیواروں کے اندر ہی ختم کر دیا جاتا۔ اس طرح حاجی کو بڑے افسروں سے لیکر وزیروں پر بھی گرفت حاصل تھی۔ جو لوگ اس کے نمک خوار تھے وہ اس کے غیر قانونی کاروبار کو تحفظ فراہم کررہے تھے اور اس کے خلاف احتجاج کرنے والے عوام پر لاٹھی چارج کیا جارہا تھا۔

پانچ بجے کے قریب محمود کی کال آگئی۔

"ہاں۔ کیا ہوا؟" حاجی نے اس کی آواز سنتے ہی پوچھا۔

"طافو کو وہاں سے نکالنا بہت مشکل ہے حاجی صاحب۔ بات بہت اوپر تک پہنچ چکی ہے۔ پولیس اور حکومت کے اعلیٰ ترین افسران اس وقت بھی وہاں کیمپ لگائے ہوئے ہیں اور صورتحال پر غور کررہے ہیں۔" محمود نے جواب دیا۔

"کیا بکواس کررہے ہو۔" حاجی دھاڑا۔ "حرام خور ہو تم سب۔ میں نے کروڑوں روپے خرچ کرکے تم لوگوں کو اسمبلیوں تک پہنچایا ہے لیکن تم لوگ کیا کررہے ہو۔ ایک معمولی سا کام نہیں کرسکتے۔ یہ پولیس کے انسپکٹر کی سطح کا کام تھا۔ کیا تمہارے پاس اتنے اختیارات بھی نہیں کہ ایک آدمی کو پولیس کی تحویل سے نکال سکو۔"

"بات اب بہت اوپر پہنچ چکی ہے حاجی صاحب۔" محمود نے جواب دیا۔ "ہیروئن کے زہریلے دھوئیں سے متاثر ہونے والے بیسیوں لوگوں کو مختلف ہسپتالوں میں پہنچایا جا چکا ہے۔ حکومت کے تمام بڑے بڑے افسران وہاں موجود ہیں اور طافو کے بیان سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ وہ ڈیرہ آپ کا تھا اور وہاں ہیروئن آپ نے جمع کر رکھی تھی۔"

aazzamm@yahoo.com

"آگ تو میں نے نہیں لگائی تھی۔" حاجی چیخا۔ "اصل مجرم کو تلاش کرنے کے بجائے مجھے نشانہ کیوں بنایا جارہا ہے۔"

"اس لئے کہ وہ گودام آپ کا تھا۔" محمود نے جواب دیا۔ "ہم نے قدم قدم پر آپ کو تحفظ فراہم کیا۔ اسمبلی میں آپ کے خلاف اٹھنے والی ہر آواز کو دبایا لیکن اب صورتحال بہت ہی سنگین ہوچکی ہے۔ آپ کے خلاف حکومت کے پاس اتنے ثبوت جمع ہوچکے ہیں کہ اب ہمارے لئے آپ کا دفاع کرنا بہت مشکل ہوگیا ہے۔"

"کیا بکواس کررہے ہو۔" حاجی دھاڑا۔ "تمہاری یہ جرأت مجھے اس طرح کا جواب دے سکو۔ تم آج جو کچھ بھی ہو میری وجہ سے ہو۔ میں اگر چاہوں تو چند ہی روز میں تمہیں سڑکوں پر بھیک مانگنے پر مجبور کرسکتا ہوں۔ تم---" وہ خاموش ہوگیا۔ اسے اچانک ہی احساس ہوا تھا کہ دوسری طرف سے لائن بے جان ہوچکی ہے۔ اس نے ریسیور پٹخ دیا اور اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔

شفقت خاموش بیٹھا حاجی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ محمود سے کوئی ایسی بات ہوئی ہے جس سے حاجی بپھر گیا تھا۔ اس موقع پر اس نے کچھ بولنا مناسب نہیں سمجھا اور اٹھ کر خاموشی سے کمرے سے باہر چلا گیا۔

حاجی عبداللہ بری طرح تلملایا ہوا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ایک ایک کو کچا چبا جائے۔ اس کے اپنے اس کا حکم ماننے سے انکار کررہے تھے۔ محمود کو اس نے فرش سے اٹھا کر عرش پر پہنچایا تھا اور اب وہی اس کے سامنے اپنی بے بسی ظاہر کرکے اس کا حکم ماننے سے انکار کررہا تھا۔

تقریباً" چھ بجے کے قریب ٹیلی فون کی گھنٹی دوبارہ بجی۔ حاجی نے لپک کر ریسیور اٹھا لیا۔

"اب کیا ہے؟" وہ دھاڑا۔

"لگتا ہے بہت غصے میں ہو حاجی صاحب۔" دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

"کون ہو تم؟" حاجی چونک گیا۔

"ثمینہ۔" دوسری طرف سے پرسکون لہجے میں کہا گیا۔ "میرا تو خیال تھا کہ اس وقت تک تم پاگل خانے میں پہنچ چکے ہوگے لیکن لگتا ہے بڑے مضبوط اعصاب کے مالک ہو۔ کوئی بات نہیں۔ ایک آدھ کارروائی اور سہی۔"

"مم--- میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" حاجی نے دانت کچکچائے۔ "تم میرے ہاتھ آجاؤ تو تمہیں کتوں سے نچوا دوں گا۔ تمہاری بوٹیاں چیلوں اور گدھوں کو کھلا دوں گا--- تم---"

"بس تھوڑی سی کسر رہ گئی ہے تمہارے پاگل ہونے میں۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور حاجی کو ثمینہ کے قہقہے کی آواز بھی سنائی دی تھی۔ "فکر مت کرو۔ بس چند روز کی بات ہے۔ تم یا تو پاگل خانے میں نظر آؤ گے یا سڑکوں پر۔"

"بند کرو یہ بکواس۔" حاجی دھاڑا۔

"میں نے تمہیں صرف یہ سنانے کیلئے فون کیا ہے کہ اپنے تمام تر وسائل استعمال کرنے کے باوجود تم ہمارا سراغ نہیں لگا سکے اور ہم تمہارے دوسرے اڈوں کی تلاش میں ہیں جن کا سراغ ہم جلد ہی لگا لیں گے اور اس کے بعد تمہاری باری آئے گی۔ تم تک پہنچنے میں ہمیں زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ تمہارے اس ٹھکانے کا علم جہاں اس وقت تم چھپے بیٹھے ہو' تمہارے بعض بہت قریبی آدمیوں کو بھی نہیں ہے لیکن ہمیں تمہاری تمام نقل و حرکت کا علم ہے۔ اس کا یقین تم اس بات سے بھی کرسکتے ہو کہ میں اس وقت تم سے فون پر بات کررہی ہوں۔"

"تم مجھ تک نہیں پہنچ سکتیں۔" حاجی چیخا۔

"اس کی فی الحال میں ضرورت بھی نہیں سمجھتی۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "اور جب ہم تمہاری گردن پر ہاتھ ڈالنا چاہیں گے تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں تمہارے قریب آنے سے نہیں روک سکے گی۔ فی الحال خدا حافظ۔"

دوسری طرف سے فون بند ہوگیا۔ حاجی نے بھی ریسیور پٹخ دیا اور دروازے کی طرف مڑ کر چیخ چیخ کر شفقت کو پکارنے لگا۔ شفقت کے گھر والے جاگ رہے تھے لیکن شفقت سو گیا تھا۔ اس کی بیوی نے اسے جھنجھوڑ کر جگا دیا۔ وہ آنکھیں ملتا ہوا حاجی کے کمرے میں پہنچ گیا۔

"کیا ہوا حاجی جی۔" اس کی آواز میں نیند کا خمار تھا۔

"ثمینہ کا فون آیا تھا۔" حاجی غرایا۔

"ثمینہ کا! شفقت اچھل پڑا۔ ثمینہ کا نام سن کر اس کی نیند کافور ہوگئی تھی اور دماغ میں دھماکے ہونے لگے تھے۔

"ہاں ثمینہ کا۔" حاجی دھاڑا۔ "اس نے دھمکی دی ہے کہ وہ لوگ جب چاہیں مجھے بھی ختم کرسکتے ہیں۔ اسے یہ بھی معلوم ہے کہ میں اس وقت یہاں چھپا ہوا ہوں۔ یہاں فون کرنے کا مطلب ہے کہ وہ سب کچھ جانتی ہے۔ یہ معلوم کرو کہ یہاں میری موجودگی کے بارے میں کس کس کو علم ہے۔ ان میں سے جس پر غداری کا شبہ ہو اسے گولی سے اڑا دو۔ جاؤ--- یہاں کھڑے میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو۔"

شفقت کچھ کہے بغیر حاجی کے کمرے سے نکل کر اپنے کمرے میں آگیا۔ اس کی بیوی بھی

aazzamm@yahoo.com

فوراً" ہی اس کے پیچھے پہنچ گئی تھی۔

"کیا ہوا۔ یہ کیوں چیخ رہا ہے۔" اس کی بیوی عائشہ نے پوچھا۔ وہ ایک سیدھی سادی عورت تھی۔ اسے آج تک یہ معلوم نہیں ہوسکا تھا کہ اس کا شوہر کن کاموں میں پھنسا ہوا ہے۔ حاجی کے بارے میں بھی وہ کچھ نہیں جانتی تھی۔ اس نے حاجی کا صرف نام سنا تھا اور یہ نہیں جانتی تھی کہ اس کے گھر میں جو شخص مہمان بن کر رہ رہا ہے یہ وہی حاجی ہے جس کے خلاف پورے شہر میں مظاہرے ہورہے ہیں۔ چار پانچ روز پہلے جب حاجی یہاں آیا تھا تو شفقت نے اسے بتایا تھا کہ وہ اس کا ایک زمیندار دوست ہے جو ایک مقدمے کی پیشی کے سلسلے میں شہر آیا ہوا ہے اور گھر سے باہر اس لئے نہیں نکلتا کہ اسے اپنے مخالفین سے جان کا خطرہ ہے۔ ان کا مکان دو حصوں میں تقسیم تھا۔ حاجی جس کمرے میں رہائش پذیر تھا وہ بالکل الگ تھلگ تھا۔ شفقت کی بیوی نے اس طرف کبھی جھانکا تک نہیں تھا۔ اسے کبھی حاجی کی آواز بھی سنائی نہیں دی تھی لیکن آج تو وہ رات دو بجے سے بار بار چیخ پکار کررہا تھا۔

"کوئی خاص بات نہیں ہے۔" شفقت نے عائشہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس کا مقدمہ کچھ کمزور پڑتا جارہا ہے اس لئے آج رات سو نہیں سکا۔ رات دو بجے اس کے وکیل نے اطلاع دی تھی کہ اس کے اپنے آدمی ٹوٹ کر اس کے مخالفین سے جاملے ہیں اور ابھی کچھ دیر پہلے پھر وکیل ہی کا فون آیا تھا کہ اس کا کوئی اہم ترین گواہ اس کے خلاف گواہی دینے کو تیار ہوگیا ہے۔ اسی لئے وہ غصے میں چیخ رہا تھا۔ ویسے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"میں پریشان کیوں نہ ہوں۔" عائشہ نے جواب دیا۔ "گھر میں جوان بیٹیاں ہیں۔ میں بھی گاؤں کی رہنے والی ہوں۔ زمینداروں کو اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ ان کی آپس کی مقدمے بازیوں میں گھر کے گھر تباہ ہوجاتے ہیں انہیں تو کچھ نہیں ہوتا' مارے جاتے ہیں ان کے مزارع اور یار دوست--- دیکھو شفقت۔" وہ اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولی۔ "تمہارے دوست یہاں آتے رہتے ہیں۔ نہ میں کبھی کسی کے سامنے گئی ہوں اور نہ میں نے کبھی کسی کے آنے پر کوئی اعتراض کیا ہے لیکن جب سے تمہارا زمیندار دوست آیا ہے میں پریشان سی رہنے لگی ہوں۔ میرا تو مشورہ ہے کہ ایک آدھ دن میں اسے یہاں سے چلتا کرو۔ اگر تمہیں اپنا خیال نہیں تو میرا خیال کرو۔ اپنی جوان بیٹیوں کا خیال کرو۔"

"بات یہ ہے عائشہ۔" شفقت نے جواب دیا۔ "جب ہم پر بہت برا وقت آیا تھا اور ہم ایک وقت کی روٹی تک کو محتاج ہوگئے تھے تو میرا یہی دوست کام آیا تھا۔ تم جانتی ہو ہم کھولی نما مکان میں رہتے تھے اور اس کھولی کا کرایہ دینے کی ہمت بھی نہیں تھی۔ آج میں جو کچھ بھی ہوں اپنے

اسی زمیندار دوست حاجی کی وجہ سے ہوں۔ ویسے تم ٹھیک کہتی ہو۔ گھر میں جوان بیٹیاں ہیں۔ میں ان لوگوں کے جھگڑوں میں نہیں پھنسنا چاہتا۔ لیکن اسے کھرا سا جواب بھی نہیں دے سکتا۔ ویسے میں کوشش کروں گا کہ کسی بہانے سے آج ہی اسے یہاں سے چلتا کردوں۔"

"ہم سب کا فائدہ اسی میں ہے۔" عائشہ بولی۔ "محلے والوں کو بھی اب باتیں بنانے کا موقع مل رہا ہے۔ ہماری پڑوسن فاطمہ کل مجھ سے پوچھ رہی تھی کہ یہ کیسا مہمان ہے جو چوبیس گھنٹے گھر میں گھسا رہتا ہے اور باہر نہیں نکلتا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں آج ہی اسے رخصت کردوں گا۔" شفقت نے جواب دیا اور الماری میں سے کپڑے نکالنے لگا۔

"کہیں جارہے ہو؟" عائشہ نے پوچھا۔

"ہاں--- ایک بہت ضروری کام سے جارہا ہوں۔ دوپہر تک واپس آؤں گا۔ تم لڑکے کے ہاتھ حاجی صاحب کو ناشتہ بھجوا دینا۔" شفقت نے کہا۔

"تم بھی ناشتہ کرکے جانا۔ میں بانو سے کہتی ہوں پہلے تمہیں ناشتہ بنا دے۔" عائشہ کہتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

شفقت اپنی جگہ پر کھڑا سوچتا رہا۔ وہ بیوی کی باتوں پر غور کررہا تھا۔ عائشہ ٹھیک ہی کہتی تھی۔ اس کی تین جوان بیٹیاں ہیں۔ دو کالج میں اور ایک سکول میں پڑھتی ہے۔ اس محلے میں بڑی شرافت سے زندگی گزار رہا تھا۔ لوگ اس کے بارے میں صرف اتنا جانتے تھے کہ وہ بزنس مین ہے۔ وہ اس کی عزت کرتے تھے۔ اور شفقت نے یہ عقلمندی کی تھی کہ اپنے اس کالے دھندے کو اس نے گھر سے دور ہی رکھا تھا۔ اس نے بیوی کو بھی کبھی نہیں بتایا تھا کہ وہ کیا کرتا ہے اور نہ ہی بیوی نے کبھی اس سے کچھ پوچھا تھا اور آج زندگی میں پہلی مرتبہ اسے صورتحال کی نزاکت کا احساس ہورہا تھا۔ اس نے حاجی عبداللہ کیلئے بڑے بڑے کام کئے تھے۔ شارق سے بھی اس کے تعلقات رہے تھے اور شارق کے افغانستان جانے کے بعد حاجی نے جب اس کی ماں اور بہن سے کوٹھی چھیننے کا فیصلہ کیا تھا تو شفقت نے حاجی کو اس کام سے روکنا چاہا تھا لیکن حاجی نے بات نہیں مانی تھی اور شارق کی ماں اور بہن کو دھکے دیکر کوٹھی سے نکلوا دیا تھا۔

افغانستان سے واپس آنے کے بعد جب شارق کو صورتحال کا علم ہوا تو اس نے حاجی کے خلاف انتقامی کارروائیاں شروع کردیں۔ شارق کے خلاف کوئی جوابی کارروائی کرنا تو کیا حاجی ابھی تک یہ پتا نہیں چلا سکا تھا کہ شارق اور ثمینہ ہیں کہاں۔ حاجی بار بار ٹھکانے بدل رہا تھا لیکن وہ ہمہ وقت شارق کی نگاہوں میں تھا۔ شارق کو اب یہ بھی معلوم ہوگیا تھا کہ حاجی اس کے گھر میں چھپا

aazzamm@yahoo.com

ہوا تھا۔ شفقت دراصل حق نمک ادا کررہا تھا لیکن آج بیوی کی باتوں نے اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کردیا تھا۔ کہ اب حاجی ہارا ہوا گھوڑا ہے اور شفقت کے خیال میں ہارے ہوئے گھوڑے پر شرط لگانا عقلمندی نہیں تھی۔ اس نے چشم تصور سے آنے والے کل کی تصویر بھی دیکھ لی تھی۔ محمود کو حاجی نے اسمبلی تک پہنچایا تھا وہ حاجی کے پیر چاٹا کرتا تھا لیکن آج اس نے بھی حاجی کی کوئی مدد کرنے سے انکار کردیا تھا۔ شارق اور ثمینہ کی کارروائیاں تیز ہورہی تھیں۔ دوسری طرف عوامی دباؤ سے حکومت بھی حاجی کے خلاف کارروائی کا پروگرام بنا رہی تھی۔ ان حالات میں عقلمندی کا تقاضا تو یہی تھا کہ حاجی سے علیحدگی اختیار کرلی جائے۔ لیکن وہ حاجی سے اس طرح الگ ہونا چاہتا تھا کہ اسے شبہ نہ ہوسکے کہ وہ اس کا ساتھ چھوڑ رہا ہے۔ بہت سوچ بچار کے بعد اس کے ذہن میں ایک ترکیب آگئی اور اس نے اس پر عمل کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

شفقت اپنے خیالات سے اس وقت چونکا جب اس کی بڑی بیٹی بانو اس کے لئے ناشتا لیکر آگئی۔ وہ ناشتہ کمرے میں پڑی ہوئی چھوٹی میز پر رکھ رہی تھی اور شفقت بڑی گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"ابو ناشتہ۔" بانو نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں بیٹی۔" شفقت نے کہا اور میز کے سامنے کرسی پر بیٹھ کر ناشتہ کرنے لگا۔

ناشتہ ختم کرنے کے بعد اس نے کپڑے بدلے اور آٹھ بجے کے قریب حاجی سے ملے بغیر گھر سے نکل گیا۔

شفقت نے عائشہ سے کہا تھا کہ وہ دوپہر تک واپس آجائے گا لیکن اس کی واپسی شام چھ بجے کے قریب ہوئی تھی۔ وہ صرف چند منٹ کیلئے گھر میں آیا تھا اور پھر اس حصے میں چلا گیا جہاں حاجی رہائش پذیر تھا۔ وہ دونوں دیر تک باتیں کرتے رہے۔ اس دوران دونوں نے کئی مرتبہ کئی جگہوں پر فون کئے تھے۔

رات نو بجے کے قریب پجیرو دروازے پر آکر رکی کال بیل بجنے پر دروازہ شفقت ہی نے کھولا تھا۔ اس وقت گلی میں کچھ لوگوں کی آمدورفت ہورہی تھی۔ شفقت پجیرو سے اترنے والے دو آدمیوں سے اس طرح گرمجوشی سے ملا جیسے وہ اس کے بہت گہرے دوست ہوں اور یہ ملاقات بہت عرصہ بعد ہوئی ہو وہ انہیں اندر لے آیا۔ وہ دونوں تقریباً" دس منٹ تک حاجی سے باتیں کرتے رہے اور جب وہ واپس جانے لگے تو حاجی عبداللہ بھی ان کے ساتھ تھا۔

پجیرو چلی گئی۔ شفقت دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے اطمینان کا گہرا سانس لیا اور اندر آگیا۔ وہ اپنے آپ کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کررہا تھا جیسے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔

○

"مبارک ہو بھئی۔ حاجی عبداللہ دس پورے والے ٹھکانے سے بھی بھاگ گیا۔"

یہ بات انسپکٹر عثمان نے کہی تھی جو ابھی ابھی اندر داخل ہوا تھا۔ اس وقت رات کے گیارہ بج رہے تھے اور وہ سب لوگ لاؤنج میں بیٹھے ٹی وی پر آنے والا ڈرامہ دیکھ رہے تھے۔ ثمینہ نے جلدی سے اٹھ کر ٹی وی بند کردیا اور عثمان کے سامنے بیٹھ گئی۔

"تفصیل سے بتاؤ۔ وہ کس وقت وہاں سے گیا ہے اور کہاں گیا ہے؟"

"وہ رات نو بجے کے لگ بھگ وہاں سے گیا ہے۔" عثمان نے جواب دیا۔ "میں دس بجے کے قریب مصری شاہ میں پہلوان کی دکان سے پان بنوا رہا تھا۔ میرا ارادہ اسی طرف آنے کا تھا اور تم لوگوں کیلئے پان بنوا رہا تھا کہ شفقت بھی وہاں آگیا۔ اس کے ساتھ گاڑی میں اس کی بیوی اور بیٹیاں بھی تھیں۔ وہ شاید انہیں سیر کرانے کیلئے نکلا تھا اور پان لینے کے لئے رک گیا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ گاڑی سے اتر آیا۔ وہ آج مجھے کچھ بدلا بدلا سا لگا تھا۔ اس کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ وہ حاجی عبداللہ سے کچھ بدگمان ہورہا ہے۔ میں نے اس سے یہ دریافت کیا تھا کہ وہ تو حاجی کا بہت قریبی ساتھی ہے۔ اس سے ملاقات ہو تو اس سے میری سفارش کردے کہ اب تو مجھے معاف کردے۔ اس کے ایک ٹیلی فون پر میری ملازمت بحال ہوسکتی ہے اور تم لوگ جانتے ہو اس نے کیا جواب دیا تھا؟"

"اس نے جواب تمہیں دیا تھا۔ ہم کیسے جان سکتے ہیں۔" ثمینہ مسکرائی۔

"اس نے کہا تھا کہ حاجی نو بجے تک تو اس کے گھر پر تھا۔ لیکن اس نے اسے چلتا کردیا اور ابھی اسے بھی پتا نہیں کہ وہ کہاں گیا ہے۔ اس کے بعد وہ عجیب سی باتیں کرنے لگا۔ اس نے اپنی جوان بیٹیوں کا بھی ذکر کیا۔ اس کی باتوں سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ وہ حاجی سے بدگمان ہورہا ہے اور اس سے الگ ہونا چاہتا ہے۔"

"گڈ!" ثمینہ نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ "لوگ چڑھتے سورج کی پوجا کرتے ہیں۔ حاجی عبداللہ کا زوال شروع ہوچکا ہے۔ شفقت پہلا آدمی ہے جس کے بارے میں تم نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ وہ حاجی کو چھوڑ رہا ہے اور مجھے یقین ہے کہ چند روز کے اندر اندر اس کے سارے آدمی بھاگ جائیں گے۔ لیکن ہم حاجی کو چین سے نہیں بیٹھنے دیں گے۔ اس کے جو اڈے ہماری نظروں میں آچکے ہیں انہیں تو ہر حال میں تباہ کرنا ہے۔ وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "اب تمہیں دو کام کرنے ہیں پہلے نمبر پر یہ معلوم کرنا ہے کہ حاجی کا نیا

aazzamm@yahoo.com

ٹھکانہ کونسا ہے اور دوسرے نمبر پر بند روڈ والے ٹھکانے کے بارے میں پوری معلومات حاصل کرنی ہیں۔ یہ کام زیادہ سے زیادہ ایک دو دن میں ہوجانا چاہیے۔"

"ہو جائے گا۔" انسپکٹر عثمان نے مسکراتے ہوئے کہا پھر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "ایک بات اور بتانا چاہتا ہوں جو سب سے اہم ہے۔"

"وہ کیا؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"مجھے بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے۔" عثمان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"کیوں۔ بیوی نے آج کھانا نہیں دیا؟" شارق بولا۔

"میں نے اسے چند روز کیلئے گاؤں بھیج دیا ہے۔" عثمان نے جواب دیا۔ "آج دن میں حاجی کے دو تین آدمیوں سے بھی ملاقات ہوئی تھی۔ ان کی باتوں سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ حاجی کو اپنے بعض آدمیوں پر شبہ ہوگیا ہے کہ وہ شارق کیلئے مخبری کررہے ہیں۔ ہوسکتا ہے میرا نام بھی ان مشتبہ افراد کی فہرست میں ہو اس لئے میں نے آج ہی بیوی بچوں کو گاؤں بھیج دیا ہے۔ حاجی جیسے آدمی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ مجھ پر شبہ ہونے کی صورت میں وہ میرے بیوی بچوں کو نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔"

"اچھا کیا تم نے۔" ثمینہ نے کہا پھر شاہ پری کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "تم سالن گرم کرو۔ میں آکر دو روٹیاں پکا دیتی ہوں۔"

تقریباً" آدھے گھنٹے بعد انسپکٹر عثمان کھانا کھا رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی آج کی صورتحال پر بھی تبصرے ہورہے تھے۔

"آج بھی اخبارات نے ضمیمے شائع کئے ہیں۔" عثمان انہیں بتا رہا تھا۔ "بعض اعلیٰ اور ذمہ دار افسروں کے ایسے بیانات بھی شائع ہوئے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ حکومت اب حاجی عبداللہ کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔"

"حکومت ضرور کارروائی کرے گی۔" ثمینہ نے کہا۔ "لیکن اس سے پہلے ہم اپنی کارروائی مکمل کریں گے۔"

"اور اسے اس قابل نہیں چھوڑیں گے کہ وہ کوئی مزاحمت کرسکے۔" یہ بات شارق نے کہی تھی۔

"مزاحمت کرنے کے قابل تو وہ اب بھی نہیں رہا۔ وہ تو پیچھے کے ٹھکانے تلاش کرتا پھر رہا ہے۔" عثمان نے کہا۔

"نہیں۔ اسے کمزور مت سمجھو۔" شارق بولا۔ "دشمن کو کبھی کمزور مت سمجھو اور حاجی عبداللہ جیسا مکار دشمن--- اس میں ابھی بڑا دم ہے۔ اس کے آدمی اسمبلیوں میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ پولیس اور سرکاری محکموں میں اس کے نمک خوار موجود ہیں۔ اگر کسی شریف اور دیانتدار آفیسر نے اس کے خلاف کسی کارروائی کی بات کی ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس کے خلاف واقعی کارروائی شروع ہوجائے گی اور اسے پکڑ کر سلاخوں کے پیچھے بند کردیا جائے گا۔ نہیں میرے دوست۔ اس میں ابھی بڑا دم ہے۔ وہ آسانی سے ہتھیار نہیں ڈالے گا۔ وہ زندگی کے آخری سانس تک لڑے گا۔"

"شاید تم ٹھیک کہتے ہو۔" عثمان کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔

عثمان کھانا کھا چکا تھا۔ شاہ پری برتن اٹھا کر لے گئی اور کچھ دیر بعد چائے بنا کر لے آئی۔

"تم لوگوں نے کچھ محسوس نہیں کیا۔" نولکھا نے اچانک کہا۔ "باہر بارش ہورہی ہے۔ مٹی کی بھینی بھینی مہک آرہی ہے۔" اس نے اٹھ کر کھڑکی کھول دی۔ اس کے ساتھ ہی ٹھنڈی اور بھیگی ہوئی ہوا کا ایک جھونکا اندر در آیا۔

"بادل تو صبح سے ہورہے تھے۔ آخر بوندا باندی شروع ہو ہی گئی۔" ثمینہ بولی۔ ہلکی بوندا باندی سے موسم خاصا خوشگوار ہوگیا تھا۔ وہ لوگ کمرے سے نکل کر برآمدے میں آگئے۔ بارش تیز نہیں ہوئی پھوار سی پڑتی رہی اور تقریباً" ایک گھنٹے بعد وہ بھی ختم ہوگئی۔

وہ لوگ کافی دیر تک برآمدے میں بیٹھے رہے پھر اٹھ کر اپنے کمرے میں آگئے۔ "میرا خیال ہے اب سو جانا چاہیے۔" نولکھا انگڑائی لیتے ہوئے بولا۔

وہ لوگ بھی اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ انسپکٹر عثمان اوپر والی منزل پر اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ وہ بستر پر لیٹ کر سونے کی کوشش کرتا رہا لیکن نیند نہیں آرہی تھی۔ بالآخر وہ بستر سے اٹھ کر باہر آگیا۔ اوپر کی منزل پر بھی ایک کشادہ ٹیرس بنا ہوا تھا۔ جس میں چند کرسیاں بھی پڑی ہوئی تھیں۔ وہ ایک ایزی چیئر پر نیم دراز ہوگیا اور بادلوں سے ڈھکے ہوئے تاریک آسمان کو گھورتے ہوئے شاہ پری کے بارے میں سوچنے لگا۔ آج اس کے یہاں آنے کی اصل وجہ شاہ پری ہی تھی۔ یوں تو اسے ثمینہ بھی اچھی لگتی تھی لیکن ثمینہ کی طرف قدم بڑھانے کا مطلب وہ اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اس کے خیال میں شاہ پری کو حاصل کرکے ہی رہے گا۔ خواہ اس کے لیے اسے جیسے ہی کٹھن اور نازک مرحلوں سے کیوں نہ گزرنا پڑے۔ اس نے یہ بھی فیصلہ کیا تھا کہ وہ ان لوگوں کے قریب رہنے کی کوشش کرے گا تاکہ شاہ پری سے ملنے کا موقع ملتا رہے۔

انسپکٹر عثمان نے چار بجے تک ٹیرس پر بیٹھا شاہ پری کے بارے میں سوچتا رہا اور جب اس کی پلکیں نیند کے بوجھ سے تھکنے لگیں تو وہ کمرے میں آکر بستر پر لیٹ گیا۔

aazzamm@yahoo.com

صبح دس بجے اسے جھنجھوڑ کر جگایا گیا۔ اسے جگانے والی شاہ پری تھی۔ اس کے ہاتھ میں چائے کا کپ تھا اور ہونٹوں پر مسکراہٹ۔

"مجھے معلوم ہے تم بیڈ ٹی پینے کے عادی ہو۔" شاہ پری نے کہا۔ "اسی لیے میں چائے بنا کر لے آئی ہوں۔" اس نے جھک کر چائے کا کپ بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

آنکھ کھلتے ہی شاہ پری کو دیکھ کر عثمان کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی تھی۔ وہ رات بھر کرسی پر بیٹھا اس کے بارے میں سوچتا رہا تھا اور پھر سوتے میں بھی اس کے خواب دیکھتا رہا تھا اور اب وہ اس کے سامنے تھی۔ وہ پلک جھپکے بغیر اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اور جب شاہ پری کپ رکھ کر جانے لگی تو عثمان نے غیرارادی طور پر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

شاہ پری کو ذہنی طور پر ایک جھٹکا سا لگا۔ اس کے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا کہ عثمان اس قسم کی کوئی حرکت کرے گا۔اس نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش نہیں کی۔ پہلے اس نے عثمان کے اس ہاتھ کی طرف دیکھا جس سے اس نے کلائی پکڑ رکھی تھی پھر شاہ پری کی نظریں آہستہ آہستہ اوپر اٹھتی ہوئی اس کے چہرے پر جم گئیں۔

ان نظروں میں بے پناہ سردمہری تھی۔ عثمان کے دماغ کو جھٹکا سا لگا اور اس نے شاہ پری کی کلائی چھوڑ دی۔

"سوری شاہ پری۔" عثمان کے لہجے میں خجالت تھی۔ "میرے دماغ پر شاید اب بھی نیند کا خمار طاری ہے۔"

"اپنے دماغ کا علاج کراؤ۔" شاہ پری کے لہجے میں بھی سردمہری تھی۔ "چائے پی کر نیچے آجاؤ۔ سب لوگ تمہارا انتظار کررہے ہیں۔"

عثمان کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ وہ دروازے کی طرف جاتی ہوئی شاہ پری کو دیکھتا رہا اور جب وہ کمرے سے نکل گئی تو کپ اٹھا کر چائے کی چسکیاں لینے لگا۔

آدھے گھنٹے بعد جب وہ نیچے اتر رہا تھا تو اس کے دل میں ہلکا سا خوف تھا۔ وہ سوچ رہا کہ اگر شاہ پری نے اس کی حرکت کے بارے میں ثمینہ یا شارق کو بتا دیا ہوگا تو وہ لوگ نجانے اس کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔

وہ سب لوگ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے ہوئے تھے اور رضیہ اور شاہ پری ناشتہ لگا رہی تھیں۔ عثمان کے دل میں ہلکا سا خوف تھا۔ وہ شارق کے سامنے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ اور باری باری ان سب کی طرف دیکھنے لگا۔ کسی کے چہرے پر غیرمعمولی تاثرات نہیں تھے۔ شاہ پری نے بھی آملیٹ کی پلیٹ اس کے سامنے رکھتے ہوئے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ عثمان نے اطمینان کا سانس لیا۔ شاہ پری نے اس کی شکایت نہیں کی تھی۔ اس نے شاید غلطی سمجھ کر اس حرکت کو نظرانداز کر دیا تھا۔

ناشتے کے دوران یہ پروگرام بنا تھا کہ عثمان اور شاہ پری بند روڈ پر جاکر حاجی کے اس اڈے کا تفصیلی جائزہ لیں گے اور اس کے بعد اس اڈے پر ریڈ کرنے کا پروگرام بنایا جائے گا۔ عثمان نے کن انکھیوں سے شاہ پری کی طرف دیکھا۔ شاہ پری کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

وہ دونوں گیارہ بجے کے لگ بھگ گھر سے نکل گئے۔ شاہ پری نے ثمینہ کا برقعہ پہن لیا تھا۔ اس نے چہرہ نقاب میں چھپا رکھا تھا البتہ آنکھیں برہنہ تھیں۔

کار تیزاب احاطہ اور سلطان پورہ سے ہوتی ہوئی ریلوے اسٹیشن کے پل کی سیڑھیوں کے قریب جی ٹی روڈ پر آگئی۔ اور پھر دو موریہ پل سے ہوتی ہوئی سرکلر روڈ پر دوڑنے لگی۔ ٹریفک زیادہ ہونے کی وجہ سے کار کی رفتار کم تھی۔ وہ شاہی قلعہ کے قریب سے گزرے تو شاہ پری حیرت آمیز نظروں سے قلعے کی عظیم دیوار کو دیکھ رہی تھی۔

"یہ مغلوں کے دور کا بنا ہوا قلعہ ہے۔ لاہور شہر میں بے شمار تاریخی عمارتیں ہیں جو ہمارا تاریخی ورثہ ہیں۔ یہ تاریخی عمارتیں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ واپسی پر وقت ہوا تو میں تمہیں اس قلعے کی سیر کراؤں گا۔" عثمان نے شاہ پری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور پھر اسے قلعے کے بارے میں بتانے لگا۔

منٹو پارک والے چوک سے کار بڈھا راوی کی طرف مڑ گئی اور پھر انہیں راوی کے پل تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ اس چوک پر میلے کا سا سماں نظر آرہا تھا۔ ایک طرف شہر سے باہر جانے والی بسیں قطار میں کھڑی تھیں۔ ان اطراف سے جو لوگ لاری اڈے پر نہیں جا سکتے تھے۔ وہ یہیں سے بسوں میں بیٹھتے تھے۔ دوسری طرف شہر میں داخل ہونے والی بسیں مسافروں کو اتار رہی تھیں۔ عثمان نے کار بائیں طرف بند روڈ پر موڑ لی۔ یہ سڑک زمین کی سطح سے دس بارہ فٹ اونچی تھی۔ اس کے بائیں طرف گنجان آبادی تھی اور دائیں طرف کچھ فاصلے پر دریائے راوی بہہ رہا تھا۔ سڑک اور دریا کے درمیان وسیع رقبے پر شیشم اور اسی قسم کے درختوں کا جنگل تھا۔ جس میں جگہ جگہ لوگوں کی ٹولیاں نظر آرہی تھیں۔ لوگ پکنک منانے کے لیے یہاں آتے رہتے تھے۔

"کچھ عرصہ پہلے دریا میں سیلاب آجانے کی وجہ سے شہر کا بیشتر حصہ پانی میں ڈوب جایا کرتا تھا۔ جس سے بہت سا جانی و مالی نقصان ہوتا تھا۔ لیکن پھر یہاں دریا کے ساتھ ساتھ بند بنا کر اس پر یہ سڑک تعمیر کر دی گئی۔ اس بند کی تعمیر سے نہ صرف شہر کو ہر سال آنے والے سیلاب کی تباہ

aazzamm@yahoo.com

کاریوں سے بچا لیا گیا ہے بلکہ یہ سڑک تعمیر ہو جانے سے شہر کے درمیان فاصلے بھی کم ہو گئے ہیں۔ یہ سڑک یتیم خانے والے چوک پر ملتان روڈ سے جا ملتی ہے۔"

عثمان شاہ پری کو بتا رہا تھا اور شاہ پری دائیں طرف جنگل اور دریا کی طرف دیکھنے لگتی اور کبھی بائیں طرف آبادی کی طرف۔ آبادی سڑک سے تقریباً" پچاس گز ہٹ کر تھی اور خاصی گنجان تھی۔ سڑک پر دونوں طرف سے ٹریفک جاری تھا۔ اس ٹریفک میں زیادہ تر بسیں اور مال بردار ٹرک شامل تھے جو شہر کی پرہجوم سڑکوں پر جانے کے بجائے شہر کے باہر ہی باہر سے ہوتے ہوئے اپنے اپنے اڈے کی طرف چلے جاتے تھے۔

عثمان نے ایک جگہ گاڑی روک لی اور بائیں طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"وہ فلم اسٹوڈیو ہے۔ یہاں فلمیں بنتی ہیں۔" وہ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔

"اگر تم فلموں میں کام کرنا چاہو تو میرے کچھ تعلقات ہیں انڈسٹری میں۔ تم ہیروئن بن کر لاکھوں دلوں پر راج کر سکتی ہو۔"

"ہیروئن؟" شاہ پری نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔ تم میں ہیروئن بننے کی تمامتر صلاحیتیں موجود ہیں۔" عثمان بولا۔ "ہماری انڈسٹری کی ہیروئنیں ماشاء اللہ ایسی ہیں کہ جس جگہ ڈانس کرتی ہیں وہ جگہ زمین میں دھنس جاتی ہے۔ اور تم تو اسمارٹ ہو، حسین ہو، تم تو دیکھتے ہی دیکھتے شہرت کی بلندیوں پر پہنچ جاؤ گی اور لوگ تمہاری ایک جھلک دیکھنے کو ترسا کریں گے۔"

"مگر مجھے تو ڈانس نہیں آتا۔" شاہ پری نے کہا۔

"یہاں ڈانس آتا ہی کسے ہے۔" عثمان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "ہیروئن کی بے معنی اچھل کود پر لوگ سیٹیاں بجاتے ہیں اور داد دیتے ہیں۔ ویسے تم چند روز میں ڈانس بھی سیکھ سکتی ہو۔"

"ہیروئن بعد میں بنوں گی پہلے وہ کام جس کے لیے ہم یہاں آئے ہیں۔" شاہ پری نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"او ہاں۔ وہ کام تو پہلے ہونا چاہیے۔" عثمان نے کہتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی تقریباً" ایک فرلانگ کا فاصلہ طے کرنے کے بعد اس نے ایک بار پھر گاڑی روک لی اور بائیں طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "وہ باؤنڈری وال دیکھ رہی ہو۔ یہ تقریباً" تین ایکڑ کا رقبہ ہے جسے باؤنڈری وال سے محفوظ کر لیا گیا ہے۔ یہ پلاٹ حاجی کی ملکیت ہے۔ کئی سال پہلے اس نے یہ زمین کوڑیوں کے مول خریدی تھی اور اب اس کی مالیت کروڑوں روپے ہے۔ اسے کئی پارٹیاں اس پلاٹ کے لیے آفر دے چکی ہیں لیکن حاجی اسے فروخت نہیں کرنا چاہتا۔ وہ یہاں فلم اسٹوڈیوز بنانا چاہتا ہے کیونکہ اب اسے بھی فلموں سے کچھ دلچسپی پیدا ہو گئی ہے۔ لیکن جو صورتحال پیدا ہوئی ہے اس کے پیش نظر میں سمجھتا ہوں کہ اس کی یہ حسرت پوری نہیں ہو سکے گی۔"

شاہ پری اس طرف دیکھ رہی تھی۔ خاصا وسیع و عریض رقبہ تھا جسے اونچی چار دیواری نے گھیر رکھا تھا۔ چار دیواری میں ایک بہت بڑا آہنی گیٹ تھا جس کے اندر کی طرف ایک کمرہ بنا ہوا تھا۔ اس کے آس پاس شیشم کے کچھ درخت بھی تھے اور دو آدمی درختوں کے نیچے چارپائیوں پر بیٹھے حقہ پی رہے تھے۔ پلاٹ کا بیشتر حصہ چھوٹی چھوٹی جھاڑیوں اور گھاس سے اٹا ہوا تھا۔ دائیں طرف ذرا آگے ایک مختصر سا مکان بھی نظر آ رہا تھا۔ کاٹیج نما یہ مکان دور سے خاصا خوبصورت لگ رہا تھا۔

"درختوں کے نیچے وہ کاٹیج دیکھ رہی ہو۔" عثمان نے کاٹیج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس کے نیچے ایک تہ خانہ بھی ہے۔ مال اسی تہ خانے میں بھرا ہوا ہے۔ اور وہ دو آدمی جو چارپائیوں پر بیٹھے حقہ پی رہے ہیں چوبیس گھنٹے یہاں رہتے ہیں۔ یہ بظاہر نہتے نظر آ رہے ہیں لیکن ان کے پاس جدید ترین اسلحہ موجود ہے۔"

شاہ پری بڑی گہری نظروں سے اطراف کا جائزہ لے رہی تھی۔ اس پلاٹ کے دونوں طرف گلیاں تھیں۔ اور آبادی گنجان تھی۔ پچھلی طرف بھی آبادی تھی۔

آبادی کے سامنے والے رخ پر بارہ چودہ فٹ چوڑی سڑک تھی۔ سڑک کے اس طرف کچی زمین تھی جس پر گھاس اور خودرو جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں اور شیشم کے درخت بھی نظر آ رہے تھے۔ اس سے آگے سڑک والی گھاٹی شروع ہو جاتی تھی۔

شاہ پری ایک اور چیز دیکھ کر چونک گئی۔ بند والی سڑک کی ڈھلان پر درختوں کے نیچے دو تین پھولداریاں لگی ہوئی تھیں۔ تین عورتیں اور تین چار ننگ دھڑنگ بچے بھی نظر آ رہے تھے۔

"یہ کون لوگ ہیں؟" شاہ پری نے پھولداریوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"کوئی خانہ بدوش ہیں جنہوں نے یہاں ڈیرہ جما رکھا ہے۔" عثمان نے جواب دیا۔ خانہ بدوشوں کے اس ڈیرے کو دیکھ کر شاہ پری کے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا تھا لیکن اس نے عثمان کے سامنے اپنے خیال کا اظہار نہیں کیا تھا۔

"اس کاٹیج کے سامنے ایک خوبصورت لان بھی بنا ہوا ہے۔ کیا کاٹیج میں کوئی رہتا بھی ہے؟" شاہ پری نے پوچھا۔

"حاجی کے گھر والے یا دوسرے رشتہ دار پکنک کے لیے دریا پر آتے رہتے ہیں۔ وہ لوگ اس کاٹیج میں رات گزارتے ہیں لیکن جب سے حاجی کے خلاف ہنگامے شروع ہوئے ہیں اس نے

aazzamm@yahoo.com

سب کو اس طرف آنے سے منع کر دیا ہے۔ دو مہینوں سے یہاں کوئی نہیں آیا البتہ یہ دو چوکیدار مستقل یہاں رہتے ہیں۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے۔ چلو اب چلتے ہیں۔" شاہ پری نے کہا۔

انسپکٹر عثمان نے انجن اسٹارٹ کرکے گاڑی واپس موڑ لی۔ فلم اسٹوڈیو سے ذرا آگے نکلنے کے بعد اس نے گاڑی جنگل والی طرف سڑک سے نیچے اتار کر درختوں کے نیچے روک لی۔

"یہ بڑا اچھا پکنک پوائنٹ ہے۔ کچھ دیر یہاں بیٹھ کر واپس چلتے ہیں۔" عثمان انجن بند کرکے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔

شاہ پری بھی نیچے اتر آئی۔ اس جگہ خاصی رونق تھی۔ جگہ جگہ گھاس پر لوگوں کی ٹولیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ بچے ایک دوسرے کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ درختوں کے نیچے جگہ جگہ لکڑی اور کنکریٹ کے بنچ بھی رکھے ہوئے تھے۔ جن پر لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ درختوں کے اختتام پر دریا پر ایک لمبا چوڑا گھاٹ سا بنا ہوا تھا۔ جہاں چپوؤں والی کشتیاں موجود تھیں۔ گھاٹ پر بھی لوگوں کا رش لگا ہوا تھا۔ لوگ کشتیوں پر بیٹھنے کے لیے اپنی باری کا انتظار کررہے تھے۔ درختوں کے نیچے چائے' نان چھولے اور کھانے پینے کی اشیاء کے کئی ٹھیلے بھی کھڑے تھے۔

وہ دونوں ایک بنچ پر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد عثمان ایک ٹھیلے سے چاٹ کی دو پلیٹیں لے آیا۔ ایک اس نے اپنے ہاتھ میں رکھی اور دوسری شاہ پری کی طرف بڑھا دی۔ شاہ پری کو برقعے کا نقاب اتارنا پڑا۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

"تم افغانستان کی رہنے والی ہو۔ اور تمہیں یہاں آئے ہوئے زیادہ عرصہ بھی نہیں ہوا۔ لیکن تم اردو بہت اچھی بول لیتی ہو۔" عثمان نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"افغانستان کی سرحد پار کرتے ہی مجھے یہ احساس ہوگیا تھا کہ سرحدی علاقے سے آگے کوئی میری زبان نہیں سمجھ سکے گا۔ یہاں ایک زبان ایسی ہے جو ہر جگہ بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اس لیے میں نے اپنی تمامتر توجہ اس زبان کو سیکھنے پر مبذول کر دی اردو ویسے بھی بڑی اچھی زبان ہے۔ بڑی شیرینی ہے اس میں۔ مجھے یہ زبان اچھی لگی تھی اس لیے جلدی سیکھ گئی۔"

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تم اپنا وطن چھوڑ کر آئی کیوں؟" عثمان نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "یہاں اگر تم اچھے ہاتھوں میں ہوتیں تو کوئی بات بھی تھی۔"

"کیوں ..... ؟ شارق اچھا آدمی نہیں ہے کیا؟" شاہ پری بولی۔

"شارق بحیثیت انسان بہت اچھا آدمی ہے لیکن ....." وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "لیکن وہ جو کچھ کررہا ہے اچھا نہیں کررہا۔ ایک طرف بدمعاشوں اور اسمگلروں کے گروہوں سے

محاذ آرائی ہورہی ہے اور دوسری طرف پولیس اس کی تلاش میں ہے۔ تم سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہو۔ اس کی زندگی میں ایک لمحہ بھی سکون کا نہیں ہے اور اس کے ساتھ جو بھی ہے وہ بھی اسی کی طرح خوار ہے۔ تم خود ہی بتاؤ۔ حاجی اور پولیس کے خوف سے اب تک کتنے ٹھکانے بدل چکے ہو تم لوگ۔ کیا تمہارا دل نہیں چاہتا کہ کسی خوف کے بغیر آرام اور سکون کی زندگی گزارو۔ ہر لمحہ ایک خوف ذہن پر سوار ہے۔ کسی بھی وقت کسی طرف سے آنے والی گولی تمہاری زندگی کا خاتمہ کر سکتی ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ تم شارق کے گینگ میں کیسے شامل ہوگئیں۔"

"بات دراصل یہ ہے۔" شاہ پری نے جواب دیا۔ وہ دل ہی دل میں مسکرا رہی تھی۔ عثمان اسے پٹانے کی کوشش کررہا تھا۔ صبح اس نے ہاتھ پکڑا تھا۔ شاہ پری نے شارق یا ثمینہ سے اس کی شکایت نہیں کی تھی۔ جس سے غالباً" عثمان کا حوصلہ بڑھا تھا اور یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ اس وقت وہ اسے شارق کے خلاف بھڑکا رہا تھا۔ پہلے اس نے فلمی ہیروئن بنانے کی بات کی تھی اور اب وہ اسے شارق کے خلاف بہکانے کی کوشش کررہا تھا۔ اور شاہ پری اسے ڈھیل دینا چاہتی تھی۔ بات دراصل یہ ہے کہ۔ وہ بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "افغانستان میں شارق' ثمینہ اور نولکھا ہمارے گھر میں آکر رہے تھے۔ اسی دوران مجاہدین کے ایک گروہ نے ہمارے گاؤں پر حملہ کر دیا۔ ہم وہاں سے جانیں بچا کر بھاگے تو یہ لوگ بھی ہمارے ساتھ تھے۔ کئی دنوں تک ہمارا ساتھ دیا۔ ہم اپنے ہی وطن میں بے سہارا' بے بس اور مجبور ہوگئے تھے۔ شارق وغیرہ قدم قدم پر ہمارا ساتھ دیتے رہے۔ ہم نے اپنے ایک رشتہ دار کے ہاں پناہ لی تھی لیکن اس صوبے پر قابض فوج کے ایک دستے نے اس گاؤں پر بھی حملہ کردیا۔ اس حملے میں ہمارا وہ رشتہ دار اور میرا باپ بھی مارا گیا تھا۔ مرتے وقت میرے باپ نے شارق اور ثمینہ سے کہا تھا کہ میرا اور میری ماں کا خیال رکھیں۔ میری ماں کو بچھو نے ڈس لیا۔ بہت ہی زہریلا بچھو تھا۔ وہ مر گئی۔ شارق وغیرہ مجھے ساتھ لیے پھرتے رہے۔ کئی بار ان کا موت سے سامنا ہوا۔ لیکن انہوں نے قدم قدم پر میری حفاظت کی۔ سرحد پار کرنے سے پہلے شارق نے مجھے کہہ دیا تھا کہ اگر میں چاہوں تو افغانستان میں اپنے کسی رشتے دار کے پاس جا سکتی ہوں لیکن میرا وہاں کوئی نہیں تھا۔ اس کے علاوہ میں اس خون خرابے سے بھی نکلنا چاہتی تھی۔ اس لیے میں ان کے ساتھ آگئی۔"

"اور یہاں آکر بھی خون خرابے میں الجھ گئیں۔" عثمان نے کہا۔ "لیکن تم نے اس کا ساتھ چھوڑنے کی کوشش کیوں نہیں کی۔"

"ایک مرتبہ کوشش کی تھی۔" شاہ پری نے دل ہی دل میں مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ عثمان

aazzamm@yahoo.com

کھلتا جارہا تھا۔ "یہ معلوم ہونے کے بعد کہ شارق اور اس کے ساتھی مفرور ہیں اور طویل عرصہ سے پولیس کو مطلوب ہیں تو میں نے ان کا ساتھ چھوڑنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن شارق نے مجھے دھمکی دی کہ اگر میں نے ایسا کیا تو وہ مجھے پولیس کے حوالے کر دے گا۔ کیونکہ ایک تو میرے پاس پاسپورٹ یا ایسی کوئی چیز نہیں ہے۔ دوسرے اس ملک میں آتے ہی میں ان کے ساتھ قتل کی چند اور وارداتوں میں ملوث ہوگئی تھی گو کہ ان میں عملی طور پر میرا کوئی حصہ نہیں تھا لیکن میں ان کے ساتھ تو تھی۔"

"گویا تم چاہتی ہو کہ ہر قسم کے خوف سے آزاد ہوکر امن و سکون کی زندگی گزارو۔" عثمان نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"یہ خواہش تو ہر شخص کی ہے۔" شاہ پری نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ میں اس سلسلے میں کچھ سوچوں گا لیکن شارق یا ثمینہ وغیرہ کو ان باتوں کی ہوا نہیں لگنی چاہیے۔" عثمان نے کہا۔

"میں ان سے ایسی کوئی بات کیوں کرنے لگی۔" شاہ پری بولی۔

"تم فکر مت کرو۔ میں ایسا بندوبست کروں گا کہ شارق تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا اور تم اس شہر میں آزادی اور سکون کی زندگی گزار سکو گی۔" عثمان نے کہا۔

"میرا خیال ہے اب چلنا چاہیے۔ خاصی دیر ہوگئی ہے۔" شاہ پری اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔

"ہاں چلو ..... ابھی تمہیں قلعے کی سیر بھی کرانی ہے۔" عثمان بھی اٹھ گیا۔ اس نے چاٹ والے کو پیسے دیے اور شاہ پری کے ساتھ کار کی طرف چلنے لگا۔ اس نے شاہ پری کا ہاتھ پکڑ لیا تھا اور شاہ پری نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔

کار میں بیٹھتے ہوئے شاہ پری اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی اور اس کی یہ مسکراہٹ انسپکٹر عثمان کا حوصلہ بڑھا رہی تھی۔ شاہ پری نے یہ تجویز پیش کی کہ قلعے کی سیر کسی اور دن کی جائے گی لہٰذا عثمان اسے ایک شاندار ریسٹورنٹ میں لے آیا جہاں انہوں نے پر تکلف کھانا کھایا اور پھر گھر کے لیے روانہ ہوگئے۔

جب وہ گھر پہنچے تو ساڑھے چار بج رہے تھے۔ عثمان کے دل میں اس وقت بھی ہلکا سا خوف تھا کہ شاہ پری اس کے خلاف کوئی بات نہ کر دے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ شاہ پری ہنس ہنس کر باتیں کررہی تھی۔

چائے پینے کے بعد ساڑھے پانچ بجے کے لگ بھگ عثمان چلا گیا۔ اس نے کہا تھا کہ اب وہ

صبح آئے گا۔ اس کے جانے کے بعد شاہ پری نے انہیں حاجی کے بند روڈ والے اڈے کے بارے میں تفصیل سے بتا دیا۔ آخر میں وہ کہہ رہی تھی۔

"پچھلے دو موقعوں پر میں اور ثمینہ ایک حربہ استعمال کر چکی ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ حاجی نے اپنے آدمیوں کو الرٹ کر دیا ہوگا اور اس مرتبہ ہمارا وہ حربہ کامیاب نہیں ہو سکے گا۔ بلکہ عین ممکن ہے کہ ہم لوگ خود ہی پھنس جائیں۔ ویسے میرے ذہن میں ایک ترکیب ہے۔"

"وہ کیا ..... ؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"حاجی کے اڈے کے سامنے بند روڈ کی ڈھلان پر خانہ بدوشوں نے ڈیرہ لگا رکھا ہے۔" شاہ پری کہنے لگی۔ "کیا ہم بھی خانہ بدوش بن کر آس پس ڈیرہ نہ لگا دیں۔ اس طرح ڈیرے تک ہماری رسائی آسانی سے ہو جائے گی۔"

"تجویز تو بہت معقول ہے۔" شارق بولا۔ "لیکن کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ نیا ڈیرہ لگانے کے بجائے اس ڈیرہ والوں سے کچھ معاملہ طے کرلیا جائے۔"

"کیا مطلب؟" ثمینہ نے اسے گھورا۔

"ڈیرے والوں کو پیسے دے کر وہاں سے رخصت کردیا جائے اور ڈیرہ میں ان کی جگہ ہم لے لیں۔" شارق نے کہا۔

"کیا وہ مان جائیں گے؟" ثمینہ بولی۔

"انہیں پھٹی ہوئی چھولداریوں کی معقول قیمت مل جائے گی تو وہ انکار نہیں کریں گے۔ میرا خیال ہے صبح سویرے طفیل کو وہاں بھیج دیا جائے جو یہ بھی معلوم کرے گا کہ ڈیرے والے کرتے کیا ہیں۔" شارق نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" ثمینہ نے کہا۔ "بات میری سمجھ میں آرہی ہے۔ اگر وہ لوگ ڈیرہ ہمارے ہاتھ فروخت کر دیں تو ہمارا کام آسان ہو جائے گا۔"

"صبح کا انتظار کیوں کرتے ہو۔" نولکھا بولا۔ "طفیل کو ابھی بھیج دو وہ شام تک معلوم کر آئے گا کہ ڈیرے والے کیا کرتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ طفیل کو بلاؤ۔ میں ابھی اسے بھیجتا ہوں۔" شارق بولا۔

طفیل اس وقت سودا وغیرہ لینے کے لیے بازار گیا ہوا تھا۔ لیکن پندرہ بیس منٹ بعد وہ جیسے ہی آیا شارق نے اسے بلا لیا۔

"تم سارے کام چھوڑ دو اور اسی وقت بند روڈ چلے جاؤ۔ گھوڑے شاہ سے آگے والے چوک سے تمہیں ٹیکسی یا رکشہ مل جائے گا۔" شارق نے کہا۔

"بند روڈ پر کوئی میلہ لگا ہوا ہے؟" طفیل نے ہنستے ہوئے کہا۔ شارق بولا پھر شاہ پری کی طرف رخ کرکے کہنے لگا۔ "اسے اچھی طرح سمجھا دو کہ میلہ کہاں لگا ہوا ہے۔"

شاہ پری بھی ہنس پڑی تھی۔ پھر وہ طفیل کو سمجھانے لگی کہ اسے کہاں جانا ہے۔

"سمجھ گیا جی۔" طفیل نے کہا۔ "فلم اسٹوڈیو کے قریب ہی ہے وہ جگہ۔ میں جب رکشہ چلاتا تھا تو کئی مرتبہ اس طرف جا چکا ہوں۔ وہ رقبہ تو بہت عرصہ سے کسی نے دیوار لگا کر گھیرا ہوا ہے۔"

"بالکل وہی جگہ ہے۔" شارق بولا۔ "اس کے سامنے سڑک کی ڈھلان پر خانہ بدوشوں نے کوئی ڈیرہ لگا رکھا ہے۔ تم نے معلوم کرنا ہے کہ وہ لوگ کام کیا کرتے ہیں اور ان کے ڈیرے پر کتنے لوگ ہیں اور یہ کہ وہ لوگ کب سے اس جگہ ڈیرہ لگائے ہوئے ہیں۔"

"اچھا جی۔" طفیل نے جواب دیا۔ "آپ فکر ہی نہ کریں۔ میں سب کچھ معلوم کرکے آؤں گا۔ پر واپسی پر دیر ہو جائے گی جی۔"

"واپس تو آجاؤ گے نا؟" نولکھا نے اسے گھورا۔

"کیوں نہیں آؤں گا جی۔" طفیل مسکرایا۔ "آپ لوگوں کو چھوڑ کر میں نے جانا کہاں ہے۔"

"بس تو پھر اب رفوچکر ہو جاؤ۔ اور سنو۔ جیب میں پیسے ہیں یا نہیں۔" شارق بولا۔ "لو ..... یہ رکھ لو۔ راستے میں کہیں میلہ لگا ہوا تو وہ بھی دیکھتے آنا۔ اس نے سو سو کے دو تین نوٹ طفیل کی طرف بڑھا دیئے۔ طفیل نے نوٹ لے کر جیب میں ڈالے اور کمرے سے نکل گیا۔

طفیل کی واپسی رات دس بجے ہوئی تھی اور وہ واقعی سب کچھ معلوم کرکے آیا تھا۔

طفیل کی رپورٹ کے مطابق اس ڈیرے میں تین مرد، تین عورتیں اور دو بچے تھے۔ ایک آدمی بھاری بھرکم اور ادھیڑ عمر تھا۔ قد قدرے چھوٹا اور سر کے بال بہت قرینہ سے تراشے ہوئے تھے۔ طفیل نے اس شخص کا جو حلیہ بتایا وہ نولکھا سے کسی حد تک ملتا جلتا تھا۔ دوسرا آدمی دراز قامت اور صحت مند جسم کا مالک تھا۔ رنگ اتنا گہرا تھا کہ اس پر کالے پن کا شبہ ہوتا تھا۔ قدوقامت کے حساب سے یہ شخص عثمان سے ملتا جلتا تھا اور تیسرے آدمی کا جو حلیہ بتایا گیا وہ خود طفیل سے ملتا جلتا تھا۔ عورتوں میں ایک عورت بوڑھی تھی اس کی عمر پچاس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ ایک کی عمر بتیس کے قریب اور تیسری کی عمر بیس بائیس سال رہی ہوگی۔ دونوں بچے اس عورت کے تھے جس کی عمر بتیس کے قریب تھی۔

طفیل کے کہنے کے مطابق بھاری بھرکم ادھیڑ عمر آدمی اور اس کا وہ ساتھی جو طفیل کی طرح دبلا پتلا تھا شہر میں گھوم پھر کر بندر اور ریچھ کا تماشا دکھاتے تھے جبکہ دراز قامت آدمی سبزی

aazzamm@yahoo.com
کتاب پر نعت لکھیں

منڈی میں مزدوری کرتا تھا۔

"ان کے ساتھ وہ عورتیں کیسی ہیں۔ میرا مطلب ہے شکل صورت اور رنگ روپ کیسا ہے؟" شارق نے طفیل کے خاموش ہونے پر پوچھا۔

"بوڑھی عورت تو بوڑھی ہی ہے اور دوسری عورتیں البتہ خوبصورت ہیں۔ ان کے رنگ بھی گورے چٹے ہیں۔" طفیل نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ میں نے یہ بھی معلوم کرلیا ہے کہ وہ بوڑھا بندر اور ریچھ کا تماشا دکھا کر دن بھر میں چالیس پچاس روپے کما لیتا ہے اور تقریباً" اتنی ہی رقم ان کا تیسرا ساتھی مزدوری کرکے کما لیتا ہے اور جی ....."

"اور کیا؟" شارق نے اسے گھورا۔

"اور جی ....." طفیل ایک بار پھر خاموش ہوگیا اور عجیب سی نظروں سے کمرے میں موجود ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھنے لگا پھر نظریں جھکا کر مدہم لہجے میں بولا۔ "اور وہ دونوں جوان عورتیں کبھی کبھی دھندہ بھی کرتی ہیں۔"

"اوہ ....." شارق کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ پھر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "ان لوگوں سے سودا ہو سکتا ہے۔ ان کی روز کی آمدنی سو روپے ہے جس کے لیے انہیں دن بھر سخت محنت کرنی پڑتی ہے۔ میرا خیال ہے اگر ہم انہیں دس ہزار روپے کی پیش کش کریں تو وہ اپنی چھولداریاں وہاں چھوڑ کر جا سکتے ہیں۔ سامان وہ اپنے ساتھ لے جانا چاہیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"تو گویا ہم لوگ خانہ بدوشوں کی حیثیت سے ان چھولداریوں میں رہیں گے۔" ثمینہ نے کہا۔

"ہاں۔" شارق نے سر ہلایا۔ "طفیل نے ان کے جو حلیے بتائے ہیں۔ ان کے مطابق نولکھا، عثمان اور طفیل ان آدمیوں کی جگہ لے سکتے ہیں جبکہ ان دونوں خوبصورت عورتوں کی کمی ثمینہ اور شاہ پری کر دیں گی۔"

"اور بڑھیا کی جگہ۔" ثمینہ نے کہا پھر اپنی بات کا جواب بھی خود ہی دیدیا۔ "لیکن میرا خیال ہے کہ بڑھیا کی ضرورت نہیں ہوگی۔"

"بڑھیا کی ضرورت ہوگی" شارق نے کہا۔ "اس کے لئے میرا خیال ہے کہ نرس رضیہ کے بال سفید کرکے اس کا حلیہ بگاڑ دیا جائے تو مسئلہ حل ہو جائے گا۔"

"نرس رضیہ کو چند روز کی چھٹی لینی پڑے گی۔" ثمینہ نے کہا۔

"اور میرا خیال ہے اسے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" شارق بولا۔ "کل صبح فون کرکے عثمان کو

aazzamm@yahoo.com

بھی بلا لو۔ تاکہ اس پروگرام کو فائنل کیا جا سکے۔ اسے بلکہ ابھی فون کر دو۔ اگر وہ رات ہی کو آجائے تو ہم رات ہی پروگرام بنا لیں گے اور وہ صبح سویرے ہی اپنے مشن پر نکل جائے گا۔ شاہ پری تم اسے فون کر دو۔"

شاہ پری دل ہی دل میں ہنس پڑی تھی۔ وہ جب انسپکٹر عثمان کو فون کر کے یہاں آنے کو کہے گی تو وہ سر کے بل دوڑا آئے گا۔ اس نے فون کا ریسیور اٹھا کر نمبر ملایا۔ اتفاق سے عثمان اس وقت گھر پر ہی موجود تھا۔

"کیا بات ہے۔ تم نے انہیں کچھ بتا تو نہیں دیا؟" عثمان نے شاہ پری کی بات سننے کے بعد پوچھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" شاہ پری نے جواب دیا۔ "صبح ہم جس کام سے گئے تھے اس سلسلے میں بات کرنی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں آرہا ہوں۔" عثمان کی آواز سنائی دی۔

شاہ پری نے ریسیور رکھ دیا اور شارق کو بتا دیا کہ عثمان یہاں آنے کے لئے گھر سے نکل رہا ہے۔ وہ تھوڑی دیر وہاں بیٹھی رہی پھر کمرے سے نکل کر اوپر والے ٹیرس میں آگئی۔ آسمان پر بادل اب بھی تھے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی لیکن بارش کا کوئی امکان نہیں تھا۔

کچھ ہی دیر بعد ثمینہ بھی وہاں آگئی اور اس کے قریب ہی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ "تم یہاں آکر کیوں بیٹھ گئی؟" ثمینہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"بس یونہی۔ موسم کا مزہ لینے کے لئے۔" شاہ پری نے جواب دیا۔ "اچھا ہوا تم بھی یہاں آگئیں۔ ایک ضروری بات کرنا چاہتی تھی تم سے۔"

"کوئی خاص بات؟" ثمینہ بولی۔ "کہو میں سن رہی ہوں۔"

شاہ پری چند لمحے خاموش رہی پھر انسپکٹر عثمان کے بارے میں سب کچھ بتا دیا آخر میں وہ کہہ رہی تھی۔

"اس نے یہ بات ابھی تک مجھ سے کہی نہیں ہے لیکن آج کی باتوں سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ وہ مجھے اپنے ساتھ ملا کر تمہارے اور شارق کے خلاف کوئی سازش کرنا چاہتا ہے۔"

"آخر وہ کھل گیا۔" ثمینہ اس کے خاموش ہونے پر مسکرائی۔ "مجھے اور شارق کو پہلے ہی اس پر شبہ تھا۔ اور جب اس نے یہ بتایا تھا کہ وہ اپنے بیوی بچوں کو گاؤں بھیج چکا ہے تو ہمیں اس وقت یقین ہو گیا تھا کہ وہ کچھ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولی۔ "میں شارق سے بات کر لوں گی۔ لیکن تمہیں بھی ایک کام کرنا

ہو گا۔"

"وہ کیا؟" شاہ پری نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم اسے یقین دلانے کی کوشش کرو کہ تم اس کے ساتھ ہو۔" ثمینہ بولی۔ "آج رات جب وہ اپنے کمرے میں ہو گا تو موقع پا کر تم بھی چلی جانا اور اسے اپنے جال میں پھانس کر اس سے وہ سب کچھ اگلوا لینا جو اس کے دل میں ہے۔ اور اسے یہ یقین دلا دینا کہ ہمارا یہ مشن پورا ہو جانے کے بعد تم میرے اور شارق کے خلاف بھرپور طور پر اس کا ساتھ دو گی۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن ....." شاہ پری چند لمحے رکی پھر بولی۔ "لیکن اگر اس نے حد سے بڑھنے کی کوشش کی تو ....."

"اسے حد سے مت بڑھنے دینا۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "فی الحال ہمیں اس کی ضرورت ہے اور اس کا تھوڑا بہت نخرہ تو برداشت کرنا پڑے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن اسے شبہ نہ ہونے پائے کہ میں نے تم لوگوں کو اس کے بارے میں بتا دیا ہے۔" شاہ پری نے کہا۔

"اس کی تم فکر مت کرو۔ اس کے فرشتوں کو بھی پتہ نہیں چلے گا۔ اب نیچے چلو۔ تم نولکھا اور رضیہ کو دوسرے کمرے میں باتوں میں لگائے رکھنا۔ میں شارق سے بات کرتی ہوں۔" ثمینہ کہتے ہوئے کرسی سے اٹھ گئی۔

وہ دونوں نیچے آگئیں۔ رضیہ اور نولکھا برآمدے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ شاہ پری ان کے پاس چلی گئی اور ثمینہ شارق کے کمرے میں گھس گئی۔

○

شارق بھی وہ داستان سن کر مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ "اس پر میرا شبہ درست تھا۔" وہ ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اس پر کسی صورت بھی یہ ظاہر نہیں ہونا چاہئے کہ ہم اس کی سازش سے آگاہ ہو چکے ہیں۔ شاہ پری کو اچھی طرح سمجھا دو کہ وہ اس کی ہاں میں ہاں ملاتی رہے۔ ہمارا مشن بہت اہم ہے اور اس میں اس کا شریک ہونا بہت ضروری ہے۔ اور اسی مشن کے دوران ہم اسے بھی ٹھکانے لگا دیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" ثمینہ نے سر ہلا دیا۔ "میں نولکھا کو سمجھا دوں کیونکہ وہ بھی اس مشن میں ہمارے ساتھ ہو گا۔"

ثمینہ اٹھ کر برآمدے میں آگئی اور شاہ پری اور نولکھا کے قریب کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ نولکھا

aazzamm@yahoo.com

کو اس نے یہ بتایا کہ عثمان نے ان کے خلاف سازش میں شاہ پری کو ملانے کی سازش کی ہے۔ البتہ اسے یہ بات اچھی طرح سمجھا دی کہ اسی مشن کے دوران عثمان کو بھی ٹھکانے لگا دیا جائے گا۔

وہ تینوں وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ اور جب باہر کسی گاڑی کے رکنے کی آواز سنائی دی تو شاہ پری ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کرسی سے اٹھ گئی۔ گاڑی گیٹ کے عین سامنے کھڑی تھی اور اس کے ہیڈ لیمپس کی روشنی گیٹ کی جھریوں سے نظر آ رہی تھی۔

شاہ پری نے گیٹ کی ایک جھری میں سے جھانک کر دیکھا۔ وہ عثمان ہی کی گاڑی تھی۔ شاہ پری نے گیٹ کھول دیا اور عثمان گاڑی اندر لے آیا۔

اس کے کچھ ہی دیر بعد وہ لوگ ایک بار پھر شارق والے کمرے میں بیٹھے ہوئے منصوبہ بنا رہے تھے۔ اس منصوبے کے ایک ایک پہلو کا بڑی تفصیل سے جائزہ لیا گیا اور بالآخر یہ فیصلہ ہوا کہ عثمان صبح چھ بجے ہی یہاں سے نکل جائے گا اور بوڑھے خانہ بدوش سے بات کرنے کے بعد دیگر انتظامات کی طرف توجہ دے گا۔

رات دو بجے کے قریب عثمان اوپر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ شارق اور نولکھا بھی سونے کے لئے لیٹ گئے تھے۔ ثمینہ اور شاہ پری دوسرے کمرے میں آ گئی۔ وہ دونوں پلنگ پر لیٹی سرگوشیوں میں باتیں کرتی رہیں اور تین بجے کے قریب ثمینہ نے شاہ پری کو گردن سے پکڑ کر اٹھا دیا۔

"جاؤ ..... وہ ابھی جاگ رہا ہو گا۔" ثمینہ نے سرگوشی کی۔ "تم اسے بیوقوف بنانے جا رہی ہو۔ کہیں خود بیوقوف نہ بن جانا۔"

"بدتمیز کہیں کی۔" شاہ پری نے اسے ہولے سے ڈانٹ دیا اور کمرے سے نکل کر دبے پاؤں زینے چڑھنے لگی۔

"عثمان صاحب۔" اس نے عثمان کے کمرے کے دروازے پر رک کر سرگوشیانہ انداز میں پکارا۔ "سو گئے کیا؟"

کمرے میں اندھیرا تھا۔ اس نے دوسری مرتبہ پکارا لیکن اس مرتبہ بھی جواب نہیں ملا۔ اور پھر دفعتاً وہ اچھل پڑی۔ کسی نے پیچھے سے ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ اس کے منہ سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔

ڈر گئیں۔" عثمان نے اس کے کان کے قریب سرگوشی کی۔ "مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گی۔ اسی لئے میں باہر ٹیرس پر بیٹھا تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ ..... چلو اندر چل کر بیٹھتے ہیں۔"

"نہیں۔ باہر ٹیرس پر ہی بیٹھتے ہیں۔ کھلی ہوا ہے۔" شاہ پری نے کہا۔ وہ دونوں ٹیرس پر آ گئے۔ جہاں بانس کی کھپچیوں سے بنی ہوئی کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ عثمان شاہ پری کو لے کر ایسی

ہی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"آرام سے بیٹھو۔" عثمان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور اس کے ساتھ چپکنے کی کوشش کرنے لگا۔ "کیا سوچا ہے تم نے؟"

"تمہارے جانے کے بعد میں تمہاری کہی ہوئی باتوں پر غور کرتی رہی ہوں۔" شاہ پری نے جواب دیا۔ "اب واقعی مجھے احساس ہونے لگا کہ میں غلط ہاتھوں میں پھنس گئی ہوں۔ لیکن ابھی تک میں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔"

"یہ بھی اچھی بات ہے کہ تمہیں احساس ہو گیا ہے۔" عثمان نے کہا۔ "میرا ایک مقصد حاجی عبداللہ کو نقصان پہنچانا بھی ہے اور یہ مقصد شارق کے ذریعے پورا ہو رہا ہے۔ شارق کا یہ مشن مکمل ہو جائے تو ہم اپنا مشن شروع کر دیں گے۔ اس دوران تمہیں اچھی طرح سوچنے کا موقع بھی مل جائے گا اور تم کسی فیصلے پر بھی پہنچ جاؤ گی۔"

عثمان نے شاہ پری کو کھینچ کر اپنی آغوش میں گرا لیا۔ شاہ پری نے برائے نام مزاحمت کی تھی۔ لیکن جب عثمان زیادہ ہی بے قابو ہو گیا تو وہ ایک جھٹکے سے اس سے الگ ہو کر کھڑی ہو گئی۔

"میرا خیال ہے اب مجھے چلنا چاہئے۔" وہ اپنا لباس درست کرتے ہوئے بولی۔ "اگر کسی کی آنکھ کھل گئی اور مجھے اپنے بستر پر نہ پایا تو شبہ ہو گا۔ ہو سکتا ہے وہ میری تلاش میں ادھر بھی آ جائے۔"

عثمان کے منہ سے ٹھنڈا سانس نکل گیا۔ شاہ پری مسکراتی ہوئی سیڑھیوں کی طرف چلی گئی۔ عثمان اپنی جگہ کھڑا دیکھتا رہ گیا۔ اور پھر دھم سے کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔ اور پھر اس کی وہ رات جاگتے ہی گزری تھی۔ شاہ پری کا حسین تصور اس کی آنکھوں کے سامنے گھومتا رہا۔

اس نے صبح جب شاہ پری سے شارق کے بارے میں بات کی تھی تو اس کے ذہن میں خدشات تھے۔ وسوسے تھے شاہ پری، ثمینہ یا شارق سے ساری باتیں نہ کہہ دے۔ وہ سارا دن انہی خدشات میں گھرا رہا تھا۔ اور پھر جب شاہ پری کا فون آیا تھا تو اس وقت بھی عثمان یہی سمجھا تھا کہ اسے بہانے سے تو نہیں بلایا جا رہا۔ اس لئے وہ پوری طرح تیار ہو کر آیا تھا۔ اس کی پتلون کی جیب میں پستول موجود تھا۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ اگر کوئی ایسی بات ہوئی تو وہ کم از کم ثمینہ اور شارق کو ٹھکانے لگا ہی دے گا۔ لیکن اس کے خدشات بے بنیاد نکلے تھے۔ اور پھر آج رات جس طرح شاہ پری چوری چھپے اس کے پاس آئی تھی اور جو کچھ بھی ہوا تھا اس سے عثمان کو یقین ہو گیا تھا کہ شاہ پری نے اپنی زبان بند ہی رکھی تھی۔

aazzamm@yahoo.com

انسپکٹر عثمان کے شارق سے تعلقات اس وقت سے تھے جب وہ مزنگ تھانے کا انچارج تھا اور شارق اس علاقے میں چھانگے والا اڈا چلا رہا تھا۔ لیکن وہ تعلقات ایسے تھے جیسے ایک پولیس آفیسر اور ایک مجرم میں ہونے چاہیں۔ عام جرائم پیشہ لوگوں کو تو پولیس والے پکڑ کر سلاخوں کے پیچھے بند کر دیتے ہیں اور ان کے ساتھ کوئی رعایت نہیں برتتے۔ لیکن بعض جرائم پیشہ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی پشت پر کوئی طاقت ہوتی ہے۔ کسی سیاستدان یا حکومت کی کسی اعلیٰ شخصیت کی پشت پناہی ہوتی ہے یا وہ لوگ بڑی بڑی رقمیں پولیس کو بھتے کے طور پر ادا کرتے ہیں۔ شارق بھی ایک ایسا ہی مجرم تھا۔ اس کے ساتھ پیسے کی قوت تھی۔ اس نے بعض بڑے بڑے پولیس افسروں کو خرید رکھا تھا۔ عثمان خود اس کے ہاتھوں بکا ہوا تھا۔ اسے شارق سے بڑی بڑی رقمیں ملتی تھیں اسی لئے اس نے شارق کے خلاف کبھی کوئی کارروائی نہیں کی تھی۔ پھر شارق حاجی عبداللہ سے مل گیا اور ملک سے باہر چلا گیا۔ حاجی عبداللہ نے شارق کے خلاف جو سازش تیار کی تھی اس کا عثمان کو علم نہیں تھا۔ لیکن حاجی عبداللہ نے جب شارق کے اڈے پر آدمی بھیج کر شارق کے ایک آدمی کو مار مار کر ادھ موا کر دیا تو عثمان نے حاجی کو گرفتار کرنے کے شوق میں اس کی کوٹھی پر چھاپہ مار دیا۔ وہ اب تک حاجی کے بارے میں صحیح اندازہ نہیں لگا سکا تھا۔ اور اس کا نتیجہ اسے اس طرح بھگتنا پڑا کہ حاجی کے ایک اشارے پر اسے ملازمت سے معطل کر دیا گیا۔ اور پھر ایک روز اتفاق سے شارق سے ملاقات ہو گئی۔ حاجی سے انتقام لینے کے لئے عثمان نے شارق کو بھڑکا دیا۔ حاجی کے خلاف اسے اطلاعات فراہم کرنے لگا۔ شارق اس کی توقع سے کہیں زیادہ چالاک نکلا۔ اس نے عثمان کی ایسی تصویریں کھینچ لیں جو اسے پھانسی کے تختے پر پہنچا سکتی تھیں۔ اس دوران اس کی اطلاع پر شارق نے حاجی کے تین کروڑ روپے مالیت کے سونے پر قبضہ کر لیا۔

عثمان اب شارق کے ہاتھوں کا کھلونا بنا ہوا تھا۔ وہ شارق سے جان چھڑانا چاہتا تھا لیکن اس کی تصویریں شارق کے قبضے میں تھیں۔ انسپکٹر عثمان نے بہت سوچ سمجھ کر یہ منصوبہ بنایا تھا۔ اور اس کے لئے اس نے شاہ پری کو استعمال کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اگر اس کا منصوبہ کامیاب ہو گیا تو نہ صرف اسے اپنی تصویریں واپس مل جائیں گی اور وہ ہر قسم کے خوف سے آزاد ہو جائے گا بلکہ حاجی سے چھینا ہوا سونا بھی اس کے قبضے میں آ جائے گا اور پھر شاہ پری کو ساتھ لے کر یہ شہر ہی چھوڑ جائے گا۔

شاہ پری کا خیال آتے ہی اس کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ یہ شاہ پری سے محبت نہیں تھی جو اسے اس کی طرف کھینچ رہی تھی۔ وہ عیاش آدمی تھا اور اس کے دل میں ہوس بھری ہوئی تھی۔

رات کا اندھیر رخصت ہو رہا تھا۔ دن کا مدھم سا اجالا پھیل رہا تھا۔ عثمان ابھی تک ٹیرس ہی میں کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ دفعتاً" سیڑھیوں پر قدموں کی آہٹ سن کر وہ چونک گیا اس نے گردن گھما کر اس طرف دیکھا اور پھر ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہو گیا۔

وہ شاہ پری تھی جو چائے کا کپ لئے اوپر آ رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ لیکن عثمان کو ٹیرس پر دیکھ کر وہ چونک گئی اور اس کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔

"میں آپ کے لئے بیڈ ٹی لے کر آئی ہوں۔ میرا خیال تھا کہ آپ کو جھنجھوڑ کر جگانا پڑے گا۔ لیکن آپ تو....."

"میں تو رات بھر اسی کرسی پر بیٹھا رہا ہوں۔" عثمان نے اس کے ہاتھ سے کپ لے کر قریب پڑی ہوئی کافی ٹیبل پر رکھ دیا۔ "ایک لمحہ بھی نہیں سو سکا۔ تمہارے ہی بارے میں سوچتا رہا۔ تم نے تو مجھے بے موت مار دیا ہے شاہ پری۔ تمہارے بارے میں سوچ سوچ کر میرا دماغ خراب ہوا جا رہا ہے۔"

"اپنے دماغ کو ٹھکانے پر رکھیں اور تیار ہو کر نیچے آ جائیں۔ ثمینہ آپ کے لئے ناشتہ تیار کر رہی ہے۔ آپ کو ناشتہ کر کے چھ بجے یہاں سے نکل جانا ہے۔" شاہ پری نے مسکراتے ہوئے کہا اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

عثمان اسے دیکھتا رہ گیا۔ اس نے چائے کا کپ اٹھایا اور ہلکی ہلکی چسکیاں لینے لگا۔

چائے پینے کے بعد وہ کمرے میں آ گیا۔ اور پھر باتھ روم میں گھس گیا۔ تقریباً" آدھے گھنٹے کے بعد وہ باتھ روم سے باہر نکلا وہ رات بھر جاگا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ لیکن ٹھنڈے پانی کے غسل سے اس کی کسلمندی بڑی حد تک دور ہو گئی تھی۔

پونے چھ بجے وہ نیچے آ گیا۔ شارق اور نولکھا بھی جاگ چکے تھے اور چائے پی رہے تھے۔ ثمینہ بھی موجود تھی۔ اس نے عثمان کے سامنے ناشتہ رکھ دیا۔ وہ بار بار ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظریں شاہ پری کو تلاش کر رہی تھیں لیکن شاہ پری نظر نہیں آئی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں تھی۔

عثمان کو اپنی منزل پر پہنچنے میں تقریباً" پچاس منٹ لگے تھے۔ اس نے گاڑی خانہ بدوشوں کے ڈیرے سے تقریباً" دو سو گز دور روک لی تھی۔ وہ کچھ دیر گاڑی میں بیٹھا ڈیرے کی طرف دیکھتا رہا پھر نیچے اتر کر ٹہلنے لگا۔

تقریباً" آٹھ بجے کے قریب وہ بوڑھا اور طفیل کی عمر کا دوسرا آدمی ڈیرے سے نکل کر سڑک

aazzamm@yahoo.com

پر آگئے۔ بوڑھے نے ریچھ کی ڈوری تھام رکھی تھی اور دوسرے آدمی نے بندر کی۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں چھڑیاں بھی تھی اور انہوں نے کندھوں پر تھیلے بھی لٹکا رکھے تھے۔

عثمان سڑک سے اتر کر پارک والی سائیڈ کی ڈھلان پر اتر گیا۔ وہ انہیں یہاں روک کر بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے انہیں آگے نکل جانے کا موقع دیا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد عثمان دوبارہ سڑک پر آگیا۔ وہ دونوں کہیں بھی دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ عثمان گاڑی میں بیٹھ گیااور اسے راوی کے پل کی طرف موڑ دیا۔

وہ دونوں راوی پل والے چوک میں پہنچ چکے تھے۔ چوک پر بسوں وغیرہ کی وجہ سے خاصا رش تھا۔ عثمان نے کار ایک طرف روک لی اور نیچے اتر کر ان دونوں کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ دونوں سڑک سے ہٹ کر درختوں کے نیچے کھڑے تھے اور بوڑھا شاید مجمع لگانے کے لئے مناسب جگہ کی تلاش میں تھا عثمان نے قریب پہنچ کر بوڑھے کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"ایک منٹ کو میرے ساتھ آؤ۔ تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔"عثمان نے کہا۔ اس کا لہجہ مدہم تھا۔

بوڑھے نے چونک کر عثمان کی طرف دیکھا۔ وہ شکل ہی سے پولیس والا لگ رہا تھا۔ صبح ہی صبح کسی پولیس والے کی شکل دیکھ لینا بوڑھے کے خیال میں کوئی اچھا شگون نہیں تھا۔

"جی مائی باپ۔ آپ حکم کریں۔" بوڑھے نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔

"میرے ساتھ آؤ۔" عثمان نے کہا۔

عثمان وہاں سے تقریباً" بیس گز دور سیمنٹ کی ایک بنچ پر بیٹھ گیا۔ بوڑھا اس کے سامنے زمین پر بیٹھ گیا تھا۔

"میں پولیس انسپکٹر ہوں۔" عثمان نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔"ڈرو نہیں۔ میں ایک سرکاری کام کے سلسلے میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے۔"

"آپ حکم کریں مائی باپ۔" بوڑھا بولا۔

"ہمیں دو چار روز کے لئے تمہارا وہ ڈیرہ چاہئے جہاں تم لوگ رہ رہے ہو۔" عثمان نے کہا۔

"کیوں سرکار۔" بوڑھے نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"جہاں تم نے ڈیرہ لگا رکھا ہے وہاں سامنے والے علاقے میں کسی جگہ چند خطرناک مجرم چھپے ہوئے ہیں۔ ان کی نگرانی کے لئے ہمیں ایسی جگہ کی ضرورت ہے جہاں سے پورے علاقے پر نگاہ رکھی جا سکے۔ تمہارا وہ ڈیرہ اس مقصد کے لئے بہترین جگہ ہے۔ اگر ہم اس جگہ کوئی دوسرا ڈیرہ

لگاتے ہیں تو ان لوگوں کو شبہ ہو جائے گا۔ اس لئے تمہارا ڈیرہ حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اس کے لئے تمہیں بہت معقول معاوضہ بھی دیا جائے گا۔"

"ہم بغیر معاوضے کے بھی پولیس کے ساتھ تعاون کرنے کو تیار ہیں مائی باپ۔" بوڑھے نے کہا۔

"ممکن ہے تمہیں وہ چھولداریاں واپس نہ مل سکیں اس لئے ہم ان کی قیمت دیدیں گے تاکہ تمہارا بھی نقصان نہ ہو۔ میرا خیال ہے دس ہزار روپے میں تم اس جیسی کئی نئی چھولداریاں بنوا سکو گے۔"

"دس ہزار روپے۔" بوڑھا چونک گیا۔

"ہاں ..... یہ پیسے اپنے پاس رکھ لو۔" عثمان نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے نوٹوں کی گڈی اس کے ہاتھ میں تھما دی۔"پورے دس ہزار ہیں۔" وہ کہہ رہا تھا۔"لیکن تم اپنے گھر والوں کو بھی نہیں بتاؤ گے کہ وہ ڈیرہ چھوڑ کر تم کیوں جا رہے ہو۔ یہ راز صرف تم تک محدود رہنا چاہئے۔ اگر تمہاری وجہ سے مجرم فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے تو ان کی جگہ تمہیں ٹانگ دیا جائے گا۔"

"کسی کو پتا نہیں چلے گا سرکار۔" بوڑھے نے جواب دیا۔"ہم آج ہی وہ ڈیرہ خالی کر دیتے ہیں۔"

"آج نہیں۔" عثمان بولا۔" آج تم گھوم پھر کر اپنی دہاڑی لگاؤ۔ ہم لوگ ایک دو دن میں وہاں آجائیں گے۔ ہمارے ساتھ عورتیں بھی ہوں گی۔ ہم ڈیرے پر آجائیں گے تو اس کے بعد تم لوگ چلے جانا۔ ان ایک دو دنوں میں تم لوگ اپنے لئے کوئی دوسرا بندوبست بھی کر سکتے ہو۔"

"ٹھیک ہے مائی باپ۔" بوڑھے نے نوٹوں کی گڈی بڑی احتیاط سے قمیص کی اندر والی جیب میں رکھ لی تھی۔

"ٹھیک ہے اب تم جاؤ اور مجمع لگا کر لوگوں کو ریچھ اور بندر کا تماشہ دکھاؤ۔"عثمان نے کہا۔

بوڑھا اٹھ کر چلا گیا۔ عثمان کچھ دیر بنچ پر بیٹھا رہا پھر وہ بھی اٹھ کر اپنی کار کی طرف چل پڑا۔

انسپکٹر عثمان شہر کے مختلف علاقوں میں گھوم پھر کر مختلف اشیاء خریدتا رہا۔ اور جب وہ شام کو واپس لوٹا تو شام کے چھ بج رہے تھے۔ وہ بہت بری طرح تھک گیا تھا۔ لیکن شاہ پری کی ایک ہی مسکراہٹ سے اس کی ساری تھکن دور ہو گئی۔ اور پھر شاہ پری کے ہاتھوں سے ملنے والے چائے کے کپ نے تو اس کا موڈ بھی خوشگوار بنا دیا تھا۔ اور وہ دن بھر کی تھکن بھول گیا تھا۔

عثمان نے شارق وغیرہ کو آج دن بھر کی رپورٹ بھی بتا دی تھی اور اس بوڑھے خانہ بدوش سے ہونے والے سودے سے بھی آگاہ کر دیا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

"ٹھیک ہے۔" ثمینہ نے کہا۔"ہم لوگ کل رات دس بجے یہاں سے نکلیں گے۔ میں صبح اسپتال جا کر نرس رضیہ کو بھی بتا دوں گی۔"

اس کے بعد وہ دوسرے موضوعات پر گفتگو کرتے رہے۔ رات کے کھانے کے بعد وہ تاش لے کر بیٹھ گئے اور دو بجے تک تاش کھیلتے رہے۔ کھیل ختم ہوا تو عثمان اٹھ کر اوپر اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ جاتے ہوئے اس نے عجیب نظروں سے شاہ پری کی طرف دیکھا تھا۔ شاہ پری اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دی تھی۔

تین بجے کے قریب شاہ پری ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔ جب وہ اوپر پہنچی تو عثمان ٹیرس پر نہیں تھا۔ آج وہ کمرے میں بیٹھا ہوا تھا اور نائٹ بلب کی نیلگوں روشنی کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ عثمان اس کے قدموں کی آہٹ سن کر اٹھ گیا تھا۔

"مجھے یقین تھا کہ تم آج بھی ضرور آؤ گی۔" وہ آگے بڑھتے ہوئے بولا اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"کیسے نہ آتی۔"شاہ پری مسکراتی ہوئی بیڈ کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔"کسی کو ہماری ملاقاتوں پر شبہ تو نہیں ہوا؟" عثمان نے پوچھا۔

"بالکل نہیں۔ اس وقت بھی سب لوگ گہری نیند سو رہے ہیں۔ لیکن میری نیند نجانے کیوں اڑ گئی ہے۔" شاہ پری مسکرائی۔

"یہی حال میرا بھی ہے۔" عثمان نے جواب دیا۔"ہر وقت تمہارے ہی بارے میں سوچتا رہتا ہوں۔"

"دراصل ہماری سوچیں ایک دوسرے تک محدود ہو کر رہ گئی ہیں۔" شاہ پری نے جواب دیا۔

"تو پھر کیا ارادہ ہے۔ تم نے کیا فیصلہ کیا ہے۔" عثمان بولا۔

"فیصلہ تو میں نے اسی وقت کر لیا تھا جب تم نے بات کی تھی۔ لیکن ....."

"لیکن کیا؟" عثمان نے پوچھا۔

"کیا تم نے یہ بھی سوچا ہے کہ ثمینہ اور شارق بہت خطرناک ہیں۔ اگر وہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک بھی بچ گیا تو ہمیں کہیں پناہ نہیں ملے گی۔" شاہ پری نے اپنے خدشات کا اظہار کیا۔

"بچ کیسے سکتے ہیں۔" عثمان مسکرایا۔"میں نے جو منصوبہ بنایا ہے اس میں کوئی معمولی سا جھول بھی نہیں ہے ان دونوں میں سے کوئی بھی نہیں بچ سکے گا۔"

"منصوبہ کیا ہے؟" شاہ پری نے پوچھا۔

"یہ میں تمہیں کل کے بعد بتاؤں گا۔" عثمان نے جواب دیا۔

"کل شارق کا مشن پورا ہو جائے۔ اس کے بعد میں تمہیں اپنے منصوبے کی تفصیلات بتا دوں گا۔"

"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آ سکی۔" شاہ پری بولی۔"تم شارق اور ثمینہ کو کیوں ختم کرنا چاہتے ہو؟"

"مجھ پر ساری مصیبتیں شارق کی وجہ سے نازل ہوئی ہیں۔" عثمان نے جواب دیا۔"حاجی عبداللہ نے شارق کے آدمی کو مارا پیٹا تھا اور میں نے اس کی ہمدردی میں حاجی کو گرفتار کرنے کے لئے اس کی کوٹھی پر چھاپہ مارا تھا۔ اگر میں یہ حماقت نہ کرتا تو آج میں اپنی ڈیوٹی پر ہوتا۔ اس کے علاوہ شارق اور ثمینہ کو ختم کرنے کی ایک اور وجہ بھی ہے۔"

"وہ کیا۔" شاہ پری نے پوچھا۔

"میری مخبری پر شارق نے حاجی کے آدمیوں سے تین کروڑ روپے مالیت کا سونا چھینا تھا۔ اور اس وقت یہ طے ہوا تھا کہ یہ سونا آپس میں تقسیم کر لیا جائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ بعد میں اس کا ایک ساتھی حاجی کے آدمیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ پپو اور ظفری کو گلبرک والی کوٹھی میں جلا کر راکھ کر دیا گیا۔ مجھے آج تک اس سونے میں سے حصہ نہیں ملا۔ اور تمہیں بھی کچھ نہیں ملا۔ وہ سارا سونا شارق اور ثمینہ کے قبضے میں ہے۔ ان سے وہ سونا حاصل کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ان دونوں کو ختم کر دیا جائے۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ انہوں نے سونا کہاں چھپا رکھا ہے؟"

"ہاں ..... وہ اسی مکان میں رکھا ہوا ہے۔" شاہ پری نے جواب دیا۔

"گڈ۔" عثمان کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ اس نے شاہ پری کو ہاتھ سے پکڑ کر کرسی سے اٹھایا اور اپنے قریب بیڈ پر بٹھا لیا۔

"ان دونوں کو ختم کر دینے کے بعد وہ سونا ہمارے قبضے میں ہو گا۔ ہم وہ سونا لے کر اس شہر سے دور ایسی جگہ پر چلے جائیں گے جہاں کوئی ہمارا سراغ نہیں لگا سکے گا۔" عثمان نے کہا۔

"اور تمہاری بیوی اور بچے؟" شاہ پری نے پوچھا۔

"لعنت بھیجو ان پر۔" عثمان نے جواب دیا۔"میری بیوی کا باپ ایک بہت بڑا زمیندار ہے۔ اس کے پاس پیسے کی کمی نہیں ہے۔ وہ آرام سے زندگی گزار لے گی۔ اس کی تم فکر مت کرو۔ اپنی سوچو۔ تم میرے ساتھ عیش کرو گی۔"

شاہ پری' شارق اور ثمینہ کے بارے میں عثمان کا منصوبہ سن کر کانپ اٹھی تھی۔ بات اب

aazzamm@yahoo.com

کھلی تھی۔ وہ ان دونوں کو ختم کر کے تین کروڑ روپے مالیت کے سونے پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ اور یہ بھی یقینی بات تھی کہ عثمان نے اس کے بارے میں بھی کوئی ایسی ہی بات سوچ رکھی ہو گی۔ جو اپنی بیوی کو چھوڑنے کو تیار ہو وہ کسی دوسری عورت سے وفا کیسے کر سکتا تھا۔

عثمان نے اچانک ہی اسے کھینچ کر پلنگ پر گرا دیا تھا۔ لیکن شاہ پری بڑی پھرتی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"اب میں چلوں گی۔" شاہ پری مسکراتے ہوئے بولی۔

"بہت چالاک ہو تم ہر بار غچہ دے کر نکل جاتی ہو۔" عثمان بولا۔

"شارق اور ثمینہ والے منصوبے کے بعد میں تمہیں غچہ نہیں دوں گی۔" شاہ پری نے جواب دیا۔

عثمان اٹھ کر اس کی طرف بڑھا۔ لیکن ٹھیک اسی وقت نیچے کوئی برتن گرنے کی آواز سنائی دی۔

اوہ ..... شاید کوئی جاگ گیا ہے۔ میں چلتی ہوں۔ شاہ پری نے کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

عثمان پہلے کی طرح ہاتھ ملتا رہ گیا۔

○

وہ لوگ رات کے دس بجے گھر سے نکلے تھے۔

نرس رضیہ بھی شام سے پہلے پہنچ گئی تھی۔ اس گروپ میں ثمینہ' شاہ پری' نرس رضیہ' نولکھا' طفیل اور عثمان شامل تھے۔ ان سب کے جسموں پر پرانے لباس تھے۔ عثمان عام طور پر پینٹ شرٹ پہنا کرتا تھا لیکن آج وہ بھی شلوار قمیص پہن کر آیا تھا۔ وہ سب کے سب ہتھیاروں سے لیس تھے جو انہوں نے اپنے اپنے لباس میں چھپا رکھے تھے۔

وہ لوگ گلیوں میں سے نکل کر سڑک پر اس طرح چل رہے تھے جیسے کھانا کھانے کے بعد ٹہلنے کے لئے نکلے ہوں۔ گھر سے نکلنے سے پہلے انہوں نے اپنے حلیوں میں کسی قدر تبدیلی کی تھی۔ انسپکٹر عثمان کلین شیو تھا لیکن اس وقت اس کے چہرے پر گھنے دار بڑی بڑی مونچھیں نظر آرہی تھیں۔ جس سے اس کا چہرہ بڑی حد تک تبدیل ہو گیا تھا۔ نولکھا کے چہرے پر بھی سفید مونچھیں تھی جو ہونٹوں کے کونوں سے نیچے کی طرف جھکی ہوئی تھیں۔ البتہ طفیل کے چہرے پر کوئی تبدیلی نہیں کی گئی تھی۔

ثمینہ' نرس رضیہ اور شاہ پری کے چہروں پر کئی جگہوں پر نیلے خال سے نظر آرہے تھے۔ خانہ بدوش عورتیں عام طور پر چہروں کی خوبصورتی کے لئے اس قسم کے خال گدوا لیتی ہیں۔ ان تینوں کے کانوں میں چھوٹی بڑی کئی کئی بالیاں تھیں اور ناکوں میں نتھنیاں بھی نظر آرہی تھی۔ ان سب چیزوں سے ان کے حلیے بھی بڑی حد تک تبدیل ہو گئے تھے۔ یہ تمام چیزیں آج ہی عثمان نے بازار سے خریدی تھیں۔

تیزاب احاطے والے چوک پر انہیں دو ٹیکسیاں مل گئیں۔ ایک ٹیکسی میں نرس رضیہ' شاہ پری اور طفیل بیٹھ گئے جبکہ دوسری ٹیکسی میں ثمینہ' نولکھا اور عثمان بیٹھے تھے۔ عثمان آگے کی سیٹ پر بیٹھا تھا۔

پونے گیارہ بجے کے قریب وہ ٹیکسیاں دریائے راوی کے پل والے چوک پر رک گئیں اور وہ سب نیچے اتر آئے۔ ان ٹیکسیوں کو فوراً ہی وہاں سے سواریاں مل گئی تھیں۔ وہ لوگ کچھ دیر چوک پر کھڑے ادھر ادھر دیکھتے رہے پھر بند روڈ کی طرف چلنے لگے۔

تقریباً" بیس منٹ بعد وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں سڑک کی ڈھلان پر ڈیرا لگا ہوا تھا۔ عثمان آج دن میں بھی اس طرف آکر بوڑھے خانہ بدوش سے ملا تھا اور اسے بتا دیا تھا کہ وہ لوگ آج رات آجائیں گے اس لئے بوڑھا اپنے افراد خانہ کے ساتھ وہاں سے روانگی کے لئے تیار رہے۔ بوڑھے نے انہیں بتایا تھا کہ وہ اپنا متبادل انتظام کر چکا ہے۔ وہ لوگ جیسے ہی آئیں گے وہ اپنے بندوں کو لے کر وہاں سے نکل جائے گا۔

سڑک پر بسوں کی آمدورفت جاری تھی اس لئے وہ زیادہ دیر تک سڑک پر کھڑے رہنے کے بجائے ڈھلان اتر کر ڈیرے کے سامنے آگئے۔ ایک چھولداری میں لالٹین جل رہی تھی اور باتوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ عثمان نے بوڑھے کا نام لے کر پکارا تو وہ فوراً" ہی باہر آگیا۔

"آگئے تم لوگ۔ ہم لوگ تمہارا ہی انتظار کر رہے تھے۔" بوڑھے نے کہا اور انہیں چھولداری میں لے آیا۔ وہ لوگ جیسے ہی روشنی میں آئے بوڑھا اور اس کے ساتھی انہیں دیکھ کر چونک گئے۔ ان سب کے حلیے بوڑھے کے اپنے افراد خانہ سے ملتے جلتے تھے نرس رضیہ تو واقعی بوڑھی لگ رہی تھی۔ دوسری بڑھیا اسے بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔

"تمہارا وہ ساتھی کہاں ہے جو مجھ سے ملنا چاہتا ہے؟ عثمان نے بوڑھے سے پوچھا۔"

"ہم نے سبزی منڈی کے دوسری طرف ڈیرہ ڈالا ہے۔ میرا داماد جانوروں کو لے کر شام کو ادھر ہی چلا گیا تھا۔" بوڑھے نے جواب دیا پھر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔"اب ہم چلیں۔"

aazzamm@yahoo.com

"ایک منٹ۔" عثمان نے کہا اور ثمینہ کی طرف رخ کر کے بولا۔"تم لوگ دوسری چھولداری میں جا کر ان عورتوں کے ساتھ کپڑے تبدیل کر لو۔"

ثمینہ وغیرہ ان تینوں عورتوں کو لے کر دوسری چھولداری میں چلی گئیں۔ وہ تقریباً پندرہ منٹ کے بعد واپس آئی تھیں۔ لباس تبدیل کرنے کے علاوہ انہوں نے ان عورتوں کی سفید اور کالی پلاسٹک کی چوڑیاں بھی اتروا کر پہن لی تھیں۔ ان تینوں کی بانہوں میں اب کہنیوں تک چوڑیاں تھیں جس سے وہ بنجارنیں ہی لگ رہی تھیں۔ عثمان نے جیب سے دو سو روپے نکال کر بوڑھے کے ہاتھ میں تھما دیے۔

"لو یہ رکھ لو۔ چوک پر جا کر بچوں کے لئے مٹھائی لے لینا اور تانگے پر بیٹھ جانا۔ اب تم لوگ جاؤ۔"

بوڑھے نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اپنے گھر والوں کو لے کر ڈیرے سے نکل گیا۔ عثمان انہیں جاتے دیکھتا رہا اور جب وہ لوگ سڑک پر کافی دور نکل گئے تو وہ چھولداری میں آگیا۔

"اب کیا پروگرام ہے۔" اس نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ڈگڈگی بجائیں گے اور کیا کرنا ہے۔" ثمینہ کی بجائے نولکھا نے جواب دیا۔

"دو تین دن ہمیں یہاں رہنا پڑے گا۔ اس دوران ہم زیادہ سے زیادہ حاجی کے آدمیوں کو نظروں میں آنے کی کوشش کریں گے اس کے ساتھ ہی ہم کچھ ایسی حرکتیں کریں گے کہ وہ ہماری طرف متوجہ ہوں اور خود ہی قریب آنے کی کوشش کریں۔ اس طرح ہمیں احاطے میں داخل ہونے کا موقع مل جائے گا۔" ثمینہ نے کہا۔

"اور اگر انہیں کوئی شبہ ہو گیا تو؟" عثمان بولا۔

"تو اس وقت جو صورت حال ہو گی اسی کے مطابق قدم اٹھایا جائے گا۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"ایک بات میں آپ لوگوں کو بتانا بھول گیا تھا۔" طفیل دخل اندازی کرتے ہوئے بولا۔"میں جب ان بنجاروں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے آیا تھا تو مجھے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی تھی کہ یہ لوگ پینے کا پانی اسی احاطے سے لے کر آتے تھے تل احاطے کے پھاٹک کے اندر کی طرف ہے۔ پہلے ایک مرتبہ ان کی ایک جوان عورت پانی لینے گئی تھی۔ اسے شاید چھیڑا گیا تھا۔ اس کے بعد وہ بڑھیا پانی لینے جانے لگی۔"

"گڈ۔" ثمینہ مسکرائی۔"کل میں پانی لینے جاؤں گی۔ اس طرح ہمیں موقع مل سکتا ہے۔" وہ اٹھ کر چھولداری سے باہر آگئی اور احاطے کی طرف دیکھنے لگی۔

اس کے دوسرے ساتھی بھی باہر آ گئے۔ یہ لوگ چونکہ بلندی پر بیٹھے تھے اس لئے احاطہ پوری طرح ان کی نظروں میں تھا۔ گیٹ کے اندر اور باہر کی طرف ایک ایک بلب جل رہا تھا۔ لیکن وہ کم واٹ کے بلب تھے اور ان کی روشنی زیادہ دور تک نہیں پھیل رہی تھی۔ گیٹ کے آس پاس تو کوئی نظر نہیں آ رہا تھا البتہ کاٹیج کے برآمدے میں کرسیوں پر دو آدمی نظر آ رہے تھے وہاں شاید چالیس واٹ کا بلب جل رہا تھا۔ روشنی دیئے کی طرح تھی اور اتنی دور سے ان آدمیوں کے چہرے دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

"ہاں۔ تو سمجھو یہ کام شروع ہو گیا۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

وہ رات دیر تک باتیں کرتے رہے اور جب سونا چاہا تو ڈھنگ سے نیند بھی نہیں آ سکی تھی۔ ہر دو تین منٹ بعد کوئی نہ کوئی مال بردار ٹرک یا بس وہاں سے گزر رہی تھی۔ بسوں کے شور میں سکون کی نیند سونا ممکن نہیں تھا۔

صبح بہر حال وہ جلدی اٹھ گئے تھے دن کی روشنی میں انہوں نے ڈیرے کے اثاثے کا جائزہ لیا۔ ایک درمیانے سائز کا ڈرم تھا جو پانی کے لئے رکھا ہوا تھا۔ ایک مٹکا اور ایک بالٹی۔ مٹکے میں تھوڑا پانی تھا مگر بالٹی خالی تھی۔ دو تین پتیلیاں تھیں جو دھوئیں سے سیاہ ہو چکی تھیں۔ ایک کیتلی، چینی، پتی کے ڈبے اور اسی قسم کی چیزیں تھیں جو چند روپوں میں آسکتی تھیں۔ ایک طرف اینٹوں کا چولہا بنا ہوا تھا جس کے قریب ہی خشک لکڑیوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔

شاہ پری نے ڈرم کے پانی سے منہ ہاتھ دھویا اور آنچل سے منہ پونچھ کر چولہے میں لکڑیاں جلانے لگی۔ ثمینہ اور نولکھا وغیرہ نے بھی منہ دھو لیا۔

"اوئے طفیل۔" نولکھا اپنی قمیص کی اندر والی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے بولا۔"یہ پیسے لے اور چوک سے جا کر کچھ کھانے کو لے آ۔ حلوہ پوری لے کر آنا یار۔ کئی دنوں سے دل چاہ رہا تھا۔"

"ابھی لاتا ہوں جی۔"طفیل نے اس کے ہاتھ سے سو کا نوٹ لے لیا اور ڈیرے سے نکل کر چوک کی طرف چل پڑا۔

شاہ پری نے چولہے میں آگ جلا کر کیتلی میں چائے کا پانی رکھ دیا۔ اس نے پتی ڈال کر بغیر دودھ کی چائے بنائی جو بڑی لذیز اور خوش ذائقہ تھی۔ وہ لوگ چائے پی چکے تھے تو طفیل حلوہ پوری لے کر آگیا۔ ناشتہ ان سب نے اکٹھے ہی بیٹھ کر کیا تھا۔ شاہ پری کو دوبارہ چائے بنانی پڑی تھی۔

"طفیل اور عثمان۔" ناشتے کے بعد نولکھا نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔"تم لوگ

aazzamm@yahoo.com

دو تین گھنٹوں کے لئے ڈیرے سے ادھر ادھر چلے جاؤ۔ اگر سب لوگ یہاں رہے تو ان لوگوں کو شبہ ہو جائے گا۔ راوی کی سیر کر آؤ۔"

"ثمینہ" نولکھا نے اب ثمینہ کو مخاطب کیا۔"مجھے تو سامنے والے احاطے میں صرف تین آدمی نظر آ رہے ہیں۔ تو جا ..... وہاں سے پانی کی ایک بالٹی لے آ۔ اس طرح کچھ صورت حال کا اندازہ بھی ہو جائے گا۔"

ثمینہ نے احاطے کی طرف دیکھا۔ وہاں تین ہی آدمی تھے جو گیٹ کے اندر کی طرف درخت کے نیچے چائے پی رہے تھے۔ ثمینہ نے بالٹی اٹھائی اور ڈھلوان سے اترتی ہوئی سروس روڈ پار کر کے گیٹ کی طرف چلنے لگی۔ وہ جیسے جیسے قریب پہنچ رہی تھی اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی۔ اسے اندیشہ تھا کہ اگر اسے پہچان لیا گیا تو وہ زندہ واپس نہیں آ سکے گی۔ لیکن پھر یہ سوچ کر دل کو تسلی دی کہ حاجی کے چند قریبی ساتھیوں کے علاوہ اور کوئی اسے نہیں پہچانتا۔ گروہ کے عام آدمی اسے نہیں پہچان سکیں گے۔

وہ گیٹ کے قریب رک گئی اور ہولے سے دستک دی۔ تقریباً ایک منٹ بعد گیٹ کا چھوٹا دروازہ کھل گیا۔ وہ شخص شکل ہی سے بڑا خرانٹ لگ رہا تھا۔ اس کے کندھے پر کلاشنکوف رائفل لٹکی ہوئی تھی۔ ثمینہ کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی۔

"صاحب جی۔" ثمینہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔"ایک بالٹی پانی چاہئے جی۔"

"آؤ ..... آؤ۔ ایک بالٹی کیا دس بالٹیاں لے جاؤ۔" وہ شخص کہتے ہوئے راستے سے ایک طرف ہٹ گیا۔

ثمینہ اندر داخل ہو گئی۔ اس کے دل کی دھڑکن کچھ اور تیز ہو گئی تھی۔ درخت کے نیچے چارپائی پر دو آدمی اور بیٹھے ہوئے تھے۔ ان دونوں کے پاس بھی کلاشنکوف رائفلیں تھیں۔

"وہ دوسری کہاں ہے۔" گیٹ کھولنے والے گن مین نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔"ایک دفعہ آئی تھی۔ پھر وہ بڑھیا آنے لگی۔"

"پتا نہیں جی وہ کیوں نہیں آئی۔ آج ماں کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اسی لئے مجھے آنا پڑا۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"روزانہ تم آ جایا کرو نا۔" وہ شخص بولا۔"آؤ۔ پانی بھر لو۔"

نل دائیں طرف والے کمرے کے پچھلی طرف تھا۔ ثمینہ نے مڑ کر دیکھا۔ چارپائی پر بیٹھے ہوئے آدمی نظر نہیں آ رہے تھے۔ اس شخص نے نلکا کھول دیا۔ اور ثمینہ کے بازو پر چٹکی کاٹ لی۔ ثمینہ کے منہ سے ہلکی سی سسکی نکل گئی۔"کیوں چھیڑتے ہو جی!" اس نے گن مین کی طرف

دیکھتے ہوئے کہا۔

"اوئے۔ اس چھیڑ چھاڑ ہی میں تو زندگی کے مزے ہیں۔"

گن مین نے ایک اور چٹکی کاٹی۔"یہ دس روپے رکھ لے کوئی چیز لے لینا۔ پکڑ جلدی کر۔ میرا کوئی ساتھی ادھر آ رہا ہے۔" اس نے دس کا نوٹ زبردستی ثمینہ کے ہاتھ میں تھما دیا اور سیدھا کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔"اوئے بی بی تمہیں ڈر کس بات کا ہے۔ جب ضرورت ہو آ کر پانی لے جایا کرو۔ پانی بھی کوئی ایسی چیز ہے جس کے لئے منع کیا جائے۔"

گن مین کا دوسرا ساتھی چند قدم دور کھڑا معنی خیز نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

بالٹی بھر گئی تو ثمینہ نے نلکا بند کر دیا۔ وہ جیسے ہی بالٹی اٹھانے کے لئے جھکی پہلے گن مین نے جھک کر بالٹی اٹھا لی۔

"چل۔ میں پھاٹک تک بالٹی پہنچا دیتا ہوں' اور چاہئے ہو تو آ کر لے جانا۔" اس نے گیٹ کے باہر تک بالٹی پہنچا دی۔ ثمینہ نے بالٹی اٹھائی اور ڈیرے کی طرف چلنے لگی۔ اس کے دوسرے ہاتھ کی مٹھی میں دس روپے کا نوٹ دبا ہوا تھا۔ ڈیرے پر پہنچ کر اس نے بالٹی مٹکے میں انڈیل دی اور نولکھا کے سامنے بیٹھ کر مٹھی کھول دی۔

"یہ کیا ہے؟" نولکھا نوٹ دیکھ کر بولا۔

"چارہ۔" ثمینہ مسکرائی۔"وہ کمینہ سمجھتا ہے کہ مجھے دس روپے میں زیر کر لے گا۔ میں بھی دیکھوں گی اسے۔ ایک بالٹی اور لے آؤں۔" وہ بالٹی اٹھا کر دوبارہ احاطے کی طرف چل پڑی۔

اس مرتبہ اس شخص نے نہ صرف ثمینہ کے دو تین چٹکیاں کاٹی تھیں بلکہ چند فحش جملے بھی کہے تھے۔ ثمینہ اس کی ان حرکتوں پر مسکرا کر رہ گئی تھی۔

اس روز شام سے ذرا پہلے وہ پانی لینے گئی تو اس وقت بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ اس وقت وہ آدمی گیٹ پر اکیلا تھا۔ اس کا دوسرا ساتھی کاٹیج میں تھا اور تیسرا آدمی باہر گیا ہوا تھا۔ صبح جب اس نے ثمینہ سے چھیڑ چھاڑ کی تھی تو ثمینہ مسکرا دی تھی اور اس نے دس روپے بھی قبول کر لئے تھے جس سے اس شخص کا حوصلہ بڑھا تھا اور اب وہ اسے گیٹ کے ساتھ والے کمرے میں لے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ثمینہ نے بڑی مشکل سے اسے ٹالا تھا۔

یہ بات ثمینہ کے لئے اطمینان کا باعث تھی کہ وہ پہچانی نہیں گئی تھی۔ پہلی بات تو یہ تھی کہ وہ بنجارن کے بھیس میں تھی اور بنجاروں کا یہ ڈیرہ کئی دن سے یہاں لگا ہوا تھا اس لئے اس پر کوئی شبہ نہیں کیا گیا تھا اور دوسری بات یہ کہ حاجی کے گروہ کے نچلی سطح کے لوگ اسے نہیں جانتے تھے۔ اگر اس نے اپنا حلیہ بدلا نہ ہوتا اور اصل شکل میں ہوتی تو بھی وہ لوگ اسے نہ پہچان پاتے۔

aazzamm@yahoo.com

بنجاروں والا یہ سارا چکر اس لئے چلایا گیا تھا کہ ثمینہ اور شاہ پری دو وارداتیں کر چکی تھیں اور دونوں مرتبہ حاجی کو پتہ چل گیا تھا۔ اور اب یقیناً" اس نے اپنے آدمیوں کو تنبیہہ کر دی ہو گی کہ دونوں عورتوں پر نگاہ رکھی جائے۔ ان خدشات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہی اس ڈیرے والوں سے سودے بازی کی گئی تھی۔

دوپہر تین بجے کے بعد عثمان اور طفیل بھی واپس آ گئے تھے۔ شام کو جب ثمینہ پانی لینے کے لئے احاطے میں گئی تھی تو وہ دونوں اس وقت ڈیرے پر موجود تھے۔

دو تین دن سے آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ کبھی کبھار ہلکی سی پھوار پڑ جاتی۔ ویسے لگتا تھا کہ یہ بادل برسنے کے موڈ میں نہیں ہیں۔

دوسرے دن ثمینہ پانی لینے کے لئے احاطے میں گئی تو اللہ دتہ نامی گن مین نے پھر اس کے ساتھ اسی قسم کی حرکات کی تھیں اور ثمینہ ہنس کر ٹال گئی تھی۔ ثمینہ کی پلاننگ دراصل یہی تھی کہ اللہ دتہ کے جذبات کو اس قدر بھڑکا دیا جائے کہ جب ثمینہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ احاطے کے اندر داخل ہونا چاہے تو کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو سکے۔

اس روز ثمینہ نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی تھی کہ اللہ دتہ پھاٹک کے باہر آ کر بار بار ڈیرے کی طرف دیکھتا رہا تھا۔ جس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اس کی بے چینی بڑھ رہی تھی۔

تین دن گزر گئے۔ اس روز دوپہر کے وقت جب ثمینہ پانی لینے گئی تھی تو ہلکی بارش ہوئی تھی۔ اللہ دتہ اور اس کا ایک ساتھی گیٹ کے ساتھ والے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جبکہ تیسرا ساتھی کاٹیج کے برآمدے میں بیٹھا ہوا تھا۔ ثمینہ پانی بھرنے کے لئے کمرے کے پچھلی طرف نل کے پاس گئی تو اللہ دتہ بھی اس کے پیچھے ہی آ گیا تھا۔ حسب معمول اس نے ثمینہ کے ایک دو چٹکیاں کاٹیں۔ ذومعنی جملے کہے پھر بولا۔

"اگر بارش تیز ہو گئی تو تم لوگ کیا کرو گے۔ کہاں جاؤ گے تم لوگ۔"

"کیا تم ہمیں یہاں رہنے کی جگہ نہیں دو گے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔"اتنا بڑا بنگلہ ہے اور خالی ہی پڑا رہتا ہے۔"

"اوئے بنگلہ کیا تمہارے لئے میرے دل میں جگہ ہے۔" اللہ دتہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔"تم اکیلی جب چاہو یہاں آسکتی ہو۔ آج رات کو آ جانا۔ میں تمہیں اندر سے بنگلہ دکھاؤں گا۔"

"میرے مرد کو پتا چل گیا نا تو وہ مجھے مار ڈالے گا۔" ثمینہ نے کہا۔"وہ تو پہلے ہی کہتا ہے کہ پانی لینے کے لئے اکیلی یہاں کیوں آتی ہوں۔"

"آج رات موقع ملے تو آ جانا۔ میں انتظار کروں گا۔" اللہ دتہ نے کہا۔

اور یہ محض اتفاق کی بات تھی کہ اس رات آٹھ بجے دوبارہ ہلکی بارش شروع ہو گئی۔ وہ لوگ چھولداریوں میں بیٹھے رہے۔ نو بجے کے قریب بارش میں تیزی آ گئی۔

"تیار ہو جاؤ۔ ہم لوگ احاطے کے اندر جا رہے ہیں۔" ثمینہ نے کہا۔

وہ لوگ اپنی گدڑیاں وغیرہ سمیٹ کر تیار ہو گئے۔ ثمینہ نے بھی ایک گدڑی اٹھا کر ان کے آگے آگے چل پڑی۔ بارش خاصی تیز ہو گئی تھی۔ گیٹ کے سامنے پہنچ کر ثمینہ زور زور سے دروازہ دھڑ دھڑانے لگی۔ تھوڑی ہی دیر بعد دروازہ کھل گیا۔ وہ اللہ دتہ ہی تھا۔

"بارش تیز ہو گئی ہے۔ ہمیں آج رات تھوڑی جگہ دیدو۔" ثمینہ بولی۔

"آؤ ..... آؤ۔ اندر آجاؤ۔" اللہ دتہ فوراً" ہی راستے سے ہٹ گیا۔ وہ سب لوگ اندر آ گئے۔ اللہ دتہ نے دروازہ بند کر دیا۔ اس کے دوسرے ساتھی بھی گیٹ کے ساتھ والے کمرے سے نکل کر آئے تھے۔ اللہ دتہ، ثمینہ اور اس کے ساتھیوں کو کاٹیج کے برآمدے میں لے آیا۔ اس دوران وہ سب لوگ بھیگ گئے تھے۔ ان کے کپڑوں سے پانی نچڑ رہا تھا۔

اس دوران اللہ دتہ کے دوسرے ساتھی بھی وہاں آ گئے۔ وہ ہوس بھری نظروں سے ان دونوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔

بارش کی بوچھاڑ ترچھی تھی جس سے برآمدے میں بھی پانی آ رہا تھا۔

"اوئے قادر۔" اللہ دتہ نے ایک ساتھی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"دروازہ کھول کر اندر پڑا ہوا قالین سمیٹ دے۔ برآمدے میں تو یہ لوگ بھیگتے رہیں گے۔"

"اگر کوئی آگیا تو ....." قادر نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اتنی تیز بارش میں کون آئے گا۔" اللہ دتہ نے کہا۔"تو دروازہ کھول۔ اگر کوئی آگیا تو میں جواب دے دوں گا۔"

قادر نے جیب سے چابی نکال کر دروازہ کھول دیا اور اندر داخل ہو کر فرش پر بچھا ہوا قالین سمیٹنے لگا۔ قالین سمیٹ کر اس نے ٹیوب لائٹیں جلا دی تھیں۔ اللہ دتہ انہیں اندر لے آیا۔

"یہاں گدڑیاں بچھا کر بیٹھ جاؤ۔ ہم ابھی آتے ہیں۔" اللہ دتہ نے کہا۔ وہ لوگ برآمدے میں جا کر کھڑے ہو گئے اور آپس میں کھسر پھسر کرنے لگے۔

"ان لوگوں کو تم نے اندر بلا لیا ہے لیکن ان کے ساتھ جو آدمی ہیں ان کا کیا کرو گے؟" قادر نے سرگوشی کی۔

"ان کا بھی بندوبست کر لیں گے۔" اللہ دتہ نے کہا۔"ابھی انہیں ذرا ٹکنے تو دو۔ آج یہ

aazzamm@yahoo.com

دونوں لونڈیاں بچ نہیں سکیں گی۔"

اندر نولکھا وغیرہ نے گدڑیاں فرش پر بچھا دی تھیں۔ ان کے بھیگے ہوئے کپڑوں کی وجہ سے گدڑیاں بھی بھیگ گئی تھیں اس دوران اللہ دتہ دوبارہ اندر آ گیا۔ وہ نولکھا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"میں دو کمرے کھول دیتا ہوں کپڑوں کا پانی نچڑ جائے تو اندر جا کر آرام سے بستروں پر لیٹ کر سو جانا۔"

"مہربانی مائی باپ۔" نولکھا نے متشکرانہ انداز میں کہا۔

اللہ دتہ نے دو کمروں کے دروازے کھول دیئے تھے۔ کچھ دیر بعد نولکھا' عثمان اور طفیل اس کے ساتھ کمرے میں چلے گئے۔ اللہ دتہ نے باہر نکلتے ہوئے بڑی پھرتی سے دروازہ بند کر کے باہر سے کنڈا لگا دیا۔ عثمان وغیرہ اندر سے دروازہ دھڑ دھڑانے لگے۔

"شور مچاتے رہو۔ بارش میں آواز کوئی نہیں سنے گا۔" اللہ دتہ چیخا۔

برآمدے میں کھڑے ہوئے قادر اور اس کا ساتھی بھی ہال کمرے میں آ گئے تھے۔ وہ تینوں ثمینہ اور شاہ پری کی طرف بڑھنے لگے وہ دونوں خوفزدہ انداز میں پیچھے ہٹنے لگیں۔ رضیہ بڑھیا کے بھیس میں تھی۔ اس کی طرف کسی نے توجہ نہیں دی تھی۔ نرس رضیہ نے موقع پا کر اپنی گدڑی میں سے پستول نکال کر ہوائی فائر کر دیا۔ اسے یقین تھا کہ بارش کے شور میں گولی کی آواز اس کاٹیج سے باہر نہیں نکلی ہو گی۔ اللہ دتہ وغیرہ بھی فائر کی آواز سن کر چونک گئے تھے۔

"ہاتھ اٹھا لو تم لوگ۔ اگر کسی نے اپنی جگہ سے حرکت کی تو گولی مار دوں گی۔" نرس رضیہ غرائی۔

ان تینوں نے ہاتھ اٹھا دیے۔ انہیں افسوس ہو رہا تھا کہ وہ اپنی رائفلیں گیٹ کے ساتھ والے کمرے ہی میں چھوڑ آئے تھے۔ ثمینہ نے دوڑ کر کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ عثمان وغیرہ باہر آ گئے۔ ان تینوں کے ہاتھوں میں پستول تھے۔

"باندھ دو ان حرامزادوں کو۔" نولکھا چیخا۔

عثمان اور طفیل قادر اور اس کے ساتھی کو باندھنے لگے۔ رسیاں ان کی گدڑیوں میں موجود تھیں۔ اللہ دتہ ہاتھ اٹھائے ایک طرف کھڑا تھا۔ عثمان قادر کو باندھنے کے بعد جیسے ہی اس طرف بڑھا اللہ دتہ نے اس پر چھلانگ لگا دی۔ عثمان بے خبری میں اس کی زد میں آ گیا۔ وہ نیچے گرا تھا لیکن اس نے فوراً" یہ پستول نکال لیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود اسے فائر کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ اللہ دتہ نے اس کے پستول والے ہاتھ پر ہاتھ ڈال دیا۔ ان دونوں میں پستول کے لئے کشمکش

ہونے لگی۔

ثمینہ اور نولکھا وغیرہ دلچسپ نظروں سے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ دفعتاً" کمرے میں فائر کی آواز گونجی۔ اس کے ساتھ ہی عثمان کی چیخ بھی سنائی دی تھی۔ دونوں کی کشمکش میں ٹرائیگر دب جانے سے گولی چل گئی تھی جو عثمان کے سینے میں عین دل کے مقام پر پیوست ہو گئی تھی۔

اللہ دتہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ نولکھا وغیرہ نے اسے فوراً" ہی چاروں طرف سے پستولوں کی زد میں لے لیا۔ اللہ دتہ کو اپنا پستول پھینکنا پڑا۔ اور پھر وہ بڑی حیرت سے عثمان کی لاش کو دیکھنے لگا۔ دھینگا مشتی میں عثمان کی مکھے دار مونچھیں اتر گئی تھیں اور وہ ٹھوڑی پر لٹکی ہوئی تھیں۔ اللہ دتہ نے جھک کر وہ مونچھیں کھینچ لیں۔

"تھانیدار عثمان!" اس کے منہ سے حیرت سے نکلا۔

"اگر تم نے اسے پہچان لیا ہے تو مجھے بھی پہچان لو۔ میں ثمینہ ہوں۔" ثمینہ نے کہا۔ "ڈرو نہیں۔ ہم تم میں سے کسی کو ماریں گے نہیں۔ تم لوگوں سے ہماری کوئی دشمنی نہیں ہے۔ لیکن اگر تم اپنی جان گنوانا نہیں چاہتے تو تہ خانے کا راستہ بتا دو۔ انکار کی صورت میں تمہاری کھوپڑی اڑ جائے گی۔" ثمینہ نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول کو حرکت دی۔

اللہ دتہ کی آنکھوں میں الجھن تیر گئی۔ لیکن اسے تہ خانے کا راستہ تو بتانا ہی پڑا۔ وہ انہیں ایک کمرے میں لے گیا اور دیوار میں نصب الماری کے پیچھے تہ خانے کا خفیہ راستہ کھول دیا۔

تہ خانے میں ہیروئن کے پیکٹ بھرے ہوئے تھے۔ ثمینہ کے اندازے کے مطابق وہ ہیروئن ایک ٹن سے کم نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ سب مل کر ہیروئن کے پیکٹ پھاڑ پھاڑ کر زمین پر پھینکنے لگے۔ اس کام میں انہیں ڈیڑھ گھنٹہ لگ گیا۔

گزشتہ دو تین دنوں کے دوران ثمینہ نے بڑی گہرائی سے احاطے کا مشاہدہ کیا تھا۔ برآمدے کے سامنے لان کے قریب بھی ایک نل لگا ہوا تھا اور وہاں لان کو پانی دینے کے لئے تقریباً" سو فٹ لمبا ایک پائپ بھی پڑا تھا۔

ثمینہ نے پائپ کا ایک سرا نلکے میں پھنسا کر نلکا کھول دیا اور دوسرا سرا لے کر تہ خانے میں آ گئی۔ پانی کی دھار خاصی موٹی اور تیز تھی۔ وہ ہیروئن کے ڈھیر پر پانی ڈالنے لگی۔

آدھے گھنٹے میں ساری ہیروئن پر پانی پڑ گیا۔ اس نے پائپ ہیروئن کے ڈھیر پر چھوڑ دیا اور وہ لوگ اللہ دتہ کو لے کر تہ خانے سے باہر آ گئے۔ تہ خانے کا دروازہ کھلا چھوڑ دیا گیا تھا۔

"آ میرے عاشق۔" ثمینہ اللہ دتہ کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولی۔ "میں تمہیں اپنے پیار کی ڈوری میں اس طرح باندھوں گی کہ بس بندھے رہ جاؤ گے۔"

aazzamm@yahoo.com

نولکھا اللہ دتہ کو پستول کی زد پر لئے رہا اور ثمینہ نے اللہ دتہ کو بھی باندھ کر فرش پر ڈال دیا۔

"چلو ہمارا کام ختم ہو گیا۔" ثمینہ بولی۔ "حاجی کو اطلاع مل گئی تو اس مرتبہ وہ یقیناً" پاگل ہو جائے گا۔"

وہ کچھ دیر انسپکٹر عثمان کی لاش کی طرف دیکھتے رہے۔ اچھا ہی ہوا تھا کہ وہ ان کے ہاتھوں نہیں مرا تھا۔

باہر والے پھاٹک سے نکلنے سے پہلے نرس رضیہ نے اپنی سفید بالوں والی وگ اتار کر پھینک دی تھی۔

وہ لوگ پھاٹک سے نکل کر سڑک پر آ گئے اور موسلادھار بارش میں راوی کے پل والے چوک کی طرف چلنے لگے۔

○

Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

Scanned By:
Azam & Ali

بارش تیز ہو گئی تھی۔

وہ لوگ پانی میں بھیگتے ہوئے راوی کے پل والے چوک پر پہنچ گئے۔ عام طور پر یہاں سڑک پر لوگوں کا ہجوم رہتا تھا۔ شہر سے باہر جانے والی بسیں بھی کھڑی رہتی تھیں۔ لیکن اس وقت کوئی بس نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس سڑک کے موڑ پر ایک پٹرول پمپ تھا اور چند دکانیں تھیں جن میں دو تین ہوٹل بھی تھے۔ جو لوگ بارش شروع ہونے سے پہلے بسوں کے انتظار میں سڑک پر کھڑے تھے وہ بارش سے بچنے کے لیے ہوٹلوں' دکانوں کے سائبانوں اور پٹرول پمپ کے لمبے چوڑے شیڈ کے نیچے پناہ لیے ہوئے تھے۔

ثمینہ اور نولکھا وغیرہ بھی پٹرول پمپ کے شیڈ کے نیچے آ گئے۔ نرس رضیہ بڑھیا کے بہروپ میں تھی۔ اس کے بال برف کی طرح سفید تھے۔ اس نے سرخ پھولوں والی چھینٹ کا ڈھیلا ڈھالا سا کرتا اور بڑے گھیر والی شلوار پہن رکھی تھی۔ جبکہ ثمینہ اور شاہ پری نے سیاہ وائل کی قمیص اور سفید شلواریں پہنی ہوئی تھیں۔ آس پاس کھڑے ہوئے لوگ للچائی ہوئی نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ثمینہ کی چنری بھی پانی میں تر ہو رہی تھی۔ وہ چنری اتار کر اسے نچوڑنے لگی تو کچھ دور کھڑا ہوا ایک آدمی چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اس کے قریب آ گیا۔ ثمینہ اچھی طرح جانتی تھی کہ بنجارنوں اور خانہ بدوش قسم کی عورتوں کے ساتھ لوگ کس قسم کا سلوک کرتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس قبیل کی عورتیں گھناؤنا دھندہ بھی کرتی تھیں۔ چند روپوں کے لیے اپنے آپ کو غیرمردوں کے حوالے کر دینے میں کوئی عار نہیں سمجھتی تھیں لیکن سب ہی عورتیں تو ایسی نہیں ہوتیں۔ انہی میں بعض عورتیں تو اپنی عزت کے لیے جان تک کی بازی لگا دیتی ہیں اور ثمینہ تو ظاہر ہے بنجارن نہیں تھی۔ اسے لوگوں کی اس قسم کی حرکتیں برداشت کرنا تھیں اور چبھتے ہوئے جملے سننے تھے۔ لیکن اس وقت وہ اس شخص کی نظریں برداشت نہیں کر سکی تھی۔

"کیا بات ہے رے؟" وہ اس شخص کو گھورتے ہوئے بولی۔ "تمہارے گھر میں ماں بہن نہیں ہے کیا؟"

"میں تو اکیلا رہتا ہوں۔ اگر تم چلی چلو تو میرے گھر میں تھوڑی دیر کے لیے رونق ہو جائے

aazzamm@yahoo.com

گی۔ جو مانگو گی دوں گا۔" "اچھا۔ یہ بات ہے۔" ثمینہ نے کہتے ہوئے چنری نچوڑ کر سر پر ڈال لی اور اچانک ہی اس شخص کے منہ پر طمانچہ جڑ دیا۔

چٹاخ کی آواز سن کر آس پاس کھڑے ہوئے لوگ اس طرف متوجہ ہوگئے۔ اس شخص کو غالباً" ثمینہ کے اس رویے کی توقع نہیں تھی۔ وہ ایک دم بدحواس سا ہوگیا اور پھر اس نے سنبھلنے میں بھی زیادہ دیر نہیں لگائی تھی۔

"تیری یہ مجال۔ گشتی۔ رنڈی۔" اس نے طیش میں آکر غراتے ہوئے ثمینہ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

ثمینہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"گشتی ہوگی تیری ماں ..... رنڈی ہوگی تیری بہن۔" وہ غرائی۔ "کیا سمجھتا ہے تو اپنے آپ کو ..... بہت جوانی آگئی ہے تیرے میں۔ میں ابھی تجھے بتاتی ہوں تیرے اندر کتنی مردانگی ہے ....."

ثمینہ نے اس شخص کی کلائی مروڑ دی۔ اس شخص کو یوں لگا جیسے اس کی کلائی آہنی شکنجے میں جکڑی گئی ہو۔ اس کے چہرے پر کرب کے تاثرات ابھر آئے اور وہ اپنی کلائی چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔

طفیل قریب ہی کھڑا تھا۔ اس نے لپک کر اس شخص کو گریبان سے پکڑ لیا۔ نولکھا بھی قریب آگیا۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ اس شخص کے دو تین ہاتھ بھی جڑ دیئے۔ جسامت اور حلیے سے وہ کسی خانہ بدوش قبیلے کا سردار ہی لگتا تھا۔ بنجاروں والا لباس' سر پر بندھا ہوا رومال اور گلے میں موٹے موٹے رنگ برنگے موتیوں والی تین چار مالائیں' بڑی بارعب شخصیت تھی اس کی۔

"حیا کر اوئے۔" وہ اس شخص کو ایک اور ہاتھ جڑتے ہوئے بولا۔ "تم جیسے بے غیرتوں نے تو شریف لوگوں کی زندگی حرام کر رکھی ہے۔ تو کیا سمجھتا ہے ہم جیسے بنجاروں کی کوئی عزت نہیں ہوتی۔ ہم غریب ضرور ہیں لیکن تم سے زیادہ عزت دار ہیں۔ ہم اپنی عورتوں کی طرف میلی نظروں سے دیکھنے والوں کی آنکھیں نکال لیتے ہیں۔"

کچھ اور لوگ بھی اردگرد جمع ہوگئے تھے۔ بعض لوگ تو اس شخص کو برابھلا کہہ رہے تھے اور بعض ثمینہ وغیرہ پر ہی جملے کس رہے تھے۔

بات بڑھ رہی تھی لیکن دو تین سنجیدہ اور بردبار قسم کے آدمیوں نے معاملہ رفع دفع کرا دیا۔ وہ نوجوان جس نے ثمینہ کو چھیڑنے کی کوشش کی تھی بارش کے رکنے کا انتظار کیے بغیر انہیں دھمکیاں دیتا ہوا موٹرسائیکل پر سوار ہوکر چلا گیا۔ نولکھا ثمینہ وغیرہ کو لے کر ایک طرف کھڑا ہوگیا

اور مسلسل بڑبڑاتا رہا۔

بارش کسی طرح رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ بلکہ اس میں کچھ اور شدت آگئی تھی۔ ثمینہ وغیرہ کو اندیشہ تھا کہ اگر حاجی کے آدمیوں میں سے کوئی بند روڈ والے اس احاطے میں پہنچ گیا تو معاملہ گڑبڑ ہو جائے گا۔ ان کے دلوں میں طرح طرح کے وسوسے آرہے تھے۔ اس اڈے کی تباہی کا راز کھل جانے کے بعد حاجی کے آدمی اس طوفانی بارش میں بھی ان کی تلاش شروع کر دیں گے۔

ثمینہ وغیرہ ایسی جگہ پر کھڑے تھے جہاں سے بند روڈ پر نگاہ رکھی جا سکے۔ بارش تیز ہونے کے باوجود سڑکوں پر تھوڑا بہت ٹریفک جاری تھا۔ لیکن گاڑیوں کی رفتار بہت کم تھی۔ وہ لوگ بند روڈ کی طرف سے آنے والی ہر گاڑی کو بڑی توجہ سے دیکھ رہے تھے۔

سفید رنگ کی ایک کار کو بند روڈ کی طرف سے آتے دیکھ کر نولکھا چونک سا گیا۔ وہ گہری نظروں سے اس کار کو دیکھتا رہا۔ کار کی رفتار بہت کم تھی۔ اور بالآخر وہ کار پٹرول پمپ سے پہلے ایک ہوٹل کے ساتھ رک گئی۔ اس میں سے دو آدمی اتر کر ہوٹل میں داخل ہوگئے۔ چند منٹ بعد بھی وہ ہوٹل سے باہر نہیں نکلے تو نولکھا نے اطمینان کا سانس لیا۔ اگر وہ حاجی کے آدمی ہوتے تو ہوٹل میں رکے رہنے کے بجائے ادھر ادھر گھوم کر انہیں تلاش کرتے یا ان کے بارے میں لوگوں سے پوچھ گچھ کرتے۔

ایک گھنٹہ گزر گیا۔ اور بالآخر بارش کا زور ٹوٹ گیا۔ مزید پندرہ بیس منٹ بعد صرف پھوار سی باقی رہ گئی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد اڈے سے چلنے والی بسیں بھی وہاں رکنا شروع ہوگئیں اور لوگ بھی ہوٹلوں اور دکانوں سے نکل نکل کر سڑک پر آنے لگے۔

"کیا خیال ہے چلا جائے؟" نولکھا نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔

"ہاں۔ کافی دیر ہو چکی ہے۔ اب یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ اگر وہ راز کھل گیا تو ہماری تلاش شروع ہو جائے گی اور ہم مشکل میں پڑ جائیں گے۔"

وہ لوگ اٹھ کر پٹرول پمپ کے شیڈ سے باہر آگئے۔ نولکھا وغیرہ اب بھی مڑمڑ کر بند روڈ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ آسمان سے برسنے والی پھوار بھی اب بالکل بند ہو چکی تھی لیکن آسمان پر جمے ہوئے سیاہ بادلوں کے پرے' گھن گرج اور چمکتی ہوئی بجلی یہ اطلاع دے رہی تھی کہ مزید بارش ہوگی اور بہت خوفناک ہوگی۔

چند منٹ بعد بند روڈ کی طرف سے آنے والی ایک ٹیکسی وہاں رکی۔ ٹیکسی کی چھت پر سامان لدا ہوا تھا۔ دو عورتیں' ایک آدمی اور دو بچے ٹیکسی سے اترے' انہوں نے جیسے ہی سامان اتارا

aazzamm@yahoo.com

نولکھا ٹیکسی کے قریب پہنچ گیا۔

"کیوں بھئی۔ ٹیشن چلنا ہے۔" اس نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔

"ڈرائیور نے پہلے نولکھا اور پھر اس کے پیچھے کھڑی ہوئی ثمینہ وغیرہ کی طرف دیکھا۔

"سب لوگ جاؤ گے؟" اس نے پوچھا۔

"سارے ہی جائیں گے کسی کو یہاں تو نہیں چھوڑ جانا۔" نولکھا نے کہا۔

"میٹر سے پانچ روپے زیادہ ہوں گے۔" ڈرائیور بولا۔

"لے لینا یار۔" نولکھا نے جواب دیا۔

شاہ پری اس وقت سب سے آگے کھڑی تھی۔ ڈرائیور نے پسنجرز سیٹ کا دروازہ کھول دیا اور شاہ پری کو بیٹھنے کا اشارہ کیا لیکن سفید بالوں والی رضیہ اس سے پہلے ہی آگے بڑھ کر بڑے ٹھسے سے اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ ڈرائیور کے چہرے کے تاثرات بگڑ گئے۔

نولکھا' طفیل' ثمینہ اور شاہ پری پچھلی سیٹ پر ٹھس کر بیٹھ گئے۔ ڈرائیور نے اپنی سیٹ پر بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کر دیا اور ٹیکسی آگے بڑھا دی۔

عام حالات میں وہ بیس پچیس منٹ میں ریلوے اسٹیشن پہنچ جاتے لیکن ایک ڈیڑھ گھنٹے کی بارش سے شہر کی بعض سڑکیں دریائے راوی کا منظر پیش کر رہی تھیں ٹریفک بھی بے ڈھنگا تھا جس وجہ سے انہیں ریلوے سٹیشن پہنچنے تک ایک گھنٹہ لگ گیا تھا۔

ریلوے اسٹیشن کے قریب ٹیکسی سے اترتے ہی آسمان سے پھر پھوار برسنا شروع ہو گئی۔ ثمینہ اور شاہ پری کو لوگ گھور گھور کر دیکھ رہے تھے۔ وہ لوگوں کی نظروں کی پروا کیے بغیر مسافر خانے والے شیڈ میں داخل ہو گئے اور راستہ بناتے ہوئے سیڑھیوں پر پہنچ گئے۔

یہ سیڑھیاں ریلوے سٹیشن کے تمام پلیٹ فارموں اور ریلوے یارڈ کے اوپر سے ہوتی ہوئی دوسری طرف جی ٹی روڈ تک چلی گئی تھیں۔ یہ پل صرف پیدل آنے جانے والوں کے لیے تھا تاہم سائیکل سوار بھی یہ پل استعمال کرتے تھے۔

وہ لوگ پل پر چلتے رہے۔ شاہ پری ایک جگہ رک گئی اور جنگلے پر جھک کر ٹرینوں کو آتے جاتے دیکھنے لگی۔

"کیا دیکھ رہی ہو؟" ثمینہ نے اس کے قریب رک کر پوچھا۔

"مجھے یہ سب کچھ دیکھ کر حیرت ہو رہی ہے۔" شاہ پری نے جواب دیا۔ "یہاں تم لوگوں نے اتنی ترقی کر لی ہے اور ہمارے ملک میں لوگ بسوں اور ٹرکوں کے سوا کسی اور سواری کو نہیں جانتے۔ یا پھر چند سال پہلے ان کی زندگی میں ٹینک داخل ہوئے تھے۔ جب روسی ٹینک افغانستان

میں آئے تو لوگ انہیں دیکھ کر بہت حیران ہوئے تھے۔ لیکن جب ان ٹینکوں نے آگ اور موت برسانی شروع کی تو ....." وہ گہرا سانس لیتے ہوئے خاموش ہو گئی۔

"اب تو وہاں روسی نہیں تمہارے ہی لوگ ایک دوسرے پر موت برسا رہے ہیں۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "میں جانتی ہوں تمہیں اپنے وطن سے محبت ہے۔ وطن کی محبت کبھی دل سے نہیں نکلتی۔ لیکن اب تو تم اسی ملک کو اپنا وطن سمجھو۔ یہ ملک بہت خوبصورت ہے۔ خدا نے بڑی نعمتیں بخشی ہیں ہمیں۔ آجکل تو ہم لوگ حاجی کی وجہ سے ذرا اپ سیٹ ہیں۔ حاجی کا قصہ ختم ہو جائے تو تم آزادی سے گھوم پھر سکو گی۔ پھر صحیح معنوں میں یہاں کی زندگی کا لطف اٹھاؤ گی۔ اب چلو۔ وہ لوگ آگے نکل گئے ہیں۔" ثمینہ نے نولکھا وغیرہ کی طرف اشارہ کیا جو تقریباً" بیس گز آگے جا چکے تھے۔

شاہ پری نے مڑ کر دیکھا اور پھر ثمینہ کے ساتھ چلنے لگی۔ نولکھا اور طفیل اگلے مہینے لاہور میں لگنے والے میلے کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے جا رہے تھے۔ رضیہ بھی ان کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔

وہ سب سیڑھیاں اتر کر سڑک پر آ گئے۔ سیڑھیوں کے عین سامنے سڑک کے کنارے تانگہ اسٹینڈ تھا جہاں تین چار تانگے کھڑے تھے۔ بارش کی وجہ سے یہاں اتنا کیچڑ ہو چکا تھا کہ پیر اندر دھنسے جا رہے تھے۔ اس کیچڑ میں گٹر کا پانی اور گھوڑوں کی غلاظت بھی شامل تھی۔ بدبو کے بھبکے اٹھ رہے تھے۔ یہاں سے گزرتے ہوئے بھی متلی سی آ رہی تھی لیکن سیڑھیوں کے قریب تانگہ اسٹینڈ کے بالکل سامنے ریلوے لائن کی دیوار کے ساتھ ایک تندور تھا اور چائے کی دکان تھی۔ تین چار مزدور قسم کے آدمی وہاں بیٹھے چائے بھی پی رہے تھے اور کھانا بھی کھا رہے تھے۔ شاید انہیں کیچڑ اور بو سے کسی قسم کی گھن نہیں آ رہی تھی۔

"سو بنیو! کتھے جانا ہے۔ آؤ بیٹھو۔ تانگہ تیار کھڑا ہے۔" ایک کوچوان نے آگے بڑھ کر ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اس انداز مخاطب پر ثمینہ کھول کر ہی تو رہ گئی۔ آوے کا آوہ ہی بگڑا ہوا تھا۔ یہ معاشرتی کمزوریاں تھیں۔ اپنے سے کمتر کو قابل اعتنا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بنجاروں اور خانہ بدوشوں کی تو کوئی عزت ہی نہیں تھی۔ ان کی عورتوں کو بکاؤ مال سمجھ کر ہر شخص ان پر ہاتھ صاف کرنے کے چکر میں تھا۔ ان سے فحش مذاق اور چھیڑ چھاڑ کو تو گویا ہر شخص اپنا حق سمجھتا تھا۔

سامنے کھڑے ہوئے تانگے باغبانپورہ کی طرف جانے والے تھے جبکہ ان لوگوں کو گھوڑے شاہ کی طرف جانا تھا۔ وہ لوگ سڑک پار کر کے سامنے والی گلی کے موڑ پر آ گئے۔ سلطان پورہ' تیزاب

aazzamm@yahoo.com

احاطہ چوک اور گھوڑے شاہ کی طرف تانگے یہیں سے چلتے تھے۔ اس وقت موڑ پر دو تانگے کھڑے تھے۔ آگے والے تانگے کی اگلی سیٹ پر ایک بوڑھا بیٹھا ہوا تھا۔ نولکھا اور طفیل اس بوڑھے کے ساتھ آگے والی سیٹ پر بیٹھ گئے اور ثمینہ وغیرہ پچھلی سیٹ پر۔ کوچوان نے پائیدان پر ٹک کر گھوڑے کو ہانک دیا۔

وہ لوگ گھوڑے شاہ کے مزار کے سامنے تانگے سے اتر گئے۔ وہاں کچھ اور سواریاں مل گئی تھیں اور تانگہ آگے چاہ میراں کی طرف چلا گیا تھا۔

اس وقت بارش رک گئی تھی۔ لیکن ان کے لباس پانی میں تر ہو رہے تھے۔ وہ چند منٹ مزار کے سامنے کھڑے رہے۔ قبرستان کے کنارے پر ایک چھوٹا سا مزار تھا جس پر ایک بہت گھنا درخت سایہ کیے ہوئے تھا۔ بزرگ کی قبر کے گرد تقریباً" چار فٹ اونچی چار دیواری تھی۔ قبر پر اس کے اطراف میں اور چار دیواری پر مٹی کے بنے ہوئے چھوٹے چھوٹے گھوڑوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔

سڑک پر دور دور تک کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ وہ لوگ باغبانپورہ کی طرف جانے والی سڑک پر چلنے لگے۔ اور تقریباً" پندرہ منٹ بعد کوٹھی میں پہنچ گئے۔

گیٹ کے ذیلی دروازے کو ایسا کنڈا لگا ہوا تھا جسے باہر سے بھی کھولا جا سکتا تھا۔ نولکھا نے کنڈا کھولا اور وہ لوگ اندر داخل ہوگئے۔

گاڑی اندر موجود نہیں تھی۔ نولکھا نے شارق کو دو تین آوازیں دیں مگر کوئی جواب نہیں ملا۔ کوٹھی کے تمام دروازے کھلے ہوئے تھے۔ لیکن شارق موجود نہیں تھا۔

"کہاں چلا گیا شارق باؤ۔" نولکھا بڑبڑایا۔ وہ سب اس وقت مرکزی ہال میں کھڑے تھے۔

"ایسا تو نہیں کہ ہمارے بعد پولیس نے یا حاجی کے آدمیوں نے یہاں ریڈ کیا ہو؟" ثمینہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولی۔

"یہاں ایسے آثار تو نظر نہیں آتے۔" نولکھا نے کہا۔ "شارق باؤ ایسا تو نہیں ہے کہ آسانی سے کسی کے قابو میں آجائے۔"

"تو پھر وہ کہاں گیا؟" اس مرتبہ شاہ پری نے لب کشائی کی تھی۔

"یہ سوچنے کی بات ہے۔ وہ دروازے کھلے چھوڑ کر کہاں جا سکتا ہے۔" ثمینہ نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی۔ "دروازے کھلے ہونے کے علاوہ ایسی اور کوئی بات نظر نہیں آتی جس سے کسی قسم کے خطرے کی بو آتی ہو۔ میرا خیال ہے کہ شارق کسی کام سے کہیں قریب ہی گیا ہوگا اور دروازے اس خیال سے کھلے چھوڑ گیا ہوگا کہ اس کی عدم موجودگی میں ہم واپس

آجائیں تو پریشان نہ ہوں۔ لیکن بہرحال' جب تک صورتحال واضح نہیں ہو جاتی ہمیں محتاط ہی رہنا چاہیے۔ طفیل!" وہ اس کی طرف مڑ گئی۔ "تم گیٹ کے پاس کھڑے رہو۔ ہم کپڑے بدل لیں۔"

طفیل ہال سے نکل کر گیٹ کی طرف چلا گیا۔ اس نے جیب سے پستول نکال کر ہاتھ میں پکڑ لیا تھا۔ اس کا لباس بھیگا ہوا ہونے کی وجہ سے پستول بھی پانی میں تر ہو رہا تھا۔ اسے یقین نہیں تھا کہ بوقت ضرورت یہ پستول چلے گا یا نہیں۔ بہرحال دل کی تسلی کے لیے ہاتھ میں یہ ہتھیار موجود رہنا ہی کافی تھا۔

ثمینہ اپنے کمرے میں گھس گئی۔ رضیہ اور شاہ پری دوسرے کمرے میں چلی گئی تھیں۔ نولکھا بھی اپنے کمرے میں گھس گیا تھا۔

تقریباً" دس منٹ بعد ثمینہ کپڑے بدل کر کمرے سے باہر نکلی تو ہال میں رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ وہ چند لمحے سوچتی رہی پھر آگے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو۔" وہ آواز بدلنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

"میں نے تمہاری آواز پہچان لی ہے ثمینہ۔ میں شارق ہوں۔" ہیلو کے جواب میں دوسری طرف سے شارق کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"ارے۔ کہاں غائب ہو تم۔" ثمینہ جلدی سے بولی۔ "گھر کے تمام دروازے کھلے ہوئے ہیں اور تمہیں نہ پاکر ہم پریشان ہو رہے تھے۔"

"ارے پریشان تو میں ہوگیا تھا۔" شارق کی آواز سنائی دی۔ "بارش تیز ہوئی تو مجھے یہ پریشانی ہوئی کہ تم لوگوں کا کیا ہوگا۔ میں تم لوگوں کو لینے کے لیے گھر سے نکلا تھا اور دروازے اس لیے کھلے چھوڑ گیا تھا کہ اگر تم لوگ واپس آجاؤ تو کوئی پریشانی نہ ہو۔ بہرحال' تم لوگ جو کار نامہ انجام دے کر گئے ہو اس کا مجھے پتہ چل گیا ہے۔ کچھ دیر پہلے میں نے پیر صاحب کو بڑے غصے کے عالم میں اپنے آدمیوں کے ساتھ احاطے سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔"

"اوہ۔" ثمینہ چونک گئی ۔ "کیا پولیس وہاں پہنچ گئی ہے؟"

"ابھی نہیں۔" شارق نے جواب دیا۔ "میں ٹیلی فون پر تفصیل سے بات نہیں کر سکتا۔ ایک گھنٹے میں پہنچ رہا ہوں۔ آکر سب کچھ بتاؤں گا۔"

"جلدی سے آجاؤ۔ ہم سب بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔" ثمینہ نے کہا۔ اور دوسری طرف سے لائن منقطع ہو جانے پر ریسیور رکھ دیا اور قریب کھڑے ہوئے نولکھا اور شاہ پری کی طرف دیکھنے لگی۔

"شارق کا فون تھا۔ کہاں ہے وہ؟" نولکھا نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

aazzamm@yahoo.com

"وہ ہمیں بارش سے بچانے کے لیے لینے گیا تھا اور اسی لیے دروازے کھلے چھوڑ گیا تھا کہ اگر اس دوران ہم واپس آجائیں تو ہمیں کوئی پریشانی نہ ہو۔" ثمینہ نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی۔ "شارق کے پاس ہمارے لیے ایک سنسنی خیز خبر ہے۔ حاجی کو اپنے اڈے کی تباہی کا پتہ چل گیا ہے۔ یہاں آنے کے بعد شارق تفصیل بتائے گا۔ وہ ایک گھنٹے میں پہنچ جائے گا۔"

"یہ تو واقعی بڑی سنسنی خیز خبر ہے۔" نولکھا بولا۔ "اب ہمیں بے چینی سے شارق کا انتظار ہے۔ وہ آجائے تو تفصیل معلوم ہو۔"

"رضیہ۔ تم چائے بنا لاؤ۔ اس وقت بڑی شدت سے طلب محسوس ہو رہی ہے اور طفیل سے کہہ دو وہ اندر آکر کپڑے بدل لے۔ کہیں اسے ٹھنڈ نہ لگ جائے۔" ثمینہ نے کہا۔ اور ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔

رضیہ اپنے اصل حلیے میں آچکی تھی۔ اس نے کپڑے بھی ڈھنگ کے پہن لیے تھے۔ وہ ثمینہ کی طرف دیکھتی ہوئی کچن میں چلی گئی۔ اس دوران طفیل اندر آگیا۔ وہ سردی سے کانپ رہا تھا۔ اس نے اندر جاکر کپڑے بدلے اور جب باہر آیا تو کمبل اوڑھے ہوئے تھے۔ وہ ایک صوفے میں دھنس گیا۔ سردی سے اس کے دانت بج رہے تھے۔

"اوئے طفیل کیا ہوا ہے تمہیں۔" نولکھا اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "جوان آدمی ہو۔ اتنی سی ٹھنڈ برداشت نہیں کرسکے۔ مجھے دیکھو۔ بوڑھا آدمی ہوں۔ میں بھی تو تمہارے ساتھ ہی تھا۔"

"آپ کی ہڈیاں پرانی ہوچکی ہیں استاد جی۔ ان پر گرمی سردی کا اثر نہیں ہوتا۔" طفیل نے جواب دیا۔

پرانی ہڈیوں والی بات پر ثمینہ مسکرائے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد رضیہ چائے بنا کر لے آئی۔ ٹرے میں پانچ کپ رکھے ہوئے تھے۔ گرم گرم چائے سے بھاپ نکل رہی تھی۔ اس نے ٹرے میز پر رکھی تھی اور ایک کپ اٹھا کر سب سے پہلے نولکھا کی طرف بڑھایا۔

"اسے دو پہلے۔ دیکھو سردی سے کانپ رہا ہے۔" نولکھا نے طفیل کی طرف اشارہ کیا۔ "گرم گرم چائے پی کر شاید ٹھنڈ کم ہو جائے۔"

"میں ابھی اس کی ٹھنڈ کا بھی بندوبست کرتی ہوں۔" رضیہ نے کہتے ہوئے کپ طفیل کے سامنے کافی ٹیبل پر رکھ دیا اور دوسروں کو چائے دینے کے بعد اپنے کمرے میں چلی گئی کچھ دیر بعد واپس آئی تو اس نے ایک گولی طفیل کی طرف بڑھا دی۔

"لو۔ یہ گولی نگل کر چائے پی لو۔ سردی ختم ہو جائے گی۔"

وہ خود نولکھا کے قریب ہی صوفے پر بیٹھ گئی اور اپنا کپ اٹھا کر ہلکی ہلکی چسکیاں لینے لگی۔ چائے پینے کے ساتھ ساتھ وہ لوگ صورتحال پر بھی تبصرہ کرتے جارہے تھے۔

"حاجی کو کیسے اطلاع ملی ہوگی کہ اس کے اڈے پر کوئی کارروائی ہوئی ہے۔" رضیہ نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

"حاجی کو کسی کارروائی کی اطلاع نہیں ملی ہوگی۔" نولکھا نے جواب دیا۔ "اسے معلوم ہے کہ پولیس اسے اور اس کے خفیہ اڈوں کو تلاش کررہی ہے اور پھر باغبانپورہ والا اڈہ تباہ کرنے کے بعد ثمینہ نے بھی اسے کوئی دوسرا اڈہ تباہ کرنے کی دھمکی دی تھی۔ وہ اس دھمکی کو محض گیدڑ بھبکی نہیں سمجھا ہوگا۔ اس نے اپنے ان اڈوں کی حفاظت کے لیے مزید انتظامات کیے ہوں گے۔ ہم نے جب بند روڈ والے احاطے کی نگرانی شروع کی تھی تو وہاں صرف ایک آدمی تھا اور بعد میں ان کی تعداد تین ہوگئی تھی۔ ہو سکتا ہے حاجی ان حفاظتی انتظامات کا جائزہ لینے کے لیے آیا ہو اور وہاں کی صورتحال دیکھ کر بوکھلا گیا ہو۔"

"مجھے افسوس ہے کہ اس کی بوکھلاہٹ نہ دیکھ سکی۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہیں کبھی نہ کبھی ایسا موقع ضرور مل جائے گا۔" نولکھا نے کہا۔ "ابھی تو ہمیں بہت کچھ کرنا ہے۔ ایسا موقع ضرور آئے گا کہ ہم سب اس کی بوکھلاہٹ' نہیں بلکہ اسے پاگلوں کی طرح اپنے سر کے بال نوچتے اور کپڑے پھاڑتے ہوئے دیکھیں گے۔"

"میں تو اس خبیث کو کپڑے پھاڑتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی۔" رضیہ بولی۔

"کیوں .....؟" ثمینہ نے اسے گھورا۔ پھر بولی۔ "اوہ ..... سمجھ گئی ....."

دوسرے بھی شاید رضیہ کی بات کا مطلب سمجھ گئے تھے۔ وہ سب مسکرا دیے۔

گرم گرم چائے پینے اور گولی کھا لینے سے طفیل کی حالت واقعی سنبھل گئی تھی۔ اس کی کپکپی ختم ہوگئی تھی اور اس نے کمبل بھی اتار کر ایک طرف ڈال دیا تھا۔

چائے ختم کرنے کے بعد بھی ان کی باتیں جاری رہیں اور پھر باہر گاڑی کے رکنے کی آواز سن کر طفیل جلدی سے اٹھ کر باہر نکل گیا۔

وہ شارق ہی تھا۔ گاڑی برآمدے کے سامنے کھڑی کرکے وہ اندر آیا تو سب عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔

"تم لوگ چائے پی چکے۔" شارق ثمینہ کے قریب صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "ایک کپ چائے مجھے بھی مل جائے تو اس سنسنی خیز خبر کی تفصیل بتاؤں۔"

aazzamm@yahoo.com

رضیہ جلدی سے اٹھ کر کچن میں چلی گئی اور تھوڑی ہی دیر میں چائے بنا کر لے آئی۔

"میں جب بند روڈ پر پہنچا تو بارش کچھ زیادہ ہی تیز ہوگئی تھی۔" شارق چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے بتانے لگا۔ "اس جگہ کے سامنے سے گزرتے ہوئے میں نے دیکھ لیا کہ سڑک کی ڈھلان پر وہ چھولداریاں خالی تھیں۔ ایک چھولداری تو گر چکی تھی۔ میں سمجھ گیا کہ تم لوگ وہاں سے کسی محفوظ جگہ پر جا چکے ہو۔ میں گاڑی کو آگے نکال لے گیا۔ یتیم خانے کے موڑ سے میں نے گاڑی واپس موڑی اور دوبارہ اس سڑک پر آنے لگا۔ ابھی میں حاجی والے احاطے سے کچھ دور ہی تھا کہ ڈھلان میں سروس روڈ پر سرخ رنگ کی ایک پجیرو کو احاطے کے سامنے رکتے دیکھا۔ میں بڑی پھرتی سے اپنی گاڑی کو سڑک کے دوسری طرف درختوں میں لے گیا۔ اور گاڑی ایسی جگہ روکی جہاں سے میں گاڑی میں بیٹھے بیٹھے احاطے کو دیکھ سکتا تھا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا چائے کی ایک دو چسکیاں لیں اور بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"پجیرو سے دو تین مرتبہ ہارن دیا گیا۔ لیکن اندر سے جب گیٹ نہیں کھولا گیا تو ایک آدمی نے نیچے اتر کر گیٹ کھول دیا اور گاڑی اندر داخل ہوکر برآمدے کے سامنے رک گئی۔ پجیرو سے تین آدمی اتر کے برآمدے میں داخل ہوئے۔ ان میں سے دو کے ہاتھوں میں کلاشنکوف رائفلیں تھیں اور تیسرا حاجی تھا۔ ان کا تیسرا ساتھی وہ تھا جس نے پجیرو سے اتر کر باہر کا گیٹ کھولا تھا اور ایک ڈرائیور تھا جو اپنی سیٹ پر بیٹھا رہا تھا۔

تینوں باڈی گارڈ اور حاجی برآمدے والے دروازے سے اندر داخل ہوگئے۔ اور پھر یوں لگا جیسے وہاں کھلبلی سی مچ گئی ہو۔ دو گن مین باہر آگئے اور دونوں ہاتھوں میں رائفلیں سنبھالے ادھر ادھر دیکھنے لگے حاجی بھی برآمدے میں آگیا لیکن فوراً ہی اندر چلا گیا۔ ایک گارڈ بھی اس کے ساتھ اندر گیا تھا جبکہ دوسرا برآمدے ہی میں کھڑا رہا تھا۔

"ویلا میں بھگدڑ سی مچی ہوئی تھی۔ حاجی اور اس کے ساتھی بار بار اندر اور باہر آجارہے تھے۔ ایک گن مین نے بہت لمبا سا ایک پائپ اندر سے نکال کر باہر پھینکا تھا اور پھر انہوں نے باری باری تین آدمیوں کو اندر سے نکال کر پجیرو میں ڈالا تھا۔ وہ تینوں شاید بے ہوش تھے یا ....." وہ خاموش ہوکر سوالیہ نظروں سے باری باری سب کی طرف دیکھنے لگا۔

"وہ تینوں حاجی کے آدمی تھے اور بے ہوش ہی تھے۔" ثمینہ نے کہا۔ "لیکن کیا تم نے انہیں چوتھے آدمی کو باہر لاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ میرا مطلب ہے لاش۔"

"لاش!" شارق نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "کس کی لاش؟"

"انسپکٹر عثمان کی۔" ثمینہ نے کہا اور پھر تفصیل بتانے لگی کہ وہ کس طرح حاجی کے آدمی کے

ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر گیا تھا۔"

"اوہ۔ عثمان کے بارے میں تو میں پوچھنا بھول ہی گیا تھا۔" شارق نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "اچھا ہوا وہ اپنے انجام کو پہنچ گیا اور ہمیں اس کے خون سے ہاتھ نہیں رنگنے پڑے۔ بہرحال' انہوں نے صرف تین آدمیوں کو گاڑی میں ڈالا تھا۔"

"اگر حاجی انسپکٹر عثمان کی لاش کو وہیں چھوڑ گیا ہے تو اس نے یہ بہت بڑی حماقت کی ہے اور اپنے لیے مزید دشواریاں پیدا کرلی ہیں۔" یہ بات نولکھا نے کہی تھی۔

"آجکل اس سے واقعی پے درپے حماقتیں ہورہی ہیں۔" شارق بولا۔ "[illegible] ذہین آدمی ہے۔ اپنی ذہانت ہی سے اس نے دنیا بھر میں ہیروئن کی تجارت کا نیٹ ورک قائم کررکھا ہے۔ لیکن دنیا کا کوئی ملک اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکا۔ لیکن پے درپے چوٹیں کھانے سے اس کے حواس قابو میں نہیں رہے اور وہ ایسی حرکتیں کررہا ہے جن سے اس کے گرد نہ صرف ہمارا بلکہ قانون کا گھیرا بھی تنگ ہوتا جارہا ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"بہرحال' وہ اپنے تین آدمیوں کو پجیرو میں ڈال کر لے گیا تھا۔ ایک گن مین کو اس نے وہیں چھوڑ دیا تھا۔ ممکن ہے بعد میں وہ اپنے آدمی بھیج دے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ انہیں انسپکٹر عثمان کی لاش وہاں سے ہٹانے کا موقع نہیں ملے گا۔"

"کیوں؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم لوگوں کو فون کرنے کے بعد میں نے علاقے کے ایس پی کو بھی اس احاطے کے بارے میں اطلاع دیدی تھی۔ میرا خیال ہے پولیس نے اب تک وہاں دھاوا بول دیا ہوگا۔ لیکن تم لوگوں نے وہاں کیا کارروائی کی ہے؟"

"ہم نے کیا کارروائی کرنی تھی۔ سارا کام تو پانی کے اس پائپ نے کیا تھا جسے حاجی نے باہر پھنکوایا تھا۔" نولکھا نے کہا۔

"کیا مطلب؟" شارق نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں بتاتی ہوں۔" ثمینہ بولی۔ "ہم نے باغبانپورہ والے اڈے پر ہیروئن کو جلایا تھا تو اس کے زہریلے دھوئیں سے وہاں کے لوگ بری طرح متاثر ہوئے تھے۔ ہیروئن کو آگ لگانا ہماری بہت بڑی غلطی تھی۔ لیکن یہاں ہم نے وہ غلطی نہیں دہرائی۔ الماریوں میں سجے ہوئے ہیروئن کے تمام پیکٹ پھاڑ کر فرش پر پھینک دیئے اور تہہ خانے میں پانی چھوڑ دیا۔ ہم لوگ اس وقت تک تہہ خانے سے باہر نہیں نکلے تھے جب تک ہمیں یقین نہیں ہوگیا تھا کہ ساری ہیروئن پر پانی پھر گیا ہے۔ اس کے بعد ہم نے پائپ وہیں چھوڑ دیا تھا تاکہ ہیروئن پوری طرح پانی میں حل ہو جائے۔"

aazzamm@yahoo.com

"ہم تو حاجی کے لیے ہیروئن کا شربت بنا کر آئے تھے۔" نولکھا بولا۔ "اب پتا نہیں اسے پسند آیا ہو گا یا نہیں۔"

"کاش! ہمیں یہ معلوم ہوتا کہ حاجی کہاں گیا ہے۔ میں اسے فون کرکے اس کی خیریت دریافت کرتی۔" ثمینہ نے حسرت بھرے لہجہ میں کہا۔

"پہلے میں نے سوچا تھا کہ اس کی پجیرو کا تعاقب کرکے اس کا نیا ٹھکانہ معلوم کروں۔ لیکن یہ سوچ کر اس کے پیچھے نہیں گیا کہ اسے کوئی شبہ نہ ہو جائے۔ لیکن یہ کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ شام سے پہلے پہلے اس کے نئے ٹھکانے کا پتا چل جائے گا۔" شارق نے کہا۔

"وہ کیسے؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"شفقت۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ وہی شخص ہے جس کے گھر میں پچھلے دنوں حاجی عبداللہ پناہ لیے ہوئے تھا اور پھر اس نے حاجی کو وہاں سے چلتا کر دیا تھا۔ تمہیں انسپکٹر عثمان کی باتیں یاد ہوں گی۔ اس نے بتایا تھا کہ شفقت حاجی سے کچھ بدگمان سا ہو رہا تھا۔ اس نے اپنی جوان بیٹیوں کا بھی ذکر کیا تھا۔ ہو سکتا ہے کوئی ایسی بات ہوئی ہو جو اسے ناگوار گزری ہو اور اس نے کسی بہانے حاجی کو اپنے گھر سے چلتا کر دیا۔ شفقت سے حاجی کے نئے ٹھکانے کا پتا چل سکتا ہے۔"

"گڈ۔" ثمینہ کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ "شفقت جیسے آدمی سے حاجی کا پتا اگلوانا زیادہ مشکل نہیں ہوگا۔ ٹھیک ہے۔ شام کو ہم دونوں اس کے گھر چلیں گے۔"

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا لڑکی!" نولکھا نے اسے گھورا۔

"میرا دماغ بالکل درست ہے۔" ثمینہ مسکرائی۔ "حاجی کا پتا معلوم کرنے کے لیے اسے اعتماد میں لینا ضروری ہے۔ اس کی جوان بیٹیوں کے حوالے سے میرے ذہن میں ایک ایسی ترکیب آئی ہے جس سے وہ خودبخود زبان کھولنے پر مجبور ہو جائے گا۔"

"اور وہ سب ترکیب کیا ہے؟" نولکھا نے پوچھا۔

ثمینہ چند لمحے خاموش رہی پھر اس نے فوری طور پر ذہن میں آنے والی وہ ترکیب بتا دی اور پھر وہ سب مختلف پہلوؤں سے اس منصوبے کا جائزہ لینے لگے۔

○

حاجی عبداللہ اس رات وسن پورہ میں شفقت کے گھر سے رخصت ہونے کے بعد گلشن راوی کے ایک مکان میں منتقل ہوگیا تھا۔ یہ مکان اس کے ایک بہت چھوٹے کارندے رب نواز کی

ملکیت تھا۔ رب نواز بہت چھوٹا سا کارندہ تھا۔ اس جیسے لوگ حاجی عبداللہ جیسے شخص کے قریب آنے کا تصور بھی نہیں کرسکتے تھے۔ لیکن جب حاجی کے ایک معتمد خاص کرامت نے اسے بتایا کہ حاجی چند روز کے لیے اس کے گھر میں رہنا چاہتا ہے تو اس کی باچھیں کھل گئی تھیں وہ اپنے آپ کو دنیا کا سب سے خوش قسمت آدمی سمجھنے لگا تھا۔

دس بارہ سال پہلے تک گلشن راوی ایک ویرانہ ہوا کرتا تھا۔ پہلے یہاں نوناریاں نام کا ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جسے شہر سے میلوں دور سمجھا جاتا تھا۔ اس سے آگے زرعی زمینیں تھیں جہاں ہری بھری فصلیں ہوا کرتی تھیں۔ ملتان روڈ کے دوسری طرف سمن آباد کے بعد آبادی بڑھی تو لوگ اس طرف کا رخ کرنے لگے۔ پہلے نوناریاں گاؤں کے آس پاس آبادی ہونے لگی اور پھر یہ آبادی پھیلتی چلی گئی۔ زرعی زمینیں غائب ہوگئیں اور ہر طرف پکے مکان بننے لگے۔

رب نواز کا باپ ہائی کورٹ میں ایک وکیل کا منشی تھا۔ اس زمانے میں ان کی رہائش رنگ محل میں تھی۔ اس نے تھوڑی بہت رقم جمع کر رکھی تھی۔ جیسے ہی گلشن راوی میں آبادی شروع ہوئی تو اس نے رنگ محل والا مکان بیچ کر نوناریاں کے سامنے گندے نالے کے دوسری طرف پانچ مرلے کا ایک پلاٹ خرید لیا اور اس پر دو کمرے بنوا لیے۔ اس کے بعد وہ آہستہ آہستہ مکان کی تعمیر مکمل کرتا رہا اور بالآخر دو منزلہ مکان بنانے میں کامیاب ہوگیا۔ پہلے یہ ویران علاقہ سمجھا جاتا تھا لیکن مکان کی تعمیر مکمل ہونے تک' جس میں کئی سال لگے تھے' یہ علاقہ بڑا بارونق ہوگیا۔ آس پاس کے تمام علاقے آباد ہو چکے تھے۔ اس مکان سے تقریباً" ساٹھ ستر گز کے فاصلے پر گندے نالے کی پلیا کے ساتھ ویگنوں کا اسٹاپ بھی بن گیا تھا جس سے شہر کے اندرونی علاقوں تک آمدورفت میں سہولت ہوگئی تھی۔

رب نواز اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس سے پہلے ایک بیٹی تھی جس کا انتقال ہوچکا تھا۔ اکلوتا ہونے کی وجہ سے رب نواز کو ماں باپ کی تمام تر توجہ حاصل تھی۔ ضرورت سے زیادہ لاڈ پیار نے اسے بگاڑ دیا تھا۔ باپ کا خیال تھا کہ وہ اسے وکیل بنائے گا لیکن رب نواز وکیل تو کیا وکیل کا منشی بھی نہ بن سکا۔ باپ نے مار پیٹ کر اسے میٹرک تو کرا دیا تھا لیکن اس سے آگے وہ نہ پڑھ سکا۔ اس نے میٹرک بھی تھرڈ ڈویژن کے سب سے نچلے درجے میں کیا تھا۔ باپ نے کوشش تو بہت کی تھی لیکن اسے کالج میں داخلہ نہ دلا سکا۔ رب نواز کو بھی کالج سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

باپ نے کوشش کی تھی کہ رب نواز کو کسی وکیل کے پاس منشی ہی رکھوا دے۔ لیکن اس میں اتنی قابلیت نہیں تھی۔ ایک وکیل کے پاس ایک مہینے سے زیادہ نہ ٹک سکا۔ اس نے ایک کیس کے فائل کی فوٹواسٹیٹ بنوا کر مخالف وکیل کو دیدی جس کا پتہ چل گیا اور وکیل کے منشی نے

aazzamm@yahoo.com

اسے مار پیٹ کر نکال دیا۔

رب نواز اسی قسم کے کام کرتا رہا۔ باپ نے ذرا سختی شروع کی تو وہ اور بگڑ گیا۔ آوارہ لڑکوں کے ساتھ دن بھر گھومتا رہتا اور پھر اس نے راتوں کو بھی باہر رہنا شروع کر دیا تھا۔

ماں باپ اس کے غم میں گھلے جا رہے تھے۔ اس کی آوارگی کا صرف ایک ہی علاج ان کی سمجھ میں آیا۔ رب نواز کی شادی کر دی گئی۔ عابدہ ایک بہت غریب گھر کی لڑکی تھی۔ بے حد حسین اور سیدھی سادی سی لڑکی تھی جس کی عمر اس وقت اٹھارہ سال سے زیادہ نہیں تھی۔

ماں باپ کا خیال تھا کہ شادی کے بعد رب نواز سدھر جائے گا۔ سر پر ذمے داریوں کا بوجھ پڑے گا تو کوئی ڈھنگ کا کام دھندہ بھی کرنے لگے گا باپ نے اسے بادامی باغ لاری اڈے میں اسپیئر پارٹس کی ایک دکان پر رکھوا دیا تھا لیکن دو مہینے بعد چوری کے الزام میں وہاں سے بھی نکال دیا گیا۔

باپ نے ساری جمع پونجی خرچ کر کے رب نواز کو رکشہ لے دیا۔ رکشہ چلانے میں اس کا کچھ دل لگ گیا۔ اس نے ہیرا منڈی کو اپنا مرکزی اڈا بنا لیا تھا۔ وہ کسی طرف سے بھی گھوم پھر کر ہیرا منڈی پہنچ جاتا۔ یہاں اس کی کچھ ایسے لوگوں سے دوستی ہو گئی جو معاشرے میں پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھے جاتے تھے۔

رب نواز کو رکشہ چلاتے ہوئے چھ مہینے ہو گئے۔ وہ جو کچھ بھی کماتا ادھر ادھر خرچ کر دیتا۔ اسے جوئے کی بھی عادت پڑ گئی تھی۔ ہیرا منڈی ہی میں دوسرے رکشہ ڈرائیوروں کے ساتھ بیٹھ کر جوا کھیلتا۔ کبھی تو اپنا سب کچھ ہار جاتا اور کبھی کچھ جیت بھی جاتا۔ گھر کے اخراجات اس کا باپ پورے کر رہا تھا اس لیے رب نواز کو گھر کی کوئی فکر نہیں تھی۔

اور پھر ایک روز رب نواز کے ماں باپ ٹریفک کے ایک حادثے میں ہلاک ہو گئے۔ سیالکوٹ میں رب نواز کا چچا شدید بیمار تھا۔ اس کے ماں باپ اس کی عیادت کے لیے جا رہے تھے کہ گوجرانوالہ کے قریب بس حادثے کا شکار ہو گئے۔ اس حادثے میں سولہ افراد جاں بحق ہوئے تھے جن میں رب نواز کے ماں باپ بھی شامل تھے۔

رب نواز اب ہر پابندی سے آزاد ہو گیا تھا جب تک ماں باپ زندہ تھے اس کی بیوی عابدہ کو کوئی فکر نہیں تھی۔ لیکن اب اسے بھی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ اخراجات کی تنگی اور دیگر مسائل اس کی صحت کو بھی متاثر کرنے لگے۔ وہ جب اخراجات کے لیے رب نواز سے بات کرتی تو وہ لڑنا شروع کر دیتا۔

اس رات رب نواز دو بجے کے قریب گھر واپس آیا تھا۔ عابدہ اس کے انتظار میں جاگ رہی

تھی۔ اس رات اس نے کچھ کھایا بھی نہیں تھا۔ گھر میں کچھ تھا ہی نہیں تو کھاتی کہاں سے۔

"تم صبح جاتے ہو اور آدھی رات کے بعد لوٹتے ہو۔ تمہیں کچھ گھر کا بھی خیال ہے۔" عابدہ نے رب نواز کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں۔ گھر کو کیا ہوا ہے؟" رب نواز نے اسے گھورا۔

"گھر میں راشن نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ میں نے آج کچھ کھایا بھی نہیں۔ اگر رکشہ چلانے سے کوئی آمدنی نہیں ہو رہی تو اسے بیچ کر کوئی اور کام شروع کیوں نہیں کر دیتے جس سے دو وقت کی روٹی تو چلے۔" عابدہ نے کہا۔

"میں صبح سے رات تک تو گھر سے باہر رہتا ہوں۔ کوئی سواری نہیں ملتی تو کیا کروں۔ کیسے خرچ پورا کروں گھر کا۔ تم بھی تو میرا کچھ ساتھ دو نا۔ دوسری عورتیں اپنے خاوندوں کے لیے کتنا کچھ کرتی ہیں۔"

"میں کیا کروں؟" عابدہ نے اسے گھورا۔ "میں پڑھی لکھی تو ہوں نہیں کہ کسی دفتر میں نوکری کر لوں۔ لوگوں کے گھروں میں برتن کپڑے دھونے کا کام کر سکتی ہوں۔ لیکن یہاں سب لوگ ہم جیسے ہی ہیں۔ عورتیں گھروں کا کام خود کرتی ہیں۔ کسی میں نوکر رکھنے کی ہمت نہیں۔ مجھے کون کام دے گا۔"

"تمہیں ایسے کام کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے میری جان۔" رب نواز نے اسے پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ "یہ گورے گورے نازک ہاتھ لوگوں کے برتن کپڑے دھونے کے لیے نہیں ہیں۔ یہ تو لوگوں کی جیبوں سے نوٹ نکالنے کے لیے ہیں۔"

"کیا مطلب۔" عابدہ نے اسے گھورا۔ "کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں لوگوں کی جیبیں کاٹنا شروع کر دوں۔"

"میں نے یہ نہیں کہا۔" رب نواز بولا۔ "لوگوں کی جیبوں سے نوٹ نکلوانے کے اور بھی طریقے ہیں۔ تم اپنے آپ کو دیکھو نا..... کتنی حسین ہو۔ تم جیسی حسین عورتیں تو حسن کا نظارہ دے کر لوگوں کی جیبیں خالی کروا لیتی ہیں۔ میں رکشہ چلاتا ہوں۔ سارا دن دیکھتا رہتا ہوں۔ عیش کرتی ہیں وہ عورتیں۔"

"کیا تمہاری غیرت مر گئی ہے جو مجھے اس قسم کی باتیں سمجھا رہے ہو۔" عابدہ ایک جھٹکے سے اس کے قریب سے اٹھ گئی۔ "تم مجھے بھگا کر نہیں لائے جو مجھ سے اس قسم کے کام کروانا چاہتے ہو۔ میں تمہاری بیوی ہوں۔ عزت ہوں تمہاری۔ شرم آنی چاہیے تمہیں ایسی باتیں کرتے ہوئے۔"

aazzamm@yahoo.com

"شرم ..... غیرت ....." رب نواز بے غیرتی سے مسکرایا۔ "یہ سب کہنے کی باتیں ہیں ..... فاقے کرنے اور بھوک سے ایڑیاں رگڑنے سے تمہاری عزت نہیں بڑھے گی۔ خدا نے تمہیں حسن کی دولت دی ہے۔ اس سے فائدہ اٹھاؤ۔ خود بھی عیش کرو اور میرے دن بھی آرام سے گزرنے دو۔"

"آئندہ مجھ سے ایسی بات مت کرنا۔" عابدہ نے کہا اور کروٹ بدل کر لیٹ گئی۔

رب نواز صبح ہوٹل سے ناشتہ اور کھانا لے آیا۔ ناشتے کے بعد وہ جانے لگا تو عابدہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"میری باتوں پر غور کرنا۔ عیش کروگی۔"

عابدہ دن بھر پڑی رب نواز کی باتوں پر سوچتی اور کڑھتی رہی۔ اس رات بھی اسے بھوکا رہنا پڑا تھا اور پھر یہ روز کا معمول بن گیا۔ رب نواز خود تو باہر سے کھا کر آتا اور عابدہ بھوکی پڑی رہتی۔ وہ ہر رات اسے سمجھانے کی کوشش کرتا کہ اس کی بات مان لے تو اسے فاقوں سے نجات مل جائے گی۔

ایک ہفتہ گزر گیا۔ اور پھر ایک رات رب نواز واپس آیا تو اس کے ساتھ ایک آدمی بھی تھا اور پھر اس رات عابدہ کی عزت نیلام ہوگئی۔

صبح جب رب نواز گھر سے نکلا تو عابدہ دروازے تک اسے چھوڑنے آئی تھی۔

"آج رات میں جلدی واپس آجاؤں گا۔ میرے ساتھ کوئی اور بھی ہوگا۔ کپڑے ذرا ڈھنگ کے پہننا۔" رب نواز نے گھر سے نکلتے ہوئے کہا۔

جواب میں عابدہ نے صرف مسکرانے پر ہی اکتفا کیا تھا۔

اس رات رب نواز گیارہ بجے کے قریب واپس آگیا۔ اس کے ساتھ ایک اور آدمی بھی تھا۔ وہ رکشہ مکان کے سامنے روک کر دروازے کی بیل بجاتا رہا۔ لیکن بہت دیر تک اندر سے دروازہ نہیں کھلا تو رب نواز پریشان ہوگیا۔ وہ دیوار کود کر اندر داخل ہوا۔ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس نے بتی جلائی تو اس کے منہ سے بے اختیار ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

عابدہ پنکھے سے لٹکی ہوئی تھی۔ اس کے گلے میں دوپٹے کا پھندا پڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں اور زبان باہر لٹکی ہوئی تھی۔ فرش پر ایک کرسی الٹی پڑی تھی اور دوسری کرسی پر ایک کاغذ پڑا ہوا تھا۔ رب نواز نے وہ کاغذ اٹھا کر دیکھا۔ عابدہ پانچ چھ جماعت پڑھی ہوئی تھی۔ آڑھی ترچھی اور شکستہ ہینڈ رائٹنگ میں لکھا ہوا تھا کہ وہ خودکشی کررہی ہے۔ اس نے رب نواز پر ایسے الزامات لگائے تھے کہ اگر یہ پرچہ پولیس کے ہاتھ آگیا تو وہ لمبی مدت کے لیے اندر ہو جائے گا۔ اس نے پرچہ تہ کرکے جیب میں رکھ لیا اور کمرے سے باہر آکر باہر والا دروازہ کھول دیا۔ رب نواز کے ساتھ آنے والے شخص کو صورتحال کا پتا چلا تو وہ رفوچکر ہوگیا۔

رب نواز نے پڑوس کا دروازہ کھٹکھٹا دیا۔ اور پھر کچھ ہی دیر میں عابدہ کی خودکشی کی خبر پورے محلے میں پھیل گئی اور لوگ جمع ہونا شروع ہوگئے۔ پولیس بھی آگئی۔ وقوعہ کا معائنہ کرنے کے بعد پولیس نے لاش اسپتال بھجوا دی اور لوگوں کے بیانات لیے جانے لگے۔ پولیس کو رب نواز پر اپنی بیوی کو قتل کا شبہ تھا۔ لیکن بعض پڑوسیوں نے بیان دیا کہ رب نواز صبح جب رکشہ لے کر نکلا تھا تو عابدہ دروازے میں کھڑی تھی۔ اس کے بعد نہ تو رب نواز واپس آیا تھا اور نہ ہی عابدہ کو دیکھا گیا تھا۔

رب نواز نے عقلمندی یہ کی تھی کہ پولیس کے آنے سے پہلے اس نے عابدہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا پرچہ ضائع کردیا تھا۔ اگر وہ پرچہ پولیس کے ہاتھ آجاتا تو رب نواز بھی نہیں بچ سکتا تھا۔

پولیس رب نواز پر کوئی الزام ثابت نہیں کرسکی تھی۔ لوگوں کے بیانات اور حالات کی روشنی میں پولیس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ عابدہ نے غربت سے تنگ آکر خودکشی کی تھی۔

رب نواز پر اگرچہ کوئی الزام ثابت نہیں ہوا تھا لیکن پولیس نے اسے خوب اچھی طرح نچوڑ لیا تھا۔ اس نے اپنا رکشہ بیچ دیا۔ جو بھی پیسہ ملا اس میں سے زیادہ تر پولیس کی نذر ہوگیا۔

رب نواز کے پاس اب کوئی کام دھندہ نہیں تھا۔ اس کا زیادہ وقت ہیرامنڈی کے علاقے میں گزرتا۔ اس کے دوستوں میں گلزار نام کا بھی ایک آدمی تھا جو ہیروئن بیچتا تھا۔ گلزار دراصل حاجی کے گروہ کا آدمی تھا اس نے رب نواز کو بھی اپنے کام میں لگا لیا۔

رب نواز کو گلزار کے ساتھ کام کرتے ہوئے دو سال ہوگئے تھے۔ وہ یہ تو جانتا تھا کہ وہ حاجی کے گروہ میں شامل ہے لیکن اسے آج تک حاجی سے ملنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ ملنا تو درکنار اس نے حاجی کو کبھی قریب سے بھی نہیں دیکھا تھا۔ ایسے چھوٹے لوگوں کو جب اپنے آقا کے قریب آنے کا موقع ملے تو وہ اسے اپنے لیے بہت بڑا اعزاز سمجھتے ہیں اور خوشی سے جھوم اٹھتے ہیں۔ اس روز جب گلزار نے اس سے بات کی کہ حاجی عبداللہ چند روز اس کے گھر مہمان بن کر رہنا چاہتا ہے تو رب نواز کو اس کی بات پر یقین نہیں آیا تھا۔

رب نواز اچھی طرح جانتا تھا کہ ان دنوں حاجی عبداللہ کا ستارہ گردش میں ہے۔ ایک طرف پولیس اس کی تلاش میں ہے۔ اور دوسری طرف شارق اور ثمینہ اسے پے درپے نقصان پہنچا رہے ہیں۔ اس نے شارق اور ثمینہ کو بھی نہیں دیکھا تھا لیکن اتنا وہ جانتا تھا کہ یہ دونوں پہلے حاجی کے لیے کام کرتے تھے پھر کسی بات پر جھگڑا ہوا اور وہ حاجی کے دشمن بن گئے۔ حاجی کو سب سے

زیادہ نقصان شارق اور ثمینہ ہی نے پہنچایا تھا۔ وہ اس کے کئی اڈے تباہ کرچکے تھے اور حاجی آجکل ان دونوں اور پولیس کے خوف سے چھپتا پھر رہا تھا۔

رب نواز کو اس بات پر بھی حیرت تھی کہ حاجی عبداللہ جیسا آدمی کسی کے خوف سے چھپتا پھر رہا ہے۔ وہ تو بہت بڑا آدمی تھا۔ اسمبلیوں میں اس کے آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ پولیس کے بڑے بڑے افسران اس کے نام سے کانپتے تھے۔ حکومت کے وزیر اس کے گھر پر حاضری دیتے تھے۔ لیکن وہ شارق اور ثمینہ سے ڈر رہا تھا۔

اس روز گلزار نے جب بات کی تو رب نواز اچھل پڑا تھا۔ پہلے تو وہ یہی سمجھا کہ گلزار مذاق کررہا ہے۔ لیکن گلزار بالکل سنجیدہ تھا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ۔" گلزار نے رازدارانہ لہجے میں کہا۔ "حاجی کی جتنی بھی بڑی بڑی کوٹھیاں ہیں وہ دوسروں کی نظروں میں ہیں۔ حاجی چند روز ایسی جگہ رہنا چاہتا ہے جس کے بارے میں کسی کو شبہ نہ ہو۔ اس لیے میں نے حاجی کے سامنے تمہارا نام پیش کیا تھا۔ ہم اور تم ایسے لوگ ہیں جن کے بارے میں لوگ یہ تو جانتے ہیں کہ ہم حاجی کے گروہ کے ہیں لیکن کوئی شبہ نہیں کرسکتا کہ حاجی ہم جیسے لوگوں کے گھر میں بھی آسکتا ہے۔ میں نے تم پر اعتماد کرتے ہوئے حاجی کو تمہارا نام دیا تھا۔ لیکن اگر یہ راز کھل گیا کہ حاجی تمہارے گھر پر ہے تم زندہ نہیں بچ سکو گے۔"

"تم فکر ہی نہ کرو جی۔" رب نواز نے کہا۔ "کسی کے فرشتوں کو بھی پتا نہیں چلے گا۔"

"تو ٹھیک ہے۔ تم آج شام کے بعد گھر پر ہی رہنا۔ حاجی عبداللہ رات کو کسی بھی وقت تمہارے گھر پہنچ جائے گا۔" گلزار نے کہا۔

رب نواز اس روز شام سے پہلے ہی اپنے گھر پہنچ گیا اور جلدی جلدی صفائی کرنے لگا۔ اس کے گھر میں بانس کی دو چارپائیاں تھیں۔ ایک پر میلا کچیلا بستر بچھا ہوا تھا۔ اس نے بستر درست کرکے چادر پلٹ دی اور دوسری چارپائی پر چادر بچھا دی۔ اور جس حد تک ممکن ہو سکا گھر کی صفائی کرڈالی۔

رات دس بجے کے قریب ایک پجیرو اس کے مکان کے سامنے آکر رکی۔ رب نواز برآمدے میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے جلدی سے اٹھ کر دروازہ کھول دیا پہلے ایک آدمی پجیرو سے اترا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ اتفاق سے اس وقت گلی میں کوئی نہیں تھا۔ اس نے پجیرو کی طرف اشارہ کیا۔ حاجی اور ایک دوسرا آدمی پجیرو سے اتر کر جلدی سے مکان میں داخل ہوگئے اور پجیرو آگے چلی گئی۔

aazzamm@yahoo.com

رب نواز حاجی کے قدموں پر گرا جارہا تھا۔ وہ انہیں کمرے میں لے آیا۔ کمرہ اور اس کا سازوسامان دیکھ کر حاجی کے چہرے کے تاثرات بگڑ گئے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اسے کبھی ایسی جگہ پر بھی رہنا پڑے گا۔ لیکن ظاہر ہے اب اس پر برا وقت آگیا تھا اور اس جیسی جگہ پر رہنا مجبوری تھی۔

حاجی کے ساتھ دونوں آدمی اس کے باڈی گارڈز تھے۔ وہ بظاہر خالی ہاتھ تھے لیکن قمیضوں کے نیچے ریوالور پوشیدہ تھے۔

"معاف کرنا حاجی جی۔" رب نواز حاجی کے سامنے مؤدبانہ انداز میں کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔ "میں غریب سا بندہ ہوں جی۔ یہاں آپ کے گھر جیسا آرام تو نہیں ملے گا۔ پر کوشش کروں گا کہ آپ کو کوئی تکلیف نہ ہو۔"

"تکلیف کی کوئی بات نہیں۔ پر ایک بات کا خیال رکھنا۔ کسی کو یہ علم نہیں ہونا چاہیے کہ میں کون ہوں اور یہاں کیوں ٹھہرا ہوا ہوں۔"

"آپ فکر ہی نہ کریں جی۔" رب نواز نے جواب دیا۔ "اگر کسی نے پوچھا تو کہہ دوں گا سیالکوٹ سے میرے ابا کے رشتہ دار آئے ہوئے ہیں۔ ابا زندہ تھا تو مہمان آتے رہتے تھے۔ کسی نے کبھی نہیں پوچھا تھا کہ کون آیا ہے۔"

"بس ٹھیک ہے۔" حاجی نے کہا۔ "اب تم جاکر برآمدے میں بیٹھ جاؤ۔"

حاجی عبداللہ دو دن رب نواز کے گھر میں چھپا رہا۔ یہاں اسے کوئی آرام نہیں تھا' البتہ بے آرامی زیادہ تھی۔ وہ زندگی میں پہلی مرتبہ بان کی چارپائی پر سویا تھا۔ کھانے پینے کی بھی تکلیف تھی۔ رب نواز اپنی حیثیت کے مطابق حاجی کی خدمت کرنے کی کوشش کررہا تھا۔ پیسہ تو حاجی خرچ کررہا تھا اور رب نواز آگے پیچھے دوڑا پھر رہا تھا۔ ہوٹل سے صبح کا ناشتہ اور دوپہر رات کا کھانا۔

حاجی دو دن میں ہی پریشان ہوگیا۔ لیکن وہ رب نواز کی خدمت سے بہت خوش ہوا تھا۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہ وہ وفادار کتا ہے جو اپنے مالک کے لیے جان بھی دے سکتا ہے۔

یہاں حاجی کو دوسری تکالیف تو تھیں ہی' سب سے بڑا مسئلہ بیرونی رابطے کا تھا۔ اس مکان میں ٹیلی فون نہیں تھا اور وہ معلومات حاصل کرنے کے لیے اپنے باڈی گارڈز میں سے کسی کو باہر نہیں بھیجنا چاہتا تھا اور رب نواز میں ابھی اتنی صلاحیت نہیں تھی کہ وہ باہرجاکر صورتحال معلوم کرتا۔ اسے تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ کن لوگوں سے کیسے رابطہ کرنا ہے۔ حاجی کے دونوں باڈی گارڈز بھی تنگ آگئے تھے۔ اس چھوٹے سے مکان میں وہ لوگ ایک طرح سے قید ہوکر رہ گئے

aazzamm@yahoo.com

تھے۔

تیسرے روز شام کو حاجی نے رب نواز کو اپنے پاس بلا لیا۔

"فاروق احمد کو جانتے ہو؟" حاجی نے پوچھا۔

"وہ جو گلبرگ میں رہتا ہے؟" رب نواز بولا۔

"ہاں۔ وہی۔ مین بلے روڈ پر اس کی کوٹھی ہے۔" حاجی نے کہا۔

"نام سنا ہے جی۔ ان کی کوٹھی بھی دیکھی ہے۔ پر کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔ بڑے لوگ ہیں جی۔ ہم تو ....."

"تم ابھی گلبرگ چلے جاؤ۔" حاجی نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اسے میرا نام بتانا اور کہنا کہ میں بلا رہا ہوں۔ فوراً" چلا آئے اور اسے میری یہ انگوٹھی دکھا دینا۔ سمجھ جائے گا کہ میں نے ہی تمہیں بھیجا ہے۔" حاجی نے اپنی انگلی سے چاندی کی انگوٹھی اتار کر اسے دیدی۔ اس میں عقیق جڑا ہوا تھا۔ "یہاں سے ٹیکسی پر بیٹھ جاؤ۔ اور اسے ساتھ لے کر آنا۔"

"ٹھیک ہے جی۔ میں ابھی چلا جاتا ہوں۔" رب نواز نے انگوٹھی اپنی انگلی میں پہن لی اور فوراً" ہی گھر سے نکل گیا۔

اس کے جانے کے بعد حاجی کے گارڈز نے بیرونی دروازہ اندر سے بند کرلیا۔ اور وہ تینوں ایک کمرے میں بیٹھے باتیں کرنے لگے۔

تقریباً" دو گھنٹے بعد دروازے کے سامنے ایک گاڑی رکنے کی آواز سنائی دی۔ جب دروازے کی گھنٹی کی آواز سنائی دی۔ تو ایک محافظ نے اٹھ کر پہلے دروازے کی جھری میں سے جھانکا پھر دروازہ کھول دیا۔

وہ سفید رنگ کی ہونڈا سوک کار تھی۔ رب نواز کے ساتھ ایک اور آدمی دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔ محافظ نے دروازہ کھول دیا اور وہ دونوں اندر آگئے۔ رب نواز کے ساتھ دوسرا آدمی فاروق احمد تھا۔

حاجی عبداللہ کچھ دیر تک اس کے ساتھ باتیں کرتا رہا پھر وہ سب لوگ جانے کے لیے تیار ہوگئے۔

"تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔" حاجی نے رب نواز کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں تمہاری خدمت گزاری سے بہت خوش ہوا ہوں۔ تم سے کچھ اور کام لینا چاہتا ہوں۔ آئندہ تم میرے ساتھ ہی رہو گے۔"

وہ لوگ مکان سے نکل کر گاڑی میں بیٹھ گئے۔ رب نواز نے مکان کو تالا لگا دیا تھا۔ حاجی اور اس کے باڈی گارڈ پچھلی سیٹ پر تھے جبکہ رب نواز آگے والی سیٹ پر تھا۔ وہ زندگی میں پہلی بار ایسی شاندار کار میں بیٹھا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اگر عابدہ اسے دھوکا دے کر خودکشی نہ کرلیتی تو وہ اس کے لیے سونے کی کان ثابت ہوتی اور آج اس کے پاس بھی ایسی ہی گاڑی ہوتی۔

وہ مختلف سڑکوں پر گھومتے ہوئے ایک گھنٹے بعد گلبرگ میں فاروق احمد کی کوٹھی پر پہنچ گئے۔ فاروق احمد نے زیادہ طویل چکر یہ دیکھنے کے لیے لگایا تھا کہ کوئی ان کا تعاقب تو نہیں کررہا۔

مین روڈ پر واقع وہ کوٹھی بہت بڑی تھی۔ اس کے پچھلی طرف ایک بہت بڑا گندہ نالہ تھا۔ کوٹھی میں آم اور جامن کے کئی درخت تھے۔ پھولوں کے پودوں سے سجا ہوا خوبصورت لان بھی تھا۔

فاروق احمد حاجی کا پرانا نمک خوار تھا۔ اور کبھی کبھار اس سے کام بھی لے لیا کرتا تھا۔ وہ امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس کرتا تھا اور کم از کم تین مرتبہ اس نے حاجی کا مال اپنے مال کے ساتھ اس طرح بیرون ملک بھیجا تھا کہ کوئی اس کا سراغ نہیں لگا سکا تھا۔ بہت عرصہ سے حاجی نے اس سے کام نہیں لیا تھا اور وہ اسے تقریباً" بھول ہی گیا تھا۔ رب نواز کے کوٹھری نما مکان میں رہتے ہوئے حاجی ان لوگوں کے بارے میں سوچتا رہا تھا جو اس وقت اس کے کام آسکتے تھے اس کے ذہن میں فاروق احمد کا نام بھی آگیا۔ اور اس نے فوراً" ہی فاروق احمد کی کوٹھی پر منتقل ہونے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

فاروق کی عمر پچاس کے لگ بھگ رہی ہوگی لیکن گوری چٹی رنگت کے ساتھ صحت بھی قابل رشک تھی۔ وہ اپنی عمر سے کم لگتا تھا۔ اس کی بیوی رعنا اس سے عمر میں اگرچہ آٹھ سال چھوٹی تھی لیکن وہ بھی جسمانی رکھ رکھاؤ کی وجہ سے پینتیس چھتیس سے زیادہ کی نہیں لگتی تھی۔

فاروق احمد کو خدا نے ساری نعمتیں دے رکھی تھیں لیکن وہ اولاد جیسی نعمت سے محروم ہی رہا۔ شروع شروع میں انہوں نے اپنا علاج بھی کروایا۔ پیروں کے تعویذ بھی گھول گھول کر پیے۔ مزاروں پر حاضریاں بھی دیں مگر مراد بر نہیں آئی۔ اور بالآخر وہ اولاد کے معاملے میں راضی بہ رضا ہوکر بیٹھ رہے۔

حاجی سے فاروق احمد کی ملاقات کینیڈا کے سفر کے دوران جہاز پر ہوئی تھی اس کے بعد بھی وہ ملتے رہے تھے۔ اور پھر ایک روز فاروق احمد پر انکشاف ہوا کہ حاجی منشیات کا بہت بڑا بین الاقوامی اسمگلر ہے۔ اسے یاد نہیں تھا کہ وہ کس طرح حاجی کے چکر میں آگیا تھا۔ لیکن ماضی میں کم از کم تین مرتبہ حاجی کا مال اپنے مال کے ساتھ باہر بھجوا چکا تھا۔ اور حاجی نے ہر مرتبہ اسے لاکھوں روپے دیے تھے۔

aazzamm@yahoo.com

فاروق اچھی طرح جانتا تھا کہ حاجی آجکل زیرِ عتاب ہے اور پولیس اس کی تلاش میں جگہ جگہ چھاپے مار رہی ہے لیکن جب رب نواز کے ذریعے حاجی کا پیغام ملا تو وہ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اسے اپنے ہاں لے آیا تھا۔

حاجی نے فاروق کی کوٹھی میں پہنچ کر خدا کا شکر ادا کیا تھا۔ سب سے پہلے اس نے چائے بنوا کر پی۔ فاروق کی بیوی رعنا نے پہلے سے حاجی کے استقبال کی تیاری کرلی تھی۔ وہ تمامتر حشر سامانیوں کے ساتھ خوب بن ٹھن کر حاجی کے سامنے آئی تھی۔ وہ بہت بے تکلفانہ انداز میں حاجی سے باتیں کرتی رہی۔ پھر وہ اٹھ کر کھانے کی میز پر آگئے۔

فاروق نے رعنا کو جب یہ بتایا تھا کہ وہ حاجی عبداللہ کو لینے جارہا ہے تو رعنا نے اپنی ملازمہ سے کہہ کر کھانے کی تیاری شروع کردی تھی۔ ان کی ملازمہ بھی ایک عجوبہ چیز تھی۔ اس کا شمار نہ توصنف نازک میں کیا جا سکتا تھا اور نہ ہی اسے مردوں کی صف میں کھڑا کیا جا سکتا تھا۔ لیکن وہ اپنے آپ کو عورت ہی کہلاتا تھا۔ نہ صرف کپڑے عورتوں جیسے پہنتا بلکہ عورتوں کی طرح میک اپ بھی کرتا۔ موٹی موٹی آنکھیں اور چہرے کے نقوش بڑے غضب کے تھے۔ اس نے اپنا نام پری چہرہ رکھا ہوا تھا۔ وہ پچھلے بارہ تیرہ سال سے ان کے ہاں کام کررہا تھا۔ جب وہ پہلی مرتبہ گاؤں سے آیا تھا تو اس کی عمر بارہ سال تھی اور اس کے کچھ ہی عرصہ بعد یہ دلچسپ انکشاف ہوا تھا کہ اسکا تعلق تیسری جنس سے ہے اور پھر بالکل فطری طور پر اس میں ایسی باتیں آتی گئیں جو اس جنس کے لوگوں کا خاصہ ہوتی ہیں۔

فاروق اور رعنا شروع شروع میں پریشان ہوئے تھے لیکن پھر رفتہ رفتہ اس کی باتوں اور عادتوں کے عادی ہوتے چلے گئے۔

پری چہرہ نے گھر کے سارے کام سنبھال رکھے تھے۔ وہ کھانے بھی بہت لذیذ تیار کرتی تھی۔ وہ چونکہ اپنے آپکو صنف نازک میں شمار کرتا تھا اس لیے فاروق اور اس کی بیوی بھی اس سے عورتوں ہی کی طرح بات کرتے تھے۔

اس وقت میز پر کھانا لگاتے ہوئے بھی وہ بڑی معنی خیز حرکتیں کررہا تھا وہ اگرچہ قابلِ اعتماد ملازم تھا مگر اسے حاجی کے بارے میں نہیں بتایا گیا تھا۔ اس سے صرف اتنا کہا گیا تھا کہ وہ فاروق کا ایک بہت پرانا دوست ہے جو ساہیوال کا ایک بہت بڑا زمیندار ہے۔ اور چند روز یہاں رہے گا۔

"یہ تم نے کیا تماشہ رکھا ہوا ہے گھر میں فاروق احمد۔" کھانا کھانے کے دوران حاجی نے فاروق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"پرانا خدمتگار ہے۔ بڑا محنتی اور قابلِ اعتماد بندہ ہے۔" فاروق احمد نے جواب دیا۔ "بچپن ہی

سے ہمارے پاس ہے۔ اس کی وجہ سے بڑی سہولتیں ہیں۔"

"کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ باہر جاکر کسی کو بتا دے کہ ....." حاجی کہتے کہتے خاموش ہوگیا۔

پری چہرہ اس وقت ایک ڈش اٹھائے کچن سے نکل رہ تھا۔

"نہیں حاجی صاحب۔" فاروق احمد نے پری چہرہ کے جانے کے بعد کہا۔ "پہلی بات تو یہ کہ آپ کے بارے میں کچھ نہیں جانتا اور پھر یہ گھر کی باتیں باہر نہیں کرتا۔"

"یہ قوم بڑی خطرناک ہوتی ہے۔ اس کا خیال رکھنا۔" حاجی نے کہا۔

"آپ مطمئن رہیں جی۔ اس کی وجہ سے کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوگا۔" فاروق احمد نے جواب دیا۔

کھانا کھانے کے بعد وہ اٹھ کر ڈرائنگ روم میں آگئے۔ رعنا کچھ دیر ان کے پاس بیٹھنے کے بعد اپنے کمرے میں چلی گئی۔ حاجی اور فاروق اکیلے بیٹھے صورتحال پر تبادلہ خیال کرتے رہے۔

"حاجی صاحب۔" فاروق احمد کہہ رہا تھا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کون آدمی ہے جو آپ کے خلاف مخبری کررہا ہے۔"

"پتا چل جائے گا۔" حاجی نے سرہلاتے ہوئے کہا۔ "اور پھر میں اسے ایسی عبرتناک سزا دوں گا کہ دنیا کا کوئی اور شخص اپنے مالک سے غداری کرنے کی جرأت نہیں کرے گا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "اچھا بھئی۔ اب میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔ نیند آرہی ہے۔ پچھلے دو دن تو بڑی بے آرامی میں گزرے ہیں۔"

"آیئے۔ میں آپ کو کمرا دکھا دوں۔" فاروق احمد اٹھ گیا۔ اسی وقت رعنا بھی آگئی۔ اس نے لباس تبدیل کرلیا تھا اور اس وقت وہ شب خوابی کا ڈھیلا ڈھالا سا لباس پہنے ہوئے تھی۔ وہ حاجی کی طرف دیکھ کر مسکرا دی لیکن حاجی نے منہ پھیر لیا۔ وہ دونوں میاں بیوی حاجی کو اس کا کمرہ دکھا کر چلے گئے۔

پچھلے دو روز واقعی بے آرامی میں گزرے تھے۔ اس وقت حاجی بستر پر لیٹتے ہی سوگیا۔ اور پھر اس کی آنکھ صبح ہی کھلی تھی۔

اس روز آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے جس سے موسم خاصا خوشگوار ہوگیا تھا۔ عام خیال یہ تھا کہ بارش ہوگی لیکن پورا دن گزر گیا۔ بادل گرجتے رہے۔ لیکن پانی کا ایک قطرہ بھی آسمان سے نہیں برسا۔ البتہ اس سے اگلے روز صبح ہی سے ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہوگئی۔ کبھی پھوار پڑنے لگتی اور کبھی رک جاتی۔

دوپہر کے وقت بارش تیز ہوگئی۔ حاجی اس وقت ڈرائنگ روم میں اکیلا ہی بیٹھا ہوا تھا۔ اس

aazzamm@yahoo.com

کے دونوں باڈی گارڈ اور رب نواز باہر برآمدے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ فاروق صبح ہی سے کسی کام سے گیا ہوا تھا اور رعنا پری چہرہ کے ساتھ کچن میں تھی۔

حاجی کچھ دیر تنہا بیٹھا کچھ سوچتا رہا پھر اس نے ٹیلی فون اٹھا کر اپنے قریب رکھ لیا اور ریسیور اٹھا کر نمبر ملانے لگا۔ لائن ملنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ کل کسی عورت نے ریسیو کی تھی۔

"حاجی عبداللہ بول رہا ہوں۔ مقصود کو بلاؤ۔" حاجی نے کہا۔

"ہولڈ کریں جی۔ میں ابھی بلاتی ہوں۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ چند لمحے خاموشی رہی پھر ایک مردانہ آواز سنائی دی۔

"مقصود بول رہا ہوں حاجی صاحب۔ آپ کہاں غائب ہیں۔ میں رب نواز کے مکان پر گیا تھا۔ وہاں تالا لگا ہوا تھا۔ میں تو پریشان ہوگیا تھا کہ خدانخواستہ ....."

"حاجی پر ہاتھ ڈالنا اتنا آسان نہیں ہے۔" حاجی نے اس کی بات کاٹ دی۔ "وہاں مجھے بے آرامی محسوس ہو رہی تھی۔ ٹیلی فون بھی نہیں تھا کہ کسی سے رابطہ کرسکتا۔ میں فاروق احمد کے ہاں آگیا ہوں۔ گلبرگ میں۔"

"اوہ ..... میں تو پریشان ہوگیا تھا۔" حاجی نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد دوبارہ بولا۔ "بند روڈ والے اڈے کی حفاظت کا کیا بندوبست کیا ہے۔ تمہارے آدمی وہاں پہنچے یا نہیں۔"

"دو آدمی تو میں نے اسی دن بھیج دیئے تھے حاجی صاحب۔ لیکن آپ کو اس اڈے کا اچانک کیسے خیال آگیا۔"

"بس ایسے ہی خیال آگیا۔ اب وہی اڈا سب سے اہم ہے۔ وہاں کم سے کم ساٹھ کروڑ کا مال موجود ہے۔ مانٹریال والی پارٹی کو مال دینا ہے۔ وہ لوگ آجکل میں لاہور پہنچ جائیں گے۔ اس لیے جب تک مال ان کے حوالے نہیں کر دیا جاتا اس اڈے کی حفاظت بہت ضروری ہے۔" حاجی نے کہا۔

"آپ فکر نہ کریں حاجی صاحب۔ کوئی غیرمتعلقہ آدمی ہمارے اس اڈے کے قریب سے گزر بھی نہیں سکتا۔" مقصود نے کہا۔

"پتا نہیں مجھے کیوں وہم سا ہوگیا ہے۔" حاجی بولا۔ "تم ایسا کرو پجیرو لے کر فاروق احمد کی کوٹھی پر آجاؤ۔ ہم ایک چکر لگا لیتے ہیں۔ میں اس اڈے کے بارے میں پوری طرح اطمینان کرلینا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے جی۔ میں پہنچ رہا ہوں۔ لیکن کیا باہر نکلنا آپ کے لیے خطرناک نہیں ہوگا؟" مقصود نے کہا۔

"اتنی تیز بارش ہو رہی ہے۔ ہمیں راستے میں کون دیکھے گا اور ہاں شفقت کو فون پر بتا دو کہ میں کہاں ہوں۔ مانٹریال سے آنے والے لوگ اس سے رابطہ کریں گے۔ شفقت سے کہو جیسے ہی وہ لوگ آئیں مجھے اطلاع دے دے۔"

"بہتر ہے جی۔ میں اسے بتا دوں گا۔" دوسری طرف سے جواب ملا۔

حاجی نے فون بند کردیا اور تقریباً" اسی وقت رعنا اندر داخل ہوئی تھی اس نے آج صبح اٹھتے ہی بناؤ سنگھار کرلیا تھا اور حاجی کے اردگرد پھنڈلاتی پھر رہی تھی۔ بناؤ سنگھار کرنے اور حاجی کے اردگرد منڈلانے کا مقصد کچھ اور نہیں تھا وہ تو اسے صرف یہ تاثر دینا چاہتی تھی کہ وہ اس کی خدمت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھنا چاہتی تھی۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ ایک سال پہلے آخری مرتبہ جب فاروق نے اپنے مال کے ساتھ اس کا مال بھیجا تھا۔ مال منزل پر پہنچنے کی اطلاع پا کر حاجی نے اپنی کوٹھی میں ان کی دعوت کی تھی اور اس نے رعنا کو ڈائمنڈ کا ایک قیمتی اور خوبصورت سیٹ تحفے میں دیا تھا۔

حاجی ان کے گھر میں پہلی مرتبہ آیا تھا۔ وہ پولیس اور شارق وغیرہ سے چھپتا پھر رہا تھا۔ وہ یقیناً" پریشان تھا اور رعنا اسے یہ تاثر دینا چاہتی تھی کہ وہ اکیلا نہیں ہے۔

"حاجی صاحب۔ آج دوپہر کا کھانا ذرا دیر سے ملے گا۔ آپ کو بھوک تو نہیں لگ رہی؟" وہ اس کے سامنے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"ابھی تو بھوک نہیں ہے۔ جب کھانا پک جائے گا کھا لیں گے۔" حاجی نے جواب دیا۔ چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر وہ موسم کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔ رعنا حاجی کی دلجوئی کی کوشش کررہی تھی اور حاجی کو الجھن محسوس ہو رہی تھی۔ پندرہ بیس منٹ بعد رعنا وہاں سے اٹھ کر گئی تو حاجی نے اطمینان کا سانس لیا۔

ایک گھنٹہ کے بعد مقصود پہنچ گیا۔ حاجی کے ایک باڈی گارڈ عرفان نے گیٹ کھول دیا اور وہ پجیرو اندر لے آیا تھا۔ رعنا مقصود کے بارے میں نہیں جانتی تھی۔ وہ اس کے بارے میں الجھن سی محسوس کرنے لگی۔

"چلیں حاجی صاحب۔" مقصود نے چند رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد کہا۔

"ہاں چلو۔" حاجی عبداللہ صوفے سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

"کہاں جارہے ہیں حاجی صاحب۔ کھانا تیار ہو چکا ہے۔" رعنا نے کہا۔

"ایک بہت ضروری کام ہے۔ کھانا ہم واپس آکر کھالیں گے۔" حاجی نے جواب دیا۔ اور باہر آکر پورچ میں کھڑی ہوئی پجیرو کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ عرفان اور دوسرا باڈی گارڈ دلاور پچھلی

aazzamm@yahoo.com

سیٹ پر ہی اس کے دائیں بائیں بیٹھ گئے تھے۔ بیٹھنے سے پہلے انہوں نے سب سے آخر والی سیٹ کے نیچے سے کلاشنکوف رائفلیں نکال لی تھیں۔ حاجی اکثر اسی پجیرو پر آتا جاتا تھا اور اس میں رائفلیں ہر وقت موجود رہتی تھیں تاکہ ضرورت کے وقت کام آسکیں۔ رب نواز کو بھی ایک رائفل دیدی گئی تھی اور وہ اگلی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ مقصود نے اپنی سیٹ پر بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کردیا اور پجیرو کو گیٹ سے باہر نکال لے گیا۔ پری چہرہ نے گیٹ بند کر دیا۔ رعنا برآمدے میں کھڑی پجیرو کو سڑک کی طرف جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

بارش تیز ہوگئی تھی۔ سڑکوں پر پانی جمع ہونا شروع ہوگیا تھا۔ اکادکا گاڑیاں ہی سڑکوں پر دکھائی دے رہی تھیں۔ پجیرو کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔ وہ مختلف سڑکوں پر گھومتی ہوئی بند روڈ پر آگئی اور پھر سروس روڈ پر اتر گئی۔

جب پجیرو احاطے کے پھاٹک کے سامنے رکی تو بارش کچھ اور تیز ہوگئی تھی۔ مقصود نے دو تین مرتبہ ہارن بجایا لیکن کوئی بھی باہر نہیں آیا۔

رب نواز نیچے اترگیا۔ اس نے کال بیل کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ پھر گیٹ کا ذیلی دروازہ چند انچ کے قریب کھلا دیکھ کر وہ آگے بڑھ گیا اور اندر داخل ہوکر پھاٹک پوری طرح کھول دیا۔ پجیرو اندر داخل ہوگئی۔

پھاٹک کا ذیلی دروازہ کھلا دیکھ کر حاجی کا ماتھا ٹھنکا تھا۔ پجیرو برآمدے کے سامنے رکی تو وہ عرفان اور دلاور کے ساتھ نیچے اتر آیا۔ مقصود اپنی سیٹ پر بیٹھا رہا۔

برآمدے والا دروازہ بھی تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔ عرفان اور دلاور ایک دم چوکس ہوگئے۔ عرفان نے اللہ دتہ اور قادر کو کئی آوازیں دیں مگر کوئی جواب نہیں ملا۔ حاجی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

اللہ دتہ، قادر اور ان کا تیسرا ساتھی رسیوں سے بندھے پڑے تھے۔ وہ تینوں بے ہوش تھے یا ان کی آوازیں سن کر انہوں نے آنکھیں بند کرلی تھیں۔ ایک طرف انسپکٹر عثمان کی لاش دیکھ کر حاجی عبداللہ چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"اوہ۔ تو یہ ہے وہ حرامزادہ جو ہماری مخبری کرتا رہا ہے۔" حاجی نے عثمان کی لاش کو ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔ پھر عرفان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "ادھر ادھر دیکھو۔ کوئی نہ کوئی یہاں ضرور ہوگا۔"

حاجی ایک کمرے میں آگیا۔ تہ خانے کا راستہ اس کمرے میں تھا۔ راستہ کھلا ہوا دیکھ کر اس کے دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگا۔ لیکن تین چار سیڑھیاں

اترنے کے بعد ہی رک گیا۔ تہ خانے کا منظر دیکھ کر اسے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ الماریاں ٹوٹی ہوئی تھیں اور تہ خانے کے فرش پر تقریباً" ایک فٹ پانی جمع تھا اور ہیروئن کے تمام تھیلے پانی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ باہر سے آنے والا ربڑ کا ایک پائپ سیڑھیوں پر پڑا ہوا تھا جس سے پانی کی موٹی دھار بہہ رہی تھی۔

یہ سب کچھ دیکھ کر حاجی عبداللہ اس طرح چیخنے لگا جیسے اس پر پاگل پن کا دورہ پڑ گیا ہو۔ عرفان اور دلاور اس کی آواز سن کر دوڑے۔ دلاور نے سیڑھیوں پر پڑا ہوا پائپ اٹھا لیا اور اسے کھینچتا ہوا باہر لے گیا۔ رب نواز برآمدے میں کھڑا تھا۔

"ہوشیار رہنا۔ کوئی بھی نظر آئے اسے گولیوں سے بھون دو۔" اس نے چیخ کر کہا اور دوبارہ اندر چلا گیا۔

مقصود بھی گاڑی سے اتر کر اندر آگیا۔ یہاں کی صورت حال دیکھ کر اس کے بھی ہوش اڑ گئے۔ تہ خانے میں کروڑوں روپے کی ہیروئن پر پانی پھر گیا تھا۔ وہ جو کوئی بھی تھے ان کے بارے میں یہی کہا جا سکتا تھا کہ انہوں نے بڑے اطمینان سے یہ کام کیا تھا۔

حاجی پر واقعی پاگل پن کا دورہ پڑ گیا تھا۔ وہ چیختا ہوا تہ خانے سے باہر آگیا۔ اور فرش پر بندھے ہوئے اللہ دتہ کو زور دار ٹھوکر مار دی۔ وہ شاید واقعی بے ہوش تھا کیونکہ زوردار ٹھوکر لگنے کے بعد بھی کسی ردعمل کا اظہار نہیں ہوا تھا۔

"ان تینوں نمک حراموں کو اٹھا کر گاڑی میں ڈال دو۔ بعد میں نمٹوں گا ان لوگوں سے۔" حاجی نے چیخ کر کہا۔

عرفان اور دلاور ان تینوں کو باری باری اٹھا کر باہر لے جانے لگے۔ حاجی عبداللہ مقصود کی طرف دیکھتے ہوئے چیخا۔

"دیکھا۔ دیکھ لیا تم نے۔ اس حرامزادے شارق اور ثمینہ نے مجھے بالکل تباہ کر دیا ہے۔ کہیں کا نہیں چھوڑا انہوں نے مجھے۔ اس لیے میں کہتا تھا کہ یہاں دو چار بندے اور بھیج دو۔ لیکن تم کہتے تھے بڑا مضبوط انتظام ہے۔ کوئی اجنبی احاطے کے سامنے سے بھی نہیں گزر سکتا۔ لیکن دیکھ لیا تم نے۔ کیا کیا ہے۔ ان لوگوں نے۔"

"حفاظت کا انتظام تو ٹھیک ہی تھا حاجی صاحب۔" مقصود دھیمے لہجے میں بولا۔ "لگتا ہے وہ لوگ تعداد میں زیادہ تھے اور انہوں نے دھوکے سے ہمارے آدمیوں کو قابو کیا ہوگا۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شارق وغیرہ کو اس ٹھکانے کا پتا کیسے چلا۔"

"یہ۔ یہ حرامزادہ۔" حاجی نے چیختے ہوئے انسپکٹر عثمان کی لاش کی طرف اشارہ کیا۔ "اسے

aazzamm@yahoo.com

بہت کچھ معلوم تھا۔ کس طرح میرے آگے پیچھے دم ہلاتا پھرتا تھا کتے کی طرح۔ حاجی جی معاف کردو۔ دوسروں سے بھی سفارشیں کروا رہا تھا۔ کتنا حرامزادہ نکلا یہ۔ کاش! یہ زندہ میرے ہاتھ میں آتا تو میں اس کے جسم کا ریشہ ریشہ الگ کر دیتا۔"

"اس لاش کو بھی گاڑی میں ڈال دیں حاجی جی۔" عرفان نے ان کے قریب آکر کہا۔

"نہیں۔ اسے یہیں چھوڑ دو۔ اور چلو یہاں سے۔ کوئی بھروسہ نہیں، ان حرامزادوں نے پولیس کو بھی اطلاع دیدی ہو اور پولیس یہاں پہنچنے والی ہو۔" حاجی نے کہا۔

وہ لوگ باہر آکر پجیرو میں بیٹھ گئے۔ سیٹ کے پچھلی طرف کچھ جگہ تھی۔ اللہ دتہ اور اس کے ساتھی ایک دوسرے کے نیچے اوپر وہیں بندھے پڑے تھے۔

پجیرو گیٹ سے باہر آکر بائیں طرف مڑ گئی۔ انہوں نے گیٹ بند کرنے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

پجیرو گیٹ سے نکل کر رکے بغیر بائیں طرف سروس روڈ پر مڑ گئی اگر انہوں نے سامنے دیکھا ہوتا تو انہیں بند روڈ پر دوسری طرف کھڑی ہوئی وہ کار نظر آجاتی جس میں حاجی کا دشمن نمبر ایک شارق بیٹھا سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اگر حاجی اسے دیکھ لیتا تو پاگل کتے کی طرح اس پر چڑھ دوڑتا۔

واپس آنے میں بھی انہیں تقریباً" ایک گھنٹہ لگا تھا۔ بارش اس وقت بھی ہورہی تھی۔ فاروق اس وقت گھر پر موجود تھا۔ پری چہرہ اور رعنا بھی برآمدے میں کھڑے تھے۔ حاجی کی حالت دیکھ کر انہیں سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ کوئی گڑبڑ ہوگئی ہے۔

"تمہاری کوٹھی میں کوئی ایسا کمرہ ہے جہاں ان لوگوں سے پوچھ گچھ کی جا سکے۔" حاجی نے فاروق کی طرف دیکھتے ہوئے پجیرو میں بندھے ہوئے اللہ دتہ وغیرہ کی طرف اشارہ کیا۔

"ایسا کمرہ تو کوئی نہیں جہاں سے آواز باہر نہ جا سکے۔ البتہ تہ خانہ ہے جسے ہم نے کبھی استعمال نہیں کیا۔" فاروق نے جواب دیا۔ اسے پوچھ گچھ کا مطلب سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی۔

"انہیں تہ خانے میں ڈال دو۔ بعد میں پوچھوں گا ان سے۔" حاجی نے کہا اور جب ان تینوں کو پجیرو سے نکالا گیا تو پری چہرہ حیرت کا اظہار کرتے ہوئے بولی۔

"ہائے اللہ۔ انہیں کیوں باندھا ہوا ہے۔ یہ کون ہیں بیچارے۔"

"یہ گاؤں میں میرے گھر سے زیور لے کر بھاگے تھے۔ آج پکڑے گئے ہیں۔" حاجی نے کہا اور پری چہرہ کو اس طرح گھورا کہ وہ مزید کچھ نہ بول سکا۔ ان تینوں کو تہ خانے میں پہنچا دیا گیا۔

"اوئے عرفان۔" حاجی باڈی گارڈ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم تہ خانے میں جاکر انہیں

ہوش میں لاؤ۔ میں آتا ہوں ابھی۔"

عرفان تہ خانے میں چلا گیا۔ حاجی ڈرائنگ روم میں ٹہلتا رہا۔ اس کے منہ سے بار بار ایسی آوازیں نکل رہی تھیں جیسے کوئی زخمی ناگ پھنکار رہا ہو۔ رعنا اور فاروق احمد ایک طرف کھڑے دیکھ رہے تھے۔ انہیں ابھی تک پتہ نہیں چل سکا تھا کہ معاملہ کیا ہے۔ رعنا نے آگے بڑھ کر حاجی سے کچھ کہنا چاہا مگر فاروق احمد نے اسے روک دیا۔ ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر کمرے سے نکل گیا۔

حاجی عبداللہ کمرے میں ٹہلتا اور سانپ کی طرح پھنکارتا رہا۔

○

ثمینہ اور شارق رات کا کھانا کھانے کے بعد ساڑھے نو بجے کے قریب گھر سے نکلے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر شارق بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے سفید پینٹ اور نیلے رنگ کی ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ جس پر سامنے کے رخ پر بائیں طرف پلے بوائے کا سمبل بنا ہوا تھا۔ ثمینہ نے لان کا خوبصورت پرنٹ والا سوٹ پہن رکھا تھا۔ میچنگ کلر کا دوپٹہ بھی تھا جو مخصوص انداز میں بالشت بھر چوڑی پٹی کی طرح تہ کرکے بائیں کندھے پر رکھا ہوا تھا۔ ان دونوں نے اپنے چہرے چھپانے کے لیے کسی قسم کا میک اپ نہیں کیا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ نہ صرف پولیس بلکہ حاجی کے آدمی بھی شکاری کتوں کی طرح انہیں تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ اور اس کے باوجود انہوں نے اپنے چہرے چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

گزشتہ روز انہوں نے حاجی کے بند روڈ والے اڈے پر دھاوا بول کر کروڑوں روپے کی ہیروئن پانی میں بہا دی تھی۔ اس مہم میں انسپکٹر عثمان مارا گیا تھا۔ انہیں شاہ پری کے ذریعے انسپکٹر عثمان کے عزائم کا پتا چل گیا تھا۔ اور شارق نے تو یہی منصوبہ بنایا تھا کہ اس مہم کے دوران عثمان کا بھی کام تمام کر دیا جائے لیکن یہ اتفاق تھا کہ انہیں عثمان کے خون سے ہاتھ نہیں رنگنے پڑے تھے اور وہ حاجی کے آدمی کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔

شارق اگرچہ اس مہم میں شریک نہیں تھا۔ لیکن تیز بارش کی وجہ سے ثمینہ وغیرہ کے بارے میں معلوم کرنے گھر سے نکلا تھا اور اتفاق سے اس وقت وہاں پہنچا تھا جب حاجی کی پجیرو اس احاطے میں داخل ہورہی تھی۔ اور اس نے جس انداز میں حاجی اور اس کے آدمیوں کو وہاں سے نکلتے دیکھا تھا اس سے اسے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ ثمینہ اور نولکھا وغیرہ اپنا کام کرگئے تھے۔ گھر کی طرف واپس جاتے ہوئے ایک جگہ رک کر اس نے علاقے کے ایس پی کو

aazzamm@yahoo.com

اپنا نام بتا کر فون کر دیا کہ وہ پولیس پارٹی لے کر حاجی کے بند روڈ والے اڈے پر پہنچ جائے۔ اس نے احاطے کا پتا سمجھا دیا تھا۔

شارق گھر واپس پہنچا تو ثمینہ اور نولکھا وغیرہ اس سے پہلے پہنچ چکے تھے۔ شارق نے ثمینہ سے پروگرام بنایا تھا کہ وہ شام کو شفقت سے حاجی کے نئے ٹھکانے کا پتا معلوم کریں گے لیکن شام کو پھر تیز بارش شروع ہوگئی تھی۔ جو رات تک جاری رہی۔ وہ لوگ گھر سے باہر نہیں نکل سکے تھے۔ انہیں یہ بھی معلوم نہیں ہوسکا تھا کہ پولیس نے کوئی کارروائی کی تھی یا نہیں۔

صبح ہونے سے پہلے بارش بند ہوگئی تھی۔ اخبار والا اخبار بھی ڈال گیا تھا۔ شارق خود ہی باہر سے اخبار اٹھا کر لایا تھا اور پھر اخبار دیکھتے ہی اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ ہیڈلائن وہی تھی جس کی شارق کو توقع تھی۔

وہ برآمدے ہی میں کھڑا اخبار پڑھتا رہا۔ ہیڈلائن کے علاوہ پہلے اور آخری صفحہ پر حاجی کے حوالے سے کئی خبریں تھیں۔ انسپکٹر عثمان کی لاش اور احاطے کے کاٹیج' اس کے تہ خانے اور دوسری جگہوں کی کئی تصویریں تھیں۔ انسپکٹر عثمان کا قتل بھی حاجی کے کھاتے میں ڈال دیا گیا تھا۔

ایس پی الطاف علی کی ہنگامی پریس کانفرنس کی تفصیل بھی صفحہ اول پر شائع ہوئی تھی۔ ایس پی نے یہ اعتراف کیا تھا کہ حاجی کے اس اڈے کے بارے میں اطلاع ٹیلی فون پر شارق نے دی تھی۔ ایس پی نے اس وثوق کا اظہار بھی کیا تھا کہ حاجی کا یہ اڈا اور دوسرے اڈے تباہ کرنے میں بھی شارق اور ثمینہ کا ہاتھ تھا۔ اس کے بیان سے ڈھکے چھپے الفاظ میں ان دونوں کے لیے ہمدردی کا اظہار جھلکتا تھا۔

شارق اخبار لے کر اندر آگیا۔ نولکھا وغیرہ بھی جاگ گئے تھے۔ شارق ان سب کو خبریں پڑھ کر سنا رہا تھا۔

"حاجی کی حالت قابل دید ہوگی۔" ثمینہ نے کہا۔ "کاش! میں اسے دیکھ سکتی یا کم از کم اس سے فون پر بات کرسکتی۔"

"آج میں معلوم کروں گا کہ وہ کہاں چھپا بیٹھا ہے۔" شارق نے کہا۔

اور پھر ناشتے کے بعد شارق اپنے مشن پر نکل کھڑا ہوا۔ اس کا حلیہ ایسا تھا جیسے ابھی ابھی کسی گاؤں سے آیا ہو۔ اجڈ' دیہاتی۔ وہ دن بھر مختلف علاقوں میں گھومتا رہا اور دوپہر کے قریب ہیرامنڈی کے علاقے میں گلزار سے سامنا ہوگیا۔ ظاہر ہے گلزار اسے نہیں پہچانا تھا۔ شارق نے اسے بتایا کہ وہ پتوکی کا رہنے والا ہے۔ وہاں اپنے دوسرے کام کے ساتھ ہیروئن بھی بیچتا ہے۔ لیکن وہ شہر میں جس شخص سے ہیروئن خریدتا تھا وہ دو دن سے غائب ہے۔

"تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ مجھ سے لے جاؤ ہیروئن جتنی چاہیے۔" گلزار نے کہا۔

"اس وقت تو میں شفقت باؤ کی تلاش میں اس طرف آنکلا تھا۔ اگر آج وہ مل گیا تو ٹھیک ہے ورنہ کل یہاں آکر تم سے ہی لے لوں گا۔" شارق نے جواب دیا۔

"شفقت باؤ۔" گلزار نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "وہ تو ہیروئن سپلائی نہیں کرتا۔ تم اسے کیسے جانتے ہو؟"

"وہ دراصل بات یہ ہے کہ اس بندے سے مجھے شفقت باؤ ہی نے ملایا تھا۔ اب وہ بندہ نہیں ہے تو پہلے شفقت باؤ سے ہی ملوں گا تاکہ وہ مجھے کسی صحیح بندے سے ملا دے اور میرے ساتھ کوئی دھوکا نہ ہو۔"

"بہت عقلمند ہو۔" گلزار مسکرا دیا۔ "مگر شفقت باؤ تو اس علاقے میں کبھی نہیں آیا۔ وہ تمہیں وسن پورے میں ملے گا۔ امام دین اسٹریٹ پر رہتا ہے۔ ابھی چار پانچ دن پہلے ہی میں اس سے مل کر آیا ہوں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "تم تو ہمارے اوپر والوں کے دوست نکلے۔ آؤ۔ تمہیں چائے پلاؤں۔"

"چائے تو میں نہیں پیتا۔ لسی شسی....."

"چلو۔ لسی پلا دوں گا۔" گلزار نے کہا۔

وہ دودھ دہی کی ایک دکان پر آگئے۔ دکان کا سارا سازوسامان باہر والے تھڑے پر تھا۔ دکان کے اندر گاہکوں کے لیے بینچ بچھے ہوئے تھے اور اس وقت اندر کوئی گاہک نہیں تھا۔ گلزار نے دو گلاس لسی کے لیے کہہ دیا اور دونوں اندر آکر بینچ پر بیٹھ گئے۔

"شفقت باؤ کو تم کیسے جانتے ہو؟" گلزار نے پوچھا۔

"شفقت باؤ اصل میں میرے بڑے بھائی کا دوست ہے۔ وہ کبھی کبھی پتوکی میرے بھائی کے پاس آیا کرتا تھا۔ لیکن جب سے میرے بھائی کا انتقال ہوا ہے شفقت باؤ نے وہاں جانا ہی چھوڑ دیا۔ میں ہی کبھی کبھی لاہور آجاتا ہوں۔ اس کے ملنے کی کوئی خاص جگہ نہیں ہے لیکن کہیں نہ کہیں ملاقات ہو ہی جاتی ہے۔"

"شفقت باؤ بہت اچھا اور بہت شریف آدمی ہے۔" گلزار نے کہا۔ "وہ اس لین کا آدمی نہیں ہے۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ حاجی کے جال میں کیسے پھنس گیا۔"

"حاجی۔" شارق کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ "یہ حاجی کون ہے؟"

"کمال ہے۔ تم یہ دھندہ کرتے ہو اور حاجی کو نہیں جانتے۔ وہی تو بگ باس ہے۔ لاہور اور آس پاس کے علاقوں کا سارا بزنس اسی کے کنٹرول میں ہے۔ لیکن آجکل اس کا ستارہ گردش میں

aazzamm@yahoo.com

ہے۔ تم نے آج کا اخبار نہیں دیکھا۔ سارا اخبار اسی کے نام سے بھرا ہوا ہے۔"

"مجھے پڑھنا ہی نہیں آتا۔" شارق نے جواب دیا۔

اور پھر لسی پیتے ہوئے وہ گلزار جیسے گھاگھ آدمی کے منہ سے باتیں اگلواتا رہا۔ اس سے یہ پتا چل گیا کہ دو تین دن پہلے حاجی اس کے ایک کارندے رب نواز کے گھر پر چھپا ہوا تھا۔ پھر اچانک ہی وہاں سے غائب ہوگیا۔ اور رب نواز بھی شاید حاجی کے ساتھ ہی ہے۔

شارق اس شام جب گھر پہنچا تو بہت خوش تھا۔ وہ صرف حاجی کا ٹھکانہ معلوم نہیں کرسکتا تھا تاہم گلزار سے حاجی کے قریب رہنے والے چند اور آدمیوں کے بارے میں بہت سی باتیں معلوم کرلی تھیں۔

"اب شفقت ہی ایسا شخص ہے جس سے حاجی کے نئے ٹھکانے کے بارے میں معلوم کیا جا سکتا ہے۔" شارق نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "گلزار سے شفقت کے گھر کا پتا بھی معلوم ہوگیا ہے۔ ہم اسی منصوبے پر عمل کریں گے جو تم نے بتایا تھا۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم رات کا کھانا کھانے کے بعد چلیں گے۔" ثمینہ نے کہا۔

اور اب وہ دونوں شفقت کے گھر کی طرف جارہے تھے۔ وسن پورہ مین روڈ پر پہنچ کر انہیں امام دین اسٹریٹ تلاش کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ گاڑی انہوں نے گلی کے موڑ پر سڑک کے کنارے روک لی اور نیچے اتر کر گلی میں داخل ہوگئے۔ گلی دس بارہ فٹ سے زیادہ چوڑی نہیں تھی۔ دونوں طرف پرانی طرز کے دو منزلہ مکان تھے۔ شارق کو گلزار سے صرف گلی کا پتا چلا تھا۔ مکان کا نمبر اور صحیح لوکیشن اس نے جان بوجھ کر دریافت نہیں کی تھی گلی میں چند گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد شارق نے سامنے سے آنے والے ایک ادھیڑ عمر آدمی کو روک کر شفقت باؤ کے بارے میں دریافت کیا۔

"وہ دائیں طرف چوتھا مکان ہے۔ جس کے سامنے بجلی کا کھمبا لگا ہوا ہے۔ وہی دروازہ ہے۔" اس شخص نے اشارے سے بتایا۔ "وہ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی گھر گیا ہے۔"

شارق نے اس شخص کا شکریہ ادا کیا اور وہ دونوں آگے بڑھ گئے اور اس مکان کے سامنے رک گئے۔ گلی میں اکلوکا لوگوں کی آمدورفت تھی۔ شارق کے اشارے پر ثمینہ نے کال بیل بجا دی۔ صرف ایک منٹ بعد دروازہ کھل گیا۔ وہ شفقت ہی تھا جو الجھی ہوئی نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"جی فرمایئے۔ آپ کو کس سے ملنا ہے؟" اس نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہی پوچھا۔ "اگر آپ مسٹر شفقت ہیں تو ہمیں آپ ہی سے ملنا ہے۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "کیا آپ

ہمیں اندر بیٹھنے کو نہیں کہیں گے۔ ہم تو آپ کے لیے ایک اہم پیغام لے کر بہت دور سے آئے ہیں۔"

شفقت نے ایک بار پھر الجھی ہوئی نظروں سے باری باری ان کی طرف دیکھا پھر انہیں رکنے کا اشارہ کرتا ہوا اندر چلا گیا اور دروازہ بند ہوگیا۔ دو منٹ بعد دائیں طرف بیٹھک کا دروازہ کھلا۔ ثمینہ اور شارق اندر داخل ہوگئے۔ پہلے ثمینہ اندر داخل ہوئی تھی پھر شارق۔ شارق نے اندر داخل ہوتے ہی دروازہ بند کر دیا تھا۔

"بیٹھئے۔" شفقت نے اشارہ کیا۔ پھر بولا۔ "آپ لوگ کون ہیں اور کس سلسلے میں مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے اس سے پہلے ہماری کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔"

"شاید آپ بھول رہے ہیں۔" شارق نے براہ راست اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہماری ایک ملاقات ہو چکی ہے۔ لیکن وہ ملاقات اتنی مختصر تھی کہ آپ نے مجھے ذہن میں نہیں رکھا لیکن میں آپ کو نہیں بھولا ہوں۔"

"اگر ایسا ہے تو مجھے واقعی یاد نہیں آرہا۔" شفقت نے کہا۔ "لیکن کیا آپ بتائیں گے کہ ہماری ملاقات کب اور کہاں ہوئی تھی؟"

"یہ دو سال پہلے کی بات ہے۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "داروغہ والا میں حاجی عبداللہ کی کوٹھی میں ہم ملے تھے لیکن آپ تھوڑی ہی دیر بعد وہاں سے چلے گئے تھے۔ حاجی عبداللہ نے ہمارا تعارف بھی کرایا تھا۔ آپ میرا چہرہ بھول گئے ہیں لیکن میرا نام اب بھی آپ کے ذہن میں محفوظ ہوگا۔"

حاجی عبداللہ کے نام پر شفقت بری طرح چونک گیا تھا۔ ایک لمحہ کو اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا۔ لیکن اس نے فوراً ہی اپنی کیفیت پر قابو پا لیا وہ گہری نظروں سے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے اسے پہچاننے کی کوشش کررہا تھا۔

"میرا خیال ہے آپ نے نہیں پہچانا۔ لیکن نام بتا دوں تو آپ کو یاد آجائے گا۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میرا نام شارق ہے۔ حاجی عبداللہ کا سب سے قریبی اور گہرا دوست۔"

شفقت کا چہرہ دھواں ہوگیا۔ اسے سینے میں دل ڈوبتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

"بیٹھ جایئے مسٹر شفقت۔" شارق نے کہا۔ "ہم کسی برے ارادے سے یہاں نہیں آئے۔ ہمیں اپنا دوست سمجھئے۔ ہمیں آپ کی ہمدردی یہاں کھینچ لائی ہے۔ اگر ہم بری نیت سے آئے ہوتے تو ہماری آمد کا انداز بھی کچھ اور ہوتا۔"

aazzamm@yahoo.com

شفقت چند لمحے متوحش نظروں سے باری باری ان کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کی ٹانگیں ہولے ہولے کانپنے لگے تھیں۔ وہ دھم سے صوفے پر گر گیا۔ اور ثمینہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"اگر تم شارق ہو تو یہ ....." اس کی آواز حلق میں اٹک گئی۔ "درست سمجھا۔" شارق بولا۔ "یہ ثمینہ ہے۔ لیکن آپ بالکل پریشان نہ ہوں۔ ہم آپ کو کوئی نقصان پہنچانے نہیں آئے۔ ہماری آپ سے کوئی دشمنی بھی نہیں ہے۔"

"میرا حاجی کے معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔" شفقت اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ "جب تم دونوں افغانستان گئے ہوئے تھے تو میں نے حاجی کو بہت سمجھایا تھا کہ تمہاری والدہ اور بہن کو نہ چھیڑا جائے۔ لیکن اس نے میری ایک بات نہیں مانی اور ان دونوں کو ذلیل کرکے کوٹھی سے نکال دیا۔ اس کا خیال تھا کہ تم دونوں بھی افغانستان میں مارے جا چکے ہوگے۔ اس نے ایک سازش کے تحت تم لوگوں کو افغانستان بھیجا تھا۔"

"ہمیں سب معلوم ہے۔" ثمینہ بولی۔ "اور اس کی یہ غلطی ہی اس کی تباہی کا باعث بن رہی ہے۔ اگر وہ ہمارے ساتھ دھوکا نہ کرتا تو ....."

"میں جانتا ہوں۔" شفقت بولا۔ "دھوکا" فریب اور مکاری اس کی فطرت میں شامل ہے۔ مجھے بھی اس نے دھوکے سے پھانسا تھا۔ میں آج پچھتا رہا ہوں کہ میں نے اس کی بات کیوں مانی تھی۔"

"میں جان چکا ہوں کہ آپ بہت شریف آدمی ہیں۔" شارق نے کہا۔ "آپ کے جاننے والے آپ کے کردار کی تعریفیں کرتے ہیں۔ لیکن آپ اس کے چکر میں کیسے پھنسے تھے؟"

"میں ریلوے میں گارڈ تھا۔" شفقت نے بتایا۔ "ٹرین ڈیوٹی کے سلسلے میں اکثر پشاور آنا جانا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ حاجی یہاں میرے گھر پر آیا اور مجھے پیش کش کی کہ اگر میں اس کا مال لے آیا کروں تو وہ مجھے معقول کمیشن دے گا۔ میں اس وقت لالچ میں آگیا اور اس کے کام کی حامی بھر لی۔ میں مہینے میں صرف ایک مرتبہ اس کا مال لے کر آتا تھا اور مجھے کمیشن کے طور پر تین چار لاکھ روپے مل جاتے تھے۔"

"میں دو سال تک اس کے لیے کام کرتا رہا۔ کسی کو شبہ نہیں ہوا۔ میں پہلے اس مکان کے ایک حصے میں کرائے دار تھا۔ لیکن دو سال میں میرے پاس اتنا پیسہ جمع ہوگیا کہ میں نے یہ مکان خرید لیا اور گلبرگ میں بھی چار کنال کا ایک پلاٹ خرید لیا۔ لیکن ایک روز جب میں پشاور سے خیبر میل لے کر روانہ ہونے والا تھا' ٹرین پر چھاپہ پڑ گیا۔ پولیس' کسٹمز اور اینٹی نارکوٹکس اسکوڈ نے مشترکہ کارروائی کی تھی۔ کسی نے میرے بارے میں مخبری کردی تھی۔ میرے کمپارٹمنٹ کی

اس طرح تلاشی لی گئی کہ اندر سے بوگی کے تختے تک ادھیڑ دیئے گئے۔ لیکن یہ میری خوش قسمتی تھی کہ اس روز میرے پاس کچھ نہیں تھا۔ ٹرین تین گھنٹے لیٹ ہوگئی۔ اس دوران مجھ سے بھی پوچھ گچھ ہوتی رہی۔ لیکن میرے خلاف کوئی بات ثابت نہیں ہوسکی تھی۔

"اس روز میں بچ تو گیا تھا لیکن ریلوے حکام کی نظروں میں مشکوک ہوگیا تھا۔ مجھ پر ہیروئن کی اسمگلنگ کا الزام تو ثابت نہیں ہو سکتا تھا لیکن کچھ اور الزامات لگا کر مجھے ملازمت سے برطرف کردیا گیا۔ میں نے ہائیکورٹ میں ریلوے حکام کے اس فیصلے کے خلاف اپیل تو کر دی لیکن اپنے کیس کی باقاعدہ پیروی نہ کرسکا اور مقدمہ خارج ہوگیا۔

"اس واقعہ کو ڈیڑھ سال گزر چکا ہے۔ اس دوران حاجی نے مختلف ذرائع سے مجھ سے رابطہ رکھا۔ وہ اپنے آدمیوں کے ہاتھ کبھی کبھی مجھے کچھ رقم بھی بھیج دیتا تھا۔ میں حاجی سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا لیکن وہ میرا پیچھا چھوڑنے کو تیار نہیں تھا۔ پھر حاجی سے ملاقاتیں بھی ہونے لگیں اور رفتہ رفتہ میں اس کے بارے میں بہت کچھ جان گیا۔

"حاجی کی داروغہ والا کی کوٹھی پر تم سے بہت مختصر سی ملاقات ہوئی تھی۔ بعد میں تمہارے بارے میں بھی بہت کچھ معلوم ہوا۔ تم سے دوبارہ کبھی ملاقات کا موقع نہیں مل سکا لیکن مجھے پتا چلتا رہتا تھا۔ تم نے حاجی کے لیے بہت کچھ کیا۔ تمہارے ساتھ ثمینہ کا نام بھی سننے میں آتا رہا۔ تم دونوں حاجی کے سب سے زیادہ قابل اعتماد اور معتمد ساتھی سمجھے جاتے تھے۔ اس سے حاجی کے کچھ پرانے خدمت گار ناراض بھی ہوئے۔ لیکن اس نے کبھی پروا نہیں کی۔

"پھر نجانے کیا ہوا کہ حاجی تم دونوں کو اپنے لیے خطرہ محسوس کرنے لگا۔ اس نے تم لوگوں کو راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کرلیا اور ایک سازش کے تحت افغانستان بھیج دیا۔ اس کا خیال تھا کہ تم لوگوں کو افغانستان میں ختم کر دیا جائے گا تو اس کے لیے کوئی خطرہ نہیں رہے گا لیکن تم لوگ اس سازش سے بچ گئے۔

"اس دوران حاجی نے تمہاری ماں اور بہن کو کوٹھی سے نکالنے کا فیصلہ کرلیا۔ میں نے اسے بہت سمجھایا کہ وہ ایسا نہ کرے۔ لیکن اس نے میری بات نہیں مانی اور جب اسے یہ پتا چلا کہ تم لوگ زندہ بچ کر افغانستان سے واپس آگئے ہو تو اس نے اپنے تمام آدمیوں کو حکم دے دیا کہ تم لوگوں کو ختم کر دیا جائے اور اس کے بعد تمہارے ہاتھوں حاجی کی تباہی کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے اس سے وہ بری طرح بدحواس ہورہا ہے۔ کل بھی تم لوگوں نے جو کچھ کیا اس پر تو حاجی کو پاگل ہو جانا چاہیے۔"

"حاجی اس وقت کہاں ہے۔" ثمینہ نے اس کے خاموش ہونے پر پوچھا۔ "پہلے وہ میرے گھر

aazzamm@yahoo.com

میں تھا۔ باغبانپورے والے اڈے کی تباہی کے بعد ثمینہ نے فون پر اس سے بات کی تو وہ یہاں سے چلا گیا۔ بلکہ میں نے اسے خود یہاں سے چلتا کیا تھا۔" شفقت چند لمحے خاموش ہوا پھر بولا۔ "دراصل میری بیوی کو شبہ ہوگیا تھا۔ میری بھی جوان بیٹیاں ہیں۔ اس روز مجھے پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ مجھے حاجی جیسے آدمیوں کو اپنے گھر سے دور ہی رکھنا چاہیے۔"

"اس وقت وہ کہاں ہے۔" ثمینہ نے اپنا سوال دہرایا۔

"گلبرگ میں۔" شفقت نے جواب دیا۔ "تین دن پہلے اس کے ایک آدمی مقصود نے مجھے اطلاع دی تھی کہ وہ کہاں ہے۔ دراصل مانٹریال سے ایک پارٹی مال لینے کے لئے آنے والی ہے وہ اپنے مقامی ایجنٹ کے ذریعے مجھ سے ہی رابطہ کریں گے۔ اس لئے مجھے حاجی کے ٹھکانے کا بتا دیا گیا تھا کہ وہ لوگ آ جائیں تو میں حاجی کو مطلع کر دوں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اب حاجی ان لوگوں سے ملنا پسند نہیں کرے گا۔ اس کے پاس کچھ بچا ہی نہیں تو وہ مانٹریال والوں کو کیا دے گا۔"

وہ چند لمحوں کو خاموش رہا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "حاجی کے بارے میں یہ سب کچھ میں نے تم لوگوں کو اس لئے بتا دیا ہے کہ مجھے حاجی سے نفرت ہو گئی ہے خاص طور پر اس وقت سے جب اس نے تمہاری ماں اور بہن کو کوٹھی سے ذلیل کر کے نکالا تھا۔ لیکن تم میری ہمدردی میں یہاں آئے ہو۔ کیا تم بتانا پسند کرو گے کہ مجھ سے کیا ہمدردی ہے۔"

"آپ کے بارے میں ہمیں کئی روز پہلے معلوم ہو گیا تھا۔" شارق نے جواب دیا۔ "آپ ایک شریف آدمی ہیں اور دھوکے اور لالچ میں حاجی کے چنگل میں پھنس گئے تھے جس کے نتیجہ میں آپ کو اپنی ملازمت سے بھی ہاتھ دھونے پڑے۔ لیکن اب صورت حال کچھ مزید سنگین ہو گئی ہے۔"

"مثلاً؟" شفقت نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"حاجی کو شبہ ہے کہ اس کے اندر کا کوئی آدمی اس کے خلاف مخبری کر رہا ہے۔ ان مشتبہ افراد کی فہرست میں آپ کا نام بھی ہے۔ ایک دو روز میں وہ آپ سے اس سلسلے میں پوچھ گچھ کرنے والا ہے۔ حاجی کے ساتھیوں میں عرفان نام کا کوئی آدمی ہے۔ اس کے ذمہ یہ کام سونپا گیا ہے کہ جب آپ کو پوچھ گچھ کے لئے بلایا جائے تو وہ آپ کی بیٹی کو اٹھا کر لے جائے۔ اس طرح آپ کچھ بتانے پر مجبور ہو جائیں گے۔"

شفقت کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ شارق اور ثمینہ اس کی حالت دیکھ کر دل ہی دل میں مسکرا رہے تھے۔ یہ ثمینہ ہی کا منصوبہ تھا کہ بیٹی کا نام لے کر شفقت کو دہشت زدہ کیا جائے تاکہ اسے حاجی

سے نفرت ہو جائے اور اس طرح حاجی ایک قابل اعتماد ساتھی سے محروم ہو جائے۔ شارق آج سارا دن اسی لئے پھرتا رہا تھا کہ اسے کچھ ایسی معلومات حاصل ہو جائیں جنہیں شفقت جھوٹ نہ سمجھے۔ عرفان کا نام بھی گلزار سے ہی معلوم ہوا تھا۔

"اب آپ کی بھلائی اسی میں ہے کہ کسی کو بتائے بغیر چند روز کے لئے بچوں کو لے کر لاہور سے باہر چلے جائیں۔" شارق نے کہا۔

شفقت چند لمحے گنگ سا بیٹھا رہا پھر غبارے کی طرح پھٹ پڑا۔ حاجی کے خلاف کچھ باتیں تو وہ پہلے ہی بتا چکا تھا لیکن اب وہ کچھ ایسی باتیں بھی بتا رہا تھا جو شارق اور ثمینہ کے لئے سنسنی خیز انکشافات کی حیثیت رکھتی تھیں۔

"ہم آپ کے ساتھ ہیں۔" ثمینہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ احتیاطاً بچوں کو لے کر چند روز کے لئے شہر سے باہر چلے جائیے۔"

شفقت اس طرح خاموش بیٹھا تھا جیسے اس کی قوت گویائی سلب ہو گئی ہو۔ اور پھر ثمینہ ہی کے پوچھنے پر اس نے گلبرگ میں فاروق احمد کی کوٹھی کا پتا اور فون نمبر بھی بتا دیا۔

ثمینہ اور شارق، شفقت کے مکان سے نکلے تو ساڑھے گیارہ بج چکے تھے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

گھر پہنچنے میں پندرہ بیس منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ ثمینہ جاتے ہی ٹیلی فون کے قریب بیٹھ گئی۔ ان نے فون کا ریسیور اٹھایا اور شفقت کا دیا ہوا نمبر ملانے لگی۔ تیسری گھنٹی پر کال ریسیو کر لی گئی اور ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

"ہیلو کون؟"

"حاجی عبداللہ سے بات کرنی ہے۔" ثمینہ نے کہا۔

"یہاں کوئی عبداللہ نہیں رہتا۔ تم کون ہو؟" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔ آواز میں ایسا تاثر تھا جیسے وہ عورت حاجی عبداللہ کا نام سن کر چونک گئی ہو۔

"اگر تمہارے ہاں کوئی حاجی عبداللہ نہیں ہے تو میرے بارے میں کیوں جاننا چاہتی ہو کہ میں کون ہوں۔" ثمینہ نے کہا اور ایک لمحہ کی خاموشی کے بعد کسی قدر درشت لہجے میں بولی۔ "حاجی کو فون پر بلاؤ۔ ایک منٹ کے اندر اندر۔"

دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں دیا گیا البتہ کھسر پھسر کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ پھر ایک مردانہ آواز سنائی دی۔

"تم کس سے بات کرنا چاہتی ہو۔ یہاں حاجی عبداللہ نام کا کوئی آدمی نہیں رہتا۔"

aazzamm@yahoo.com

"تم غالباً" فاروق احمد بول رہے ہو۔" ثمینہ درشت لہجے میں بولی۔

"میں یہ بھی جانتی ہوں کہ اس وقت تمہاری کوٹھی میں کون کون موجود ہے۔ اگر تم نے ایک منٹ کے اندر اندر حاجی عبداللہ کو فون پر نہ بلایا تو۔"

"تم کون ہو اور میرا نام کیسے جانتی ہو۔" دوسری طرف سے اس کی بات کاٹ دی گئی۔

"صرف نام ہی نہیں میں تمہارے بارے میں بہت کچھ جانتی ہوں۔ اگر تم میرا نام جاننا چاہتے ہو تو عبداللہ کو بتاؤ کہ ثمینہ بات کرنا چاہتی ہے۔" ثمینہ نے کہا۔

"ث۔۔۔ ث۔۔۔ ثمینہ۔۔۔"

اور پھر یوں لگا جیسے دوسری طرف بات کرنے والے کے ہاتھ سے ریسیور چھوٹ گیا ہو۔ میز پر ریسیور گرنے کی آواز ثمینہ کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

○

کوٹھی کے نیچے وہ تہ خانہ بہت گندہ تھا۔ فرش پر گرد کی تہ جمی ہوئی تھی۔ ایک طرف ٹوٹی ہوئی کرسیاں اور دوسرے کاٹھ کباڑ کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ کار کی دو سیٹیں بھی پڑی ہوئی تھیں۔ جن کے کشن پھٹے ہوئے تھے۔ ان پر بھی گرد کی تہ جمی ہوئی تھی۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اس تہ خانے کو عرصہ سے استعمال نہیں کیا گیا تھا۔

اس وقت تہ خانے میں حاجی عبداللہ کے ساتھ عرفان' دلاور اور رب نواز بھی موجود تھے۔ حاجی کی بند روڈ والی کوٹھی کے تینوں محافظ اللہ دتہ' قادر اور غلام رسول فرش پر پڑے ہوئے تھے۔ ان تینوں کی حالت دیکھ کر لگتا تھا کہ ان کی اچھی خاصی خاطر تواضع ہو چکی تھی۔ غلام رسول دونوں ہاتھوں سے اپنی دائیں ٹانگ پکڑے بیٹھا تھا۔ غالباً" پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ اس کے چہرے پر بے پناہ کرب کے آثار تھے۔

حاجی عبداللہ کے ہاتھ میں کرسی کا ایک ٹوٹا ہوا پایا تھا۔ رب نواز کے ہاتھ میں بید کی لچکدار چھڑی تھی۔ حاجی عبداللہ نے آگے بڑھ کر اللہ دتہ کے پہلے زور دار ٹھوکر ماری پھر ہاتھ میں پکڑی ہوئی لکڑی سے اس کے بازو پر زور دار ضرب لگائی۔ اللہ دتہ بلبلا اٹھا۔

"تمہاری آواز اس تہ خانے سے باہر نہیں جائے گی۔" حاجی عبداللہ نے چیخ کر کہا۔ "تم لوگوں کی زبانیں کھلوانے کے لئے یہ تین بندے کافی ہیں۔ مگر میرے کلیجے میں آگ لگی ہوئی ہے۔ تم لوگوں کی وجہ سے مجھے جو نقصان پہنچا ہے اس کی تلافی تو تم تینوں کی آنے والی سات نسلیں بھی نہیں کر سکیں گی اس لئے میں تمہاری آنے والی نسلیں ہی ختم کر دوں گا۔ میں خود تم لوگوں سے پوچھوں گا کہ وہ لوگ وہاں کیسے پہنچے تھے۔ بتا اوئے۔ جلدی بتا شارق اور اس کے ساتھی وہاں

کیسے پہنچے تھے اور انہیں تہ خانے کا راستہ کس نے بتایا تھا۔ جلدی بولو۔"

"یہ تہ خانے کا راستہ ہم نے نہیں بتایا حاجی جی۔" اللہ دتہ گھگھیایا۔ "ہم تو یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ وہ کون لوگ تھے۔ وہ چھ سات آدمی تھے حاجی جی۔ تیز بارش میں وہ اچانک ہی دیوار کود کر اندر آ گئے تھے۔ انہوں نے ہمیں رائفلوں کی زد میں لے لیا تھا۔ اور ہم کچھ بھی نہیں کر سکے تھے۔"

"کچھ بھی نہیں کر سکے تھے۔" حاجی نے لکڑی سے اسے ایک اور زور دار ضرب لگائی۔ "تمہارے پاس بھی بندوقیں تھیں۔ تم لوگوں نے فائر کیوں نہیں کھول دیا۔ انہیں مار کیوں نہیں دیا اور خود کیوں نہیں مر گئے بے غیرتو۔" اس نے دو چار ضربیں لگائیں پھر بولا۔ "بات وہ نہیں جو تم مجھے بتا رہے ہو۔ میں سچ سننا چاہتا ہوں۔ بتاؤ وہ لوگ اندر کیسے آئے تھے؟"

"میں سچ کہہ رہا ہوں حاجی جی۔" اللہ دتہ تکلیف ضبط کرتے ہوئے کراہا۔ حاجی نے اس پر ٹھوکروں کی بارش کر دی۔ وہ ہاتھ میں پکڑی ہوئی لکڑی سے بھی ضربیں لگا رہا تھا۔ اللہ دتہ فرش پر لوٹتے ہوئے بری طرح چیخ رہا تھا۔ حاجی عبداللہ رک گیا۔ وہ ہانپ رہا تھا۔ اس نے رب نواز کو اشارہ کیا۔

رب نواز نے بید کی لچکدار چھڑی سے اللہ دتہ پر بارش کر دی۔ اللہ دتہ کی قمیص پھٹ گئی۔ جسم پر جہاں بھی چھڑی پڑتی کھال ادھڑ جاتی۔ دلاور اور عرفان بھی آگے بڑھ آئے اور وہ بھی اللہ دتہ پر ڈنڈوں کی بارش کرنے لگے اللہ دتہ کا سر پھٹ گیا تھا جس سے خون بہنے لگا تھا۔

قادر اور غلام رسول کے چہرے خوف سے دھواں ہو رہے تھے۔ اللہ دتہ کو پٹتے دیکھ کر ان کے دل کانپ رہے تھے۔

اللہ دتہ خاصا سخت جان ثابت ہوا تھا لیکن پھر بھی زیادہ دیر تک وہ اس تشدد کا مقابلہ نہ کر سکا اور بے ہوش ہو گیا۔ سر کے علاوہ جسم کے دو تین دوسرے حصوں سے بھی خون بہہ رہا تھا۔

"تمہارا کیا ارادہ ہے اوئے۔" حاجی عبداللہ قادر کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"مم۔۔۔ میں بتاتا ہوں حاجی جی۔" قادر دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔

"شاباش۔" حاجی عبداللہ اسے ٹھوکر مارتے ہوئے بولا۔ "عقل مند لگتے ہو۔ مگر میں سچ جاننا چاہتا ہوں۔ اگر ایک لفظ بھی جھوٹ ثابت ہوا تو تمہاری بوٹیاں کاٹ کر پھینک دوں گا۔"

"میں بالکل سچ بتاؤں گا حاجی جی۔ قادر نے بدستور ہاتھ جوڑ رکھے تھے۔ وہ چند لمحے خاموش رہا' پھر بتانے لگا کہ کس طرح وہ بنجارے بارش سے بچنے کے لئے احاطے کے اندر آئے تھے۔" وہ بنجارنیں بڑی خوبصورت تھیں جی۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "ان میں سے ایک بنجارن پانی لینے کے لئے آیا

aazzamm@yahoo.com

کرتی تھی' اور یہ اللہ دتہ اس سے چھیڑ چھاڑ کیا کرتا تھا۔ جب بارش تیز ہوئی تو اللہ دتہ نے اس بنجارن اور اس کے سارے ساتھیوں کو اندر آنے کی اجازت دی تھی۔ میں نے اس کی مخالفت کی تھی اور پھر یہ کہا تھا کہ اگر انہیں اندر آنے دیا ہے تو انہیں برآمدے ہی میں بٹھا دیا جائے۔ مگر اس پر تو ہوس سوار تھی۔ اس نے نہ صرف کاٹیج کا دروازہ کھول دیا بلکہ ان کے بندوں کے لئے کمروں کے دروازے بھی کھول دیے تھے آپ غلام رسول سے پوچھ لیں جی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا اور پھر بولا۔"ہمیں نہیں معلوم تھا کہ وہ کون لوگ ہیں۔ ہم انہیں بنجارے ہی سمجھے تھے جو کئی روز سے احاطے کے سامنے بند روڈ کی ڈھلان پر ڈیرہ ڈالے ہوئے تھے۔ اندر آ کر انہوں نے اچانک ہی پستول نکال لئے تھے۔ اور ان میں سے ایک لڑکی نے بتایا کہ وہ ثمینہ ہے۔ ایک آدمی کے چہرے سے نقلی مونچھ اتر گئی تھی اور اللہ دتہ نے اسے پہچان لیا تھا۔ وہ تھانیدار عثمان تھا۔ اللہ دتہ نے اسے قابو کرنے کی کوشش کی تھی مگر پستول چل گیا اور تھانیدار عثمان مر گیا۔ اس کے بعد انہوں نے ہمیں رسیوں میں باندھ دیا تھا۔"

"شارق بھی تھا؟" حاجی نے پوچھا۔

"نہیں جی۔ ان کے ساتھ شارق نہیں تھا۔" قادر نے نفی میں سرہلایا۔

"تہ خانے کا راستہ کس نے بتایا تھا؟" حاجی نے دوسرا سوال کیا۔

"اللہ دتہ نے جی۔" قادر نے جواب دیا۔

"میری طرف سے تم سب کو حکم مل چکا تھا کہ کسی اجنبی کو قریب بھی نہ پھٹکنے دیا جائے۔ اور یہ تو خاص طور پر کہا گیا تھا کہ خوبصورت عورتوں پر نگاہ رکھی جائے۔ تم لوگوں نے میرا حکم نہیں مانا۔" حاجی نے کہا۔

"غلطی ہو گئی جی۔" قادر کہتے ہوئے اس کے پیروں پر گر گیا۔"اس مرتبہ معاف کر دیں جی۔ آئندہ---"

"تم لوگ آئندہ کوئی غلطی کرنے کے لئے زندہ نہیں رہو گے۔" حاجی نے کہا اور قادر پر ٹھوکریں برسانے لگا۔

اسی وقت تہ خانے کا سیڑھیوں والا دروازہ کھلا اور فاروق احمد اندر داخل ہوا۔ اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔

"کیا بات ہے فاروق احمد۔ تم کیوں بد حواس ہو رہے ہو۔" حاجی نے اسے گھورا۔"کوٹھی پر پولیس نے دھاوا بول دیا ہے کیا؟"

"نہیں حاجی جی۔" فاروق احمد کی آواز بھی کپکپا رہی تھی۔ اللہ دتہ اور اس کے ساتھیوں کی حالت دیکھ کر وہ کچھ اور بھی خوفزدہ ہو گیا تھا۔"آپ کے لئے فون آیا ہے۔" اس نے رک رک کر کہا۔

"شفقت کا فون ہو گا۔ شاید مانٹریال والے آ گئے ہوں گے۔ تم چلو میں ابھی اوپر آتا ہوں۔" حاجی بولا۔

"نہیں حاجی جی۔ شفقت کا فون نہیں ہے۔" فاروق نے کہا۔ اس کی آواز بدستور کپکپا رہی تھی۔

"تو پھر کس کا فون ہے۔" حاجی نے اسے گھورا۔

"وہ---وہ اپنا نام---ثمینہ بتاتی ہے۔" فاروق نے رک رک کر کہا۔

"کیا بکتے ہو---" حاجی دھاڑا۔"اسے کیسے پتا چلا کہ میں یہاں ہوں۔"

"پپ---پتا نہیں جی۔" فاروق بولا۔"آپ چل کر بات کر لیں۔ اس نے کہا تھا کہ وہ جانتی ہے آپ یہاں ہیں۔ اگر ایک منٹ کے اندر آپ کو فون پر نہ بلایا گیا تو ہمیں کہیں اور چھپنے کی جگہ نہیں ملے گی۔"

"چلو---میں بات کرتا ہوں اس حرامزادی سے۔" حاجی نے کہا اور پھر عرفان اور رب نواز کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔"تم ذرا انہیں بتاؤ نا کہ حکم عدولی کا مطلب کیا ہوتا ہے۔ میں اس حرامزادی سے بات کر کے آتا ہوں۔"

حاجی' فاروق کے ساتھ اوپر آ گیا۔ ڈرائنگ روم میں رعنا بھی کھڑی تھی۔ اس کے چہرے پر بھی ہوائیاں سی اڑ رہی تھیں۔ ٹیلی فون کا ریسیور ایک طرف رکھا ہوا تھا۔ حاجی نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا۔ اور کتے کی طرح غراتے ہوئے بولا۔"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا حرامزادی۔ تم ایک بار میرے ہاتھ لگ جاؤ تو۔"

"ایسا موقع بھی جلد آنے والا ہے حاجی۔" دوسری طرف سے ثمینہ کی پرسکون آواز سنائی دی۔ اس نے حاجی کی بات کاٹ دی تھی۔"ہماری اور تمہاری ملاقات ضرور ہو گی۔ لیکن ابھی تھوڑا انتظار کرو۔ میرا خیال تھا کہ تم ہیروئن کے تالاب میں غوطے لگا کر پاگل ہو چکے ہو گے لیکن معلوم ہوتا ہے ابھی تمہارے پاگل ہونے میں کچھ کسر رہ گئی ہے۔ اور ہم چند روز میں یہ کسر بھی پوری کر دیں گے۔"

"تمہاری یہ حسرت کبھی پوری نہیں ہو گی۔" حاجی غرایا۔"میں بہت مضبوط اعصاب کا مالک ہوں۔ تم مجھے مالی نقصان پہنچا سکتی ہو لیکن میرے قریب نہیں آ سکتیں۔"

"یہ تو پتا چل گیا ہے کہ تم واقعی آہنی اعصاب کے مالک ہو لیکن میں نے بھی عہد کر لیا ہے

aazzamm@yahoo.com

کہ میں تمہیں اپنے قدموں میں جھکنے پر مجبور کر دوں گی۔ میں جب چاہوں تمہیں موت کے گھاٹ اتار سکتی ہوں۔ اس کا اندازہ تم اس بات سے لگا سکتے ہو کہ مجھے تمہارے ہر ٹھکانے کا پتا چل جاتا ہے۔ لیکن میں تمہیں نہیں ماروں گی۔ تم زندہ رہو گے تاکہ اپنی آنکھوں سے اپنی تباہی کے مناظر دیکھ سکو۔ اور ایک بات ذہن میں رکھنا پاجی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔"اب یہاں سے بھاگنے کی کوشش مت کرنا۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ تمہارے اس ٹھکانے کے بارے میں کسی کو نہیں بتاؤں گی۔ پولیس کو بھی نہیں۔"

"تم نے میرا کیا بگاڑ لیا ہے جو پولیس بگاڑ لے گی۔" حاجی نے چیختے ہوئے جواب دیا۔

"اس حساب سے تو تمہارا واقعی کچھ نہ بگڑا کہ تمہارے ہاتھ پیر ابھی سلامت ہیں۔ ویسے میں وعدہ کر چکی ہوں کہ تمہارے اس ٹھکانے کے بارے میں پولیس کو اطلاع نہیں دوں گی۔ اور میرا خیال ہے کہ تمہارے پاس اب کوئی جگہ رہی ہی نہیں۔ تمہیں ایک نہ ایک روز سڑکوں پر آنا پڑے گا۔ مقابلہ کرنے کے لئے نہیں' بھیک کے لئے ہاتھ پھیلانے کے لئے۔" ثمینہ نے کہا۔

"کاش! تم میرے سامنے ہوتیں تو میں تمہیں بتاتا کہ میرے ہاتھ بھیک مانگنے کے لئے اٹھیں گے یا تمہارا گلا گھونٹنے کے لئے۔" حاجی چیخا۔

"تمہارے ہاتھوں میں اب اتنی طاقت نہیں رہی کہ کسی کا گلا گھونٹ سکو۔ تمہاری ساری طاقت سلب ہو چکی ہے۔ اور ہاں۔ ذرا اپنے دوست سے بات کر لو۔" چند لمحے خاموشی رہی اور پھر ریسیور پر شارق کی آواز سنائی دی۔"اپنی کمینگی کا تماشہ دیکھ لیا حاجی۔ اگر تم شرافت کا ثبوت دیتے تو تمہارے ساتھ یہ سب کچھ نہ ہوتا۔"

"کیا تم سمجھتے ہو کہ میرے انتقام سے بچ جاؤ گے۔"حاجی غرایا۔"میں تمہاری بوٹیاں کاٹ کر کتوں کو کھلا دوں گا۔ تمہارا وہ حشر کروں گا کہ دنیا دیکھے گی۔"

"میں نے تمہارا کچھ نہیں بگاڑا حاجی۔" شارق نے جواب دیا۔"اب تک جو کچھ بھی کیا ہے ثمینہ ہی نے کیا ہے میں تو ایک گوشے میں بیٹھا ہوا ہوں اور جس دن میں میدان میں آ گیا اس دن تمہیں کہیں پناہ بھی نہیں ملے گی۔ اب میں زیادہ دیر تم سے بات نہیں کرنا چاہتا کیونکہ اگر تم اسی طرح چیختے رہے تو تمہارے پھیپھڑے پھٹ جائیں گے۔"

حاجی چیخ دھاڑ رہا تھا لیکن دوسری طرف سے لائن کاٹ دی گئی تھی۔ حاجی کو جب لائن بے جان ہونے کا احساس ہوا تو اس نے بھی غصے سے ریسیور پٹخ دیا۔ قریب کھڑی ہوئی رعنا خوفزدہ ہو کر اچھل پڑی تھی۔

"کل کا لونڈا اپنے آپ کو پتا نہیں کیا سمجھنے لگا ہے۔" حاجی باری باری رعنا اور فاروق کی

طرف دیکھتے ہوئے بولا۔"چوروں کی طرح معمولی سا نقصان پہنچا کر سمجھ رہا ہے کہ اس نے بہت بڑا تیر مارا ہے۔ یہ معمولی سا نقصان تو میرے ہاتھوں کا میل ہے۔ لیکن یہ لونڈا ایک نہ ایک دن میرے ہاتھ ضرور آئے گا اور پھر اس حرامزادے سے پوچھوں گا۔"

"لونڈا!" رعنا کے لہجے میں حیرت تھی۔"لیکن وہ تو ثمینہ تھی۔"

"ہاں۔ پہلے اس حرامزادی نے بات کی تھی۔" حاجی بولا۔"اس کا یار بھی اس کے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا مگر۔۔۔تم لوگ کیوں خوفزدہ ہو؟"

"انہیں پتا چل گیا ہے کہ آپ یہاں ہیں۔ اگر انہوں نے۔۔۔"

"کچھ نہیں ہو گا۔" حاجی نے فاروق کی بات کاٹ دی۔"میرے ہوتے ہوئے تم لوگوں کو ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ دونوں بہت خبیث ہیں کبھی قریب آنے کی کوشش نہیں کریں گے۔"

"لیکن اگر انہوں نے پولیس کو اطلاع کر دی تو۔" رعنا خوفزدہ سے لہجے میں بولی۔

"وہ ایسا نہیں کریں گے۔" حاجی نے جواب دیا۔"میں شارق اور ثمینہ کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ ہماری آپس کی جنگ ہے اور وہ اس جنگ میں کسی اور کو نہیں لائیں گے۔ وہ دونوں میرے دشمن نمبر ایک ضرور ہیں لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ اصول پرست ہیں۔ بہرحال' تم لوگ اطمینان رکھو۔ یہاں پولیس نہیں آئے گی۔"

حاجی ان دونوں کو وہیں چھوڑ کر تہ خانے میں آ گیا۔ اللہ دتہ اب بھی بے ہوش پڑا تھا اور عرفان وغیرہ قادر اور غلام رسول کو تشدد کا نشانہ بنا رہے تھے۔ تہ خانے میں ان کی چیخیں گونج رہی تھیں۔ حاجی کو یہ اطمینان تھا کہ ان کی چیخیں اس کوٹھی سے باہر نہیں سنی جائیں گی۔ وہ کچھ دیر پہلے ڈرائنگ روم میں کھڑا تھا تو اس نے کوئی آواز نہیں سنی تھی۔ یہاں کوٹھیاں اتنی بڑی اور ایک دوسرے سے اتنی دور تھیں کہ دوسری کوٹھی تک آواز جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

"انہیں اب زندہ رکھنے کی ضرورت نہیں۔ ختم کر دو انہیں۔" حاجی نے باری باری ان تینوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور ان لاشوں کا کیا کریں گے حاجی جی۔" عرفان نے کہا۔

"کوٹھی کے پیچھے یہ اتنا بڑا گندہ نالہ بہہ رہا ہے۔ تیز پانی سارے شہر کی گندگی کو بہا کر لے جاتا ہے۔ اس گندگی کو بھی لے جائے گا۔ پھینک دو ان کی لاشیں نالے میں۔" حاجی نے کہا۔

عرفان نے فوراً ہی پستول نکال لیا۔ قادر اور غلام رسول حاجی کے قدموں میں گر کر زندگی کی بھیک مانگنے لگے۔ حاجی نے انہیں ٹھوکریں مار کر پیچھے ہٹا دیا۔ عرفان نے پہلے قادر کی کھوپڑی میں گولی ماری اور پھر غلام رسول اور اللہ دتہ کی کھوپڑیوں میں بھی گولیاں اتار دیں وہ گرد آلود فرش

aazzamm@yahoo.com

پر تڑپنے لگے۔ حاجی نے ایک نظر ان کی طرف دیکھا اور پھر عرفان وغیرہ کو لاشیں ٹھکانے لگانے کی ہدایت دیتا ہوا اوپر آگیا۔

رعنا اور فاروق احمد ہال کمرے میں بیٹھے کھسر پھسر کر رہے تھے شاید وہ اس وقت کو کوس رہے تھے جب انہوں نے حاجی کو اپنے گھر آنے کی اجازت دی تھی۔ انہیں اندیشہ تھا کہ اگر شارق نے خود یہاں حملہ کر دیا یا پولیس کو اطلاع دیدی تو وہ بھی مارے جائیں گے۔

حاجی کو آتے دیکھ کر وہ خاموش ہو گئے۔

"تمہارا پری چہرہ کہاں ہے۔ اس سے کہو چائے بنائے۔ بڑی شدت سے طلب ہو رہی ہے۔" حاجی نے رعنا کی طرف دیکھتے ہو کہا۔

"وہ تو ساڑھے دس بجے ہی سو جاتا ہے حاجی صاحب۔ میں چائے بناتی ہوں۔" رعنا اٹھتے ہوئے بولی۔ "مگر آپ نے تو ابھی تک کھانا بھی نہیں کھایا۔"

"بھوک نہیں ہے مجھے۔ چائے پینا چاہتا ہوں۔" حاجی نے کہا اور وہیں ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

رعنا اٹھ کر باورچی خانے میں چلی گئی۔ اور پندرہ بیس منٹ بعد چائے بنا کر لے آئی۔ اس نے اپنے اور فاروق کے لئے بھی چائے بنائی تھی۔

وہ چائے پی رہے تھے کہ رب نواز اور دلدور' اللہ دتہ کی لاش اٹھائے ایک کمرے سے برآمد ہوئے۔ تہ خانے کا راستہ اسی کمرے میں سے تھا۔ لاش کے سر سے خون ٹپک رہا تھا۔ اسے دیکھ کر رعنا کے ہاتھ میں پکڑا ہوا کپ چھوٹ گیا۔ گرم گرم چائے اس کے اوپر گری اور وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔

"یہ۔۔۔یہ کیا۔۔؟" آواز اس کے حلق میں پھنس گئی تھی۔ "گندگی ہے۔ پیچھے نالے میں پھینکنے جا رہے ہیں۔" حاجی نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

تہ خانے میں سے یکے بعد دیگرے تین لاشوں کو باہر لے جاتے دیکھ کر رعنا اور فاروق کانپ کر رہ گئے۔ ان تینوں کو آج دوپہر ہی رسیوں سے باندھ کر یہاں لایا گیا تھا۔ پری چہرہ کے سامنے تو حاجی نے یہ کہا تھا کہ وہ تینوں گاؤں میں سے اس کے گھر سے قیمتی زیورات چرا کر بھاگے ہوئے تھے اور آج پکڑے گئے تھے لیکن بعد میں فاروق کو پتا چل گیا تھا کہ وہ تینوں بند روڈ والے اس بنگلے کے محافظ تھے جس کے تہ خانے میں پڑی ہوئی کروڑوں روپے کی ہیروئن ضائع کر دی گئی تھی۔ فاروق نے رعنا کو بتا دیا تھا کہ وہ تینوں کون تھے۔

ان دونوں کا خیال تھا کہ انہیں مار پیٹ کر چھوڑ دیا جائے گا۔ لیکن یہ تو وہ سوچ بھی نہیں

سکتے تھے کہ حاجی اتنا سفاک ثابت ہو گا۔ پہلے تو ان تینوں کو بے پناہ تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور پھر سروں میں گولیاں مار کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔ حاجی نے رعنا کی بات کا جواب اس طرح دیا تھا جیسے انسانی زندگی اس کے نزدیک کوئی اہمیت نہ رکھتی ہو۔

رعنا اپنی جگہ بے حس و حرکت کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ وحشت تھی۔ گرم گرم چائے گرنے سے نہ صرف اس کے کپڑوں کا ستیاناس ہو گیا تھا بلکہ اس کا جسم بھی جھلس گیا تھا۔ اس نے فاروق کی طرف دیکھا اور پھر لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے اپنے کمرے میں آگئی۔

فاروق احمد بھی اس کے پیچھے ہی کمرے میں آیا تھا۔ اس نے دروازہ بند کر دیا او رعنا کی طرف بڑھا۔ رعنا میں اب کھڑے ہونے کی سکت نہیں رہی تھی۔ خوف سے اس کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ فاروق آگے بڑھا تو وہ اس سے لپٹ گئی۔ فاروق نے اسے بیڈ پر پر بٹھا دیا۔

"اپنے آپ کو قابو میں رکھو رعنا۔" فاروق نے کہا۔ اس کی آواز سرگوشی سے زیادہ نہیں تھی۔

"تم اس خونی کو لے کر کیوں آئے تھے۔" رعنا نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ "نکالو اس قاتل کو گھر سے۔ ورنہ یہ ہمیں بھی مار ڈالے گا۔"

"اسی لئے تو کہتا ہوں اپنے آپ کو قابو میں رکھو۔" فاروق نے کہا۔ "میں نے تو اسے صرف منشیات کا اسمگلر سمجھا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ اس قدر سفاک اور بے رحم ثابت ہو گا۔ اگر ہماری طرف سے کوئی بات ہو گئی۔ اور اسے ہم پر کسی قسم کا شبہ ہو گیا تو یہ ہمیں بھی اس طرح مار کر گندے نالے میں پھینک دے گا اور کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ پری چہرہ سویا ہوا ہے۔ اگر وہ یہ سب کچھ دیکھ لیتا تو شور مچا دیتا۔"

"جتنی جلد ممکن ہو سکے ان لوگوں کو یہاں سے نکالنے کی کوشش کرو۔" رعنا اٹھ کر الماری سے کپڑے نکالنے لگی۔ "اگر پولیس کو ان کی یہاں موجودگی کی بھنک بھی مل گئی تو یہ لوگ تو شاید اپنی جانیں بچا کر بھاگ جائیں گے لیکن ہم نہیں بچ سکیں گے۔ اس لئے جتنی جلد ممکن ہو سکے انہیں یہاں سے چلتا کرنے کی کوشش کرو۔"

"کوشش کروں گا کہ یہ لوگ کل یہاں سے چلے جائیں۔" فاروق احمد نے جواب دیا۔

رعنا الماری سے کپڑے نکال کر باتھ روم میں گھس گئی۔ فاروق احمد چند لمحے وہاں کھڑا رہا اور پھر کمرے سے باہر آگیا۔ ہال کی طرف جانے سے پہلے اس نے کمرے کا دروازہ بھیڑ دیا تھا۔

○

اگلے روز پھر بارش شروع ہو گئی تھی۔ بارش اگرچہ تیز نہیں تھی ہلکی بوندا باندی تھی لیکن

aazzamm@yahoo.com

اس سے بھی زندگی کا نظام درہم برہم ہو گیا تھا۔ پچھلے تین چار روز کی بارشوں سے شہر کی ساری سڑکیں ٹوٹ پھوٹ گئی تھیں اور جگہ جگہ پانی جمع تھا۔

شارق اور ثمینہ وغیرہ گھر پر ہی تھے۔ بیکار بیٹھے بیٹھے بوریت ہونے لگی تو نولکھا نے تاش نکال لیے اور وہ سب ثمینہ والے کمرے میں بیڈ پر بیٹھ کر تاش کھیلنے لگے۔ رضیہ اور ثمینہ پارٹنر تھیں جبکہ دوسری پارٹی نولکھا اور شارق پر مشتمل تھی۔ شاہ پری کو تاش کا کوئی کھیل نہیں آتا تھا۔ وہ قریب بیٹھی انہیں کھیلتے ہوئے دیکھتی رہی۔ طفیل برآمدے میں کرسی پر بیٹھا بارش کے مزے لے رہا تھا۔

دوپہر کے قریب بارش بند ہو گئی۔ بادل چھٹ گئے اور دھوپ نکل آئی۔

وہ لوگ صبح سے تاش کھیل رہے تھے لیکن اب اس کھیل سے بھی بوریت ہونے لگی تھی۔ شارق نے پتے پھینک دیے۔ اور انگڑائی لیتا ہوا بیڈ سے اٹھ کر ایزی چیئر پر بیٹھ گیا اور پیر سامنے کو پھیلا لئے۔ اور پھر نولکھا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"حاجی کے ہیروئن کے ذخیرے تو ہم نے تباہ کر دیے۔ اس کے اڈوں کی تباہی کو بین الاقوامی پرنٹ اور الیکٹرونک میڈیا نے بھی نمایاں کوریج دی ہے۔ اس کی تباہی کی خبریں پوری دنیا میں پھیل چکی ہیں۔ اب کوئی بین الاقوامی اسمگلر اس سے رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ منشیات کے حوالے سے تو یہ سمجھو حاجی ختم ہو گیا لیکن اس کے پاس اسلحے کے ذخیرے ابھی باقی ہیں۔ اس نے ہماری ملتان روڈ والی حویلی سے بھی اسلحہ اٹھا لیا تھا اب معلوم کرنا ہے کہ اسلحے کے ذخیرے کہاں کہاں ہیں۔ یہ اڈے بھی ختم ہو جائیں تو وہ خودکشی کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔"

"میرا خیال ہے ایسا نہیں ہو گا" ثمینہ نے کہا۔"اگر کوئی اور ہوتا تو اب تک خودکشی کر چکا ہوتا یا کم از کم پاگل خانے پہنچ چکا ہوتا۔ لیکن ہمیں یہ حقیقت تسلیم پڑے گی کہ یہاں کروڑوں روپے کی ہیروئن کی تباہی سے اس کی صحت پر زیادہ اثر نہیں پڑا۔ تم یہ کیوں بھول گئے ہو کہ اس کے تعلقات بڑے بڑے بین الاقوامی گروہوں سے ہیں۔ ان سب کا مفاد حاجی کی زندگی سے وابستہ ہے۔ وہ اسے اس طرح ختم نہیں ہونے دیں گے۔ وہ اسے سہارا دیں گے اپنی طرف سے بڑی بڑی رقمیں دے کر۔ یہ لوگ ایک ایک سودے میں اربوں ڈالر منافع کماتے ہیں اس لئے یہ چھوٹا موٹا نقصان ان کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اور پھر حاجی خود ایسا گیا گزرا نہیں ہے یہاں لاہور میں اس کی اربوں کی جائیداد ہے۔ خفیہ بینک اکاؤنٹس ہیں جن میں اربوں ڈالر جمع ہوں گے۔ حاجی جیسے شخص کو مالی طور پر تباہ کرنا بڑا مشکل ہو گا۔ البتہ ہم یہ کوشش کرتے رہیں گے کہ وہ چین سے ایک جگہ پر نہ بیٹھ سکے اور اس گھناؤنے کاروبار کے سلسلے میں دوبارہ کھڑا نہ ہو سکے۔"

"ہم یہی تو کر رہے ہیں۔" نولکھا نے کہا۔"اسے تو چین سے بیٹھنے ہی نہیں دینا۔ اگر ہم لوگ اسے اسی طرح بڑے بڑے نقصان پہنچاتے رہے تو وہ کب تک برداشت کرے گا۔ ویسے میرا خیال ہے کہ اس کے ہیروئن کے سارے اڈے ختم نہیں ہو گئے۔ مزید اڈے بھی ہوں گے جن کا ہمیں سراغ لگانا چاہئے۔ لیکن اس سے پہلے اس کے کسی اسلحہ ڈپو پر ہلہ بولا جائے۔ ہیروئن کے اڈوں پر تو اس نے حفاظتی انتظامات پہلے سے زیادہ سخت کر دیے ہوں گے۔ البتہ اسلحہ کے ڈپو کے خلاف کارروائی کا موقع مل سکتا ہے۔"

"تو پھر اسلحہ ڈپو ہی کا سراغ لگایا جائے۔" شارق بولا۔

"ہاں۔ اس سلسلے میں ہمیں کچھ محنت کرنی پڑے گی۔" نولکھا نے جواب دیا۔

"مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں ایک مرتبہ ماجھے گجر کے ایک آدمی کے ساتھ راوی روڈ پر ٹمبر مارکیٹ گیا تھا۔ اس وقت ماجھے گجر سے ہمارے تعلقات بھی اچھے تھے اور حاجی کے بھی۔ ماجھے گجر کا وہ بندہ مجھے سڑک پر ہی چھوڑ گیا تھا اور اندر کسی گلی سے دو کلاشنکوف رائفلیں لے کر آیا تھا۔ اس نے بتایا کہ یہاں حاجی کا اسلحہ کا گودام ہے۔ انہیں جب اپنے گاہکوں کے لئے بھی اسلحہ کی ضرورت پڑتی ہے تو وہ یہاں سے لے جاتے ہیں۔ اب معلوم نہیں وہ اڈا وہاں ہے یا نہیں؟"

"یہ میرا خیال ہے بہت پرانی بات ہے۔"شارق بولا۔"اس قسم کے اڈے آسانی سے منتقل نہیں ہوتے۔ معلوم کرنا پڑے گا۔"

"تو معلوم کر لیتے ہیں۔" نولکھا نے کہا۔"میں کل صبح ہی اپنے مشن پر نکل جاؤں گا۔"

"تم جاؤ گے؟"ثمینہ نے اسے گھورا۔

"مجھے ابھی زنگ نہیں لگا ثمینہ بی بی۔" نولکھا نے کہا۔"ان ہاتھوں میں اب بھی اتنی طاقت ہے کہ دو چار آدمیوں کی گردنیں مروڑ سکوں۔ بند روڈ والے مشن کے بعد میرا حوصلہ بڑھ گیا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ یہ کام تم کرو گے۔" شارق بولا۔"اس کے ساتھ ہمیں یہ بھی معلوم کرنا پڑے گا کہ حاجی جس کوٹھی میں ٹھہرا ہوا ہے وہاں کتنے آدمی ہیں شفقت نے بتایا تھا کہ یہ کوٹھی فاروق احمد نام کے کسی شخص کی ملکیت ہے۔ یہ فاروق احمد کون ہے اور حاجی سے اس کا کیا تعلق ہے؟"

"تعلق تو ناجائز ہی ہو گا۔" نولکھا بولا۔"طفیل کو بھیج دو۔ وہ معلوم کر کے آ جائے گا۔"

"طفیل نہیں میں خود جاؤں گا۔" شارق نے کہا۔"میں کھانا کھانے کے بعد یہاں سے نکل جاؤں گا۔"

"کہیں پھنس مت جانا۔" نولکھا نے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

"شارق کو پھانسنا آسان نہیں ہے۔" شارق مسکرادیا۔

اور پھر دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد تین بجے کے قریب شارق گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ یہ اتفاق تھا کہ اس نے گزشتہ دو دن سے شیو نہیں کیا تھا۔ اس نے جو کپڑے پہنے وہ بھی بہت میلے کچیلے تھے۔ شلوار کا ایک پائنچہ ادھڑا ہوا تھا۔ قمیص کے اوپر کے دو بٹن ٹوٹے ہوئے تھے۔ کھلے ہوئے گریبان سے اس کا بالوں بھرا سینہ برہنہ ہو رہا تھا۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ کندھے پر میلا سا پٹکا رکھا ہوا تھا۔ اور پیروں میں ہوائی چپل تھی۔ حلیئے سے وہ بہت غریب لگتا تھا۔

گھر سے نکل کر جی ٹی روڈ پر تیزاب احاطے کے موڑ تک آتے ہوئے شارق کا حلیہ اور بھی بگڑ گیا۔ اس کے پیر کیچڑ میں بھر گئے تھے اور ہوائی چپل سے اڑنے والے کیچڑ کے چھینٹوں نے اس کی شلوار اور قمیص کو بھی پیچھے سے مزید گندہ کر دیا تھا۔

جی ٹی روڈ پر تیزاب احاطے کے موڑ کے قریب ہی دو ایسے ورکشاپ تھے جہاں رکشے کرائے پر ملتے تھے ایک ورکشاپ کے سامنے تین چار رکشے کھڑے تھے۔ شارق وہاں پہنچ گیا۔

"رکشہ چاہئے استاد جی۔" شارق نے ورکشاپ کے مالک سے کہا۔ "ایک ہفتہ گزر گیا ہے' کوئی کام دھندہ ہی نہیں ملتا۔"

"ڈرائیونگ لائسنس ہے تمہارے پاس؟" استاد جی نے اسے گھورا۔

"لائسنس تو نہیں ہے استاد جی۔ میں دو سال تک گوجرانوالہ میں رکشہ چلاتا رہا ہوں" شارق نے جواب دیا۔

"یہ بات نہیں ہے کہ تمہیں رکشہ چلانا آتا ہے یا نہیں۔" استاد جی نے جواب دیا۔ "لائسنس نہ ہو تو آج کل پولیس والے رکشہ بند کر دیتے ہیں تھانے میں۔"

"ایسا نہیں ہو گا استاد جی۔" شارق بولا۔ "ساری بات پانچ دس روپے کی ہوتی ہے۔ رکشہ رکتے ہی نوٹ سنتری کی مٹھی میں دباؤ تو وہ یہ بھی نہیں پوچھتے کہ لائسنس یا رکشے کے کاغذ ہیں یا نہیں۔"

"کہاں رہتے ہو۔ شناختی کارڈ ہے تمہارے پاس۔" استاد جی نے کہا۔

"چاہ میراں میں رہتا ہوں جی۔ شفیع کمبوہ کی حویلی میں۔ اور یہ ہے میرا شناختی کارڈ۔" شارق نے جیب سے ایک شناختی کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

محمد الیاس نامی شخص کا یہ کارڈ گوجرانوالے کا بنا ہوا تھا۔ اس پر تصویر شارق کی تھی جس میں اس نے داڑھی رکھی ہوئی تھی۔ اس تصویر میں بھی شارق کی حیثیت سے پہچاننا مشکل تھا۔ شارق اور اس کے ساتھیوں کے پاس ایسے کئی شناختی کارڈ تھے جن پر انہوں نے تصویریں لگا رکھی تھیں۔

استاد جی نے پہلے کارڈ پھر شارق کی طرف دیکھا اور ایک رجسٹر کھول کر اس کا نام اور موجودہ پتہ لکھنے لگا۔

"سو روپیہ جمع کرا دو۔ یہ کارڈ میرے پاس رہے گا۔ رکشہ واپس لے کر آؤ گے تو کارڈ واپس مل جائے گا۔ رکشے میں پیٹرول تمہیں ڈلوانا ہو گا اور ہر قسم کی نوٹ پھوٹ کی ذمہ داری تم پر ہو گی۔ یہاں دستخط کر دو اور وہ سامنے والا رکشہ لے جاؤ۔ اگر رات دس بجے کے بعد آئے تو اگلے دن کا کرایہ وصول ہو گا۔"

"ٹھیک ہے استاد جی۔" شارق نے سو کا نوٹ نکال کر میز پر رکھ دیا اور رجسٹر پر دستخط کر کے باہر آ گیا۔

اس نے قریبی پیٹرول پمپ سے ٹنکی میں پیٹرول بھروایا اور اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔

اب فی الحال بارش کا امکان نہیں تھا۔ سورج کبھی بادلوں میں چھپ جاتا اور کبھی دھوپ چمکنے لگتی۔ پیٹرول پمپ سے نکلتے ہی شارق کو مزنگ کی سواریاں مل گئی۔ وہ دو جوان عورتیں تھیں۔ جو راستے بھر زور زور سے باتیں کرتی رہیں۔ انہیں مزنگ چھوڑ کر شارق نے رکشہ گلبرگ کی طرف جانے والی سڑک پر موڑ دیا۔

نہر کے پل پر فوارے والے چوک کے قریب اسے ایک سواری مل گئی جسے لبرٹی جانا تھا۔ وہ ایک ادھیڑ عمر عورت تھی جس نے چہرے پر اس طرح لیپا پوتی کی ہوئی تھی جیسے مقابلہ حسن میں حصہ لینے جا رہی ہو۔

اس عورت کو لبرٹی مارکیٹ چھوڑ کر شارق سینما والے چوک پر نکل آیا اور رکشہ ایک سایہ دار جگہ پر روک کر انجن بند کر دیا۔ سامنے ہی چائے کی دکان تھی۔ شارق نے لڑکے کو آواز دے کر چائے کا ایک گلاس منگوالیا اور پچھلی سیٹ پر نیم دراز پوزیشن میں بیٹھ کر ہلکی ہلکی چسکیاں لینے لگا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے دن بھر رکشہ چلاتے چلاتے بری طرح تھک گیا ہو۔ اس دوران دو تین لوگ آئے تھے مگر شارق نے انکار کر دیا تھا۔

چائے پینے کے بعد بھی وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھا رہا۔ اسے دیکھ کر یوں لگا جیسے وہ سو رہا ہو۔ تقریباً" آدھا گھنٹہ گزر گیا۔ اور پھر شور کی آواز سن کر وہ چونک گیا اور آنکھیں کھول کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

چند گز دور دکانوں کے سامنے پندرہ سولہ سال کی عمر کا ایک لڑکا ایک عورت کا پرس چھین کر بھاگا تھا۔ عورت کے شور مچانے پر کچھ لوگ اس لڑکے کے پیچھے لپکے اور اسے ایک گلی میں مڑتے ہوئے پکڑ لیا۔ اس لڑکے کے ساتھ وہی ہوا جو ایسے موقع پر عام طور پر ہوتا ہے۔ قریب کھڑا ہوا ہر

aazzamm@yahoo.com

شخص اس لڑکے کو ایک دو ہاتھ جڑ رہا تھا۔ اس دوران ایک پولیس والا اس طرف آنکلا۔ اور اس جیب تراش لڑکے کو اپنی تحویل میں لے لیا۔

عورت کا پرس اس کو لوٹا دیا گیا اور پولیس والا اس لڑکے کو مارتا پیٹتا رکشے کے قریب آگیا۔

"کیا بات ہے سنتری بادشاہ۔ کیوں پکڑ لیا ہے بیچارے کو؟" شارق نے پچھلی سیٹ سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"یہ بیچارہ ہے۔" پولیس والے نے لڑکے کی گردن پر ایک اور ہاتھ جڑدیا۔"جیب کترا ہے یہ۔ اسے تھانے لے کر جانا ہے۔ چلو تم رکشہ اسٹارٹ کرو۔"

شارق مزید کچھ کہے بغیر اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا اور رکشہ اسٹارٹ کر دیا۔ پولیس والا اس لڑکے کو لے کر پیچھے بیٹھ گیا۔ رکشے کے آس پاس سات آٹھ آدمی کھڑے تھے۔

"اس کو چھوڑنا مت سنتری بادشاہ۔ بند کر دو اسے تھانے میں۔" ایک آدمی نے کہا۔

"اسے تو ایسا بند کروں گا کہ اس کی بے بے یاد کرتی رہے گی اسے۔" سنتری نے جواب دیا۔

شارق نے رکشہ آگے بڑھا دیا اور چند گز آگے جا کر ایک اور سڑک پر موڑ دیا۔ وہ اس سڑک پر زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ پولیس والے کی آواز سنائی دی۔

"رکشہ روکو ذرا۔"

شارق نے رکشہ سڑک کے کنارے پر روک لیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ پولیس والے نے رکشہ کیوں رکوایا تھا۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ پولیس والا اس لڑکے کی پٹائی کرتے ہوئے گندی گالیاں بک رہا تھا اور اس کے لباس کی تلاشی بھی لے رہا تھا۔ لڑکا خاموش سے پٹ رہا تھا۔

"تھانے لے جاؤں گا تو بند کر دیے جاؤ گے اور پھر کم از کم چھ مہینے کی سزا ہو جائے گی۔ پیسے نکال کہاں چھپائے ہوئے ہیں۔" کانسٹیبل نے تھپڑ مارتے ہوئے بولا۔

"میرے پاس کچھ نہیں ہے جی۔" لڑکے نے جواب دیا۔

لیکن سنتری بادشاہ نے اس کی جیب سے سترہ روپے اور شلوار کے نیفے سے ساڑھے تین سو روپے نکال لئے۔

"تم تو کہتے تھے کچھ نہیں ہے۔" سنتری نے اسے ایک اور تھپڑ مارا۔

"یہ پیسے میرے نہیں ہیں جی۔ میری ماں بیمار۔۔۔"

"چپ کر اوئے ماں دے بچے۔" کانسٹیبل نے اسے ایک اور ہاتھ رسید کر دیا۔"چل بھاگ جا یہاں سے اگر دوبارہ اس علاقے میں نظر آیا تو پکڑ کر بند کر دوں گا۔"

"سر جی۔ مجھے بس کے کرائے کے پیسے تو دیدیں۔" لڑکے نے رکشے سے اترتے ہوئے کہا۔

کانسٹیبل نے دس کا نوٹ اس طرح لڑکے کے ہاتھ میں تھما دیا جیسے اسے بھیک دے رہا ہو۔ پھر وہ شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"مجھے اگلے چوک پر چھوڑ دینا یار۔"

"سنتری بادشاہ۔ اس طرح روز کا کتنا کما لیتے ہو۔" شارق نے رکشہ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"بس یار۔ دال روٹی کا گزارہ ہو جاتا ہے۔ تنخواہ میں تو پوری نہیں پڑتی۔" سنتری بادشاہ نے جواب دیا۔

اگلے چوک پر شارق نے رکشہ روک لیا۔ اور کانسٹیبل اتر کر ایک طرف جانے لگا تو شارق نے آواز لگائی۔

"سنتری بادشاہ۔ کرایہ تو دیدو۔"

"اوئے۔۔۔قنون سے کرایہ مانگتا ہے۔ لائسنس ہے تمہارے پاس۔" کانسٹیبل نے مڑ کر اسے گھورا۔

"جیو سنتری بادشاہ۔" شارق بولا۔"ہم بھی تم جیسے قنون کے محافظوں کی وجہ سے زندہ ہیں۔ مک مکا پر ہی اپنا رکشہ چل رہا ہے۔"

شارق رکشہ لے کر گلبرگ کی مختلف سڑکوں پر گھومتا رہا۔ شفقت نے فاروق احمد کی کوٹھی کا جو پتا بتایا تھا وہ زیادہ مشکل نہیں تھا وہ دو مرتبہ اس کوٹھی کے سامنے سے گزرا تھا۔ تیسری مرتبہ اس طرف پہنچا تو شام کے چھ بجنے والے تھے۔ اس نے کوٹھی کے عین سامنے سڑک کے دوسری طرف ایک درخت کے نیچے رکشہ روک لیا اور نیچے اتر کر اپنی سیٹ اوندھادی اور انجن کو اس طرح دیکھنے لگا جیسے کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہو۔

وہ تقریباً" پندرہ منٹ تک انجن کو دیکھتا رہا۔ اس نے پلگ بھی نکال کر صاف کیاتھا۔ اس دوران وہ باربار سڑک کے دوسری طرف فاروق احمد کی کوٹھی کو دیکھتا رہا تھا۔ اور پھر ایک عورت کو کوٹھی کے گیٹ سے نکلتے دیکھ کر چونک گیا۔ وہ دراز قامت عورت خاصی حسین تھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں پلاسٹک کی ٹوکری تھی اور دوسرے ہاتھ میں پرس تھا۔ وہ اس طرح مٹک مٹک کر چل رہی تھی جیسے کسی فیشن شو میں کیٹ واک کا مظاہرہ کر رہی ہو۔

سڑک پر آکر اس نے ایک سیکنڈ کو رک کر ادھر ادھر دیکھا اور پھر سڑک پار کر کے اس طرف آنے لگی۔ وہ سڑک کے درمیان میں گرین بیلٹ پر پہنچ چکی تھی۔ شارق کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ واقعی بہت حسین تھی۔ شارق کے خیال میں وہ فاروق احمد کی بیوی ہو سکتی تھی۔

aazzamm@yahoo.com

وہ خوبصورت عورت سڑک پار کر کے قریب پہنچ گئی اور اس کے ساتھ ہی شارق کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ وہ عورت نہیں تھی۔ اس کا تعلق تیسری جنس سے تھا۔

"کتھے جانا ہے سوہنیو!" اس کے قریب پہنچنے پر شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لبرٹی مارکیٹ۔ پانچ روپے دوں گی۔" اس نے مٹک کر جواب دیا۔"روزانہ سودا لینے جاتی ہوں۔ اتنے ہی پیسے دیتی ہوں۔"

"تم یہ بھی نہ دینا سوہنیو۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میرا نام سوہنیو نہیں۔ پری چہرہ ہے۔" اس نے رکشے میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

"تم واقعی پری چہرہ ہو۔" شارق بولا۔"اگر تم واقعی عورت ہوتیں تو تمہارے لئے لوگ ایک دوسرے کا خون کر سکتے تھے۔"

"لوگ لڑتے تو اب بھی ہیں۔" پری چہرہ نے مسکرا کر جواب دیا۔"جب میں مارکیٹ جاتی ہوں تو لوگ مجھے اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ کوئی مجھے آئس کریم کھلاتا ہے کوئی لسی پلاتا ہے۔ اور کوئی مجھے ساتھ چلنے کو کہتا ہے۔ مگر میں کوئی آوارہ تھوڑی ہوں جو کسی کے ساتھ چل پڑوں۔ یہ مرد کتنے بیوقوف ہوتے ہیں۔ میرے لئے لڑ پڑتے ہیں۔ ایک دوسرے کو ایسی گندی گندی گالیاں دیتے ہیں۔ کہ توبہ توبہ---شرم آنے لگتی ہے مجھے بھی۔" وہ کانوں کو ہاتھ لگانے لگا۔

"آج تمہیں کوئی نہیں چھیڑے گا۔" شارق نے کہا۔"میں تمہیں مارکیٹ اتار کر تمہارا انتظار کروں گا اور تمہیں واپس بھی چھوڑ دوں گا۔"

"پھر مجھے اپنے ساتھ چلنے کو کہو گے --ہے نا؟" پری چہرہ نے کہا۔

"نہیں میں ایسا آوارہ مرد نہیں ہوں۔" شارق نے جواب دیا۔ اس نے لبرٹی مارکیٹ میں ایک جگہ رکشہ روک لیا اور پری چہرہ کو بتا دیا کہ وہ اس جگہ اس کا انتظار کرے گا۔

پری چہرہ سودا لے کر تقریباً" پون گھنٹے بعد واپس آیا تھا۔ اس کے بیٹھتے ہی شارق نے رکشہ اسٹارٹ کر دیا۔ مارکیٹ کے علاقے سے کشادہ سڑک پر پہنچتے ہی رکشے کا انجن کھانسنے لگا۔ اور بالآخر شارق کو ایک جگہ رکشہ روکنا پڑا۔ سڑک پر ٹریفک کی آمدورفت تھی لیکن قرب و جوار میں کوئی ایسا نہیں تھا جو ان کی طرف توجہ دیتا۔ شارق نے نیچے اتر کر اپنی سیٹ اوندھا دی اور پانے کی مدد سے پلگ کھولنے لگا۔

"تم اس کوٹھی کے ملازم ہو؟" شارق نے اس طرح کہا جیسے وقت گزارنے کے لئے باتیں کرنا چاہتا ہو۔

"میں بچپن سے ان کے پاس ہوں۔" پری چہرہ نے جواب دیا۔"یہ لوگ مجھے گاؤں سے لے

آئے تھے۔ ہمارا صاحب بہت اچھا ہے۔ بیگم صاحب مجھے بہت چاہتی ہیں۔ گھر کا سارا حساب میرے پاس رہتا ہے۔ بیگم صاحبہ نے کبھی مجھ سے حساب نہیں پوچھا۔ میں جو چاہوں خرچ کرتی ہوں۔"

"میں نے تمہارے صاحب کو دیکھا ہے۔ بہت اچھا آدمی ہے۔" شارق نے بولا۔

"تم نے کہاں دیکھا تھا؟" پری چہرہ نے پوچھا۔

"ایک روز اس کی گاڑی خراب ہو گئی تھی اور وہ میرے رکشہ پر دفتر گیا تھا۔ اس نے مجھے کرائے سے پانچ روپے زیادہ دیے تھے۔" شارق نے کہا۔

"ہمارا صاحب واقعی بہت اچھا ہے لیکن آجکل بہت پریشان ہے۔"

"کیوں۔ کیا کاروبار میں کوئی گھاٹا ہو گیا ہے۔" شارق نے پلگ صاف کرتے ہوئے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"نہیں جی۔" پری چہرہ نے کہا۔"اس کے کوئی مہمان آئے ہوئے ہیں۔ کم بخت ہر وقت گھر میں ہی گھسے رہتے ہیں۔ کبھی باہر بھی نہیں جاتے۔ وہ جب سے آئے ہوئے ہیں' صاحب اور بیگم صاحبہ دونوں ڈرے ڈرے سے رہتے ہیں۔"

"تمہارا صاحب ان مہمانوں کو نکال کیوں نہیں دیتا۔ کون ہیں وہ لوگ؟" شارق بولا۔

"اپنے آپ کو حاجی کہتا ہے۔ میں تو اسے پاجی کہتی ہوں۔ اس کے ساتھ تین اور آدمی ہیں۔ بچے ہیں سارے۔ پرسوں رات ایک تو مجھے کھینچ کر سرونٹ کوارٹر میں لے جا رہا تھا۔ میں ہاتھ چھڑا کر بھاگ گئی۔" پری چہرہ نے بتایا۔

"ایسے لوگوں کو تو گھر میں رکھنا ہی نہیں چاہئے۔" شارق بولا۔"پرسوں اس نے تمہارا ہاتھ پکڑا تھا۔ کسی دن تمہاری بیگم صاحبہ کا ہاتھ پکڑ لے گا۔ تمہاری بیگم صاحبہ شاید اسی لئے ڈری ڈری رہتی ہے۔"

"یہ بات نہیں ہے۔" پری چہرہ نے کہا۔"وہ جو پاجی ہے نا بڑا خراب آدمی ہے۔ ویسے ایک بات بتاؤں۔ جس دن تیز بارش ہو رہی تھی نا اس دن یہ تین آدمیوں کو رسیوں سے باندھ کر لے آئے تھے۔ پاجی نے بتایا تھا کہ یہ تینوں گاؤں میں اس کی حویلی سے قیمتی زیور چرا کر بھاگے ہوئے تھے۔ آخر انہیں پکڑ ہی لیا۔ ان تینوں کو تہ خانے میں لے جا کر بہت مارا تھا۔ کل رات تک وہ تینوں تہ خانے میں تھے۔ آج پتا نہیں کہاں غائب ہو گئے۔"

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہ غائب ہو گئے ہیں۔" شارق نے پوچھا۔

"آج دوپہر میں چوری چھپے تہ خانے میں گئی تھی۔" پری چہرہ نے بتایا۔"وہ تینوں تہ خانے

aazzamm@yahoo.com

میں نہیں تھے۔ فرش پر خون بکھرا ہوا تھا۔ میں نے بیگم صاحبہ کو بتایا تو انہوں نے مجھے ڈانٹ دیا کہ میں کسی کو یہ بات نہ بتاؤں۔"

"تمہاری بیگم صاحبہ نے ٹھیک ہی کہا تھا۔" شارق بولا۔ "اگر تم نے کسی کو بتایا تو وہ حاجی اور اس کے بندے تمہیں بھی ماردیں گے۔"

"میں تو بابا کل پنڈ چلی جاؤں گی۔ مجھے تو بہت ڈر لگ رہا ہے یہاں' اور تم کسی سے مت کہنا کہ میں نے تمہیں کوئی بات بتائی ہے۔"

"مجھے کیا ضرورت ہے کسی کو بتانے کی۔" شارق پلگ فٹ کرنے لگا۔ اس کا مطلب پورا ہوگیا تھا۔ اب وہاں رکے رہنے کی ضرورت نہیں تھی۔

پری چہرہ کو اس کی کوٹھی کے سامنے اتارتے ہی اس نے رکشہ آگے بڑھا دیا اور اس کی رفتار بڑھاتا چلا گیا۔

راستے میں کئی لوگوں نے رکشہ روکنے کا اشارہ کیا تھا مگر شارق نے کوئی توجہ نہیں دی۔

آٹھ بجے اس نے رکشہ واپس کردیا۔ استاد سے اپنا شناختی کارڈ واپس لیا اور گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔

پری چہرہ نے بڑا سنسنی خیز انکشاف کیا تھا۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ جن تین آدمیوں کو رسیوں سے باندھ کر لایا گیا تھا وہ بند روڈ والی کوٹھی کے محافظ تھے۔ اس روز شارق نے خود انہیں پجیرو میں ڈالتے ہوئے دیکھا تھا اور پری چہرہ کی باتوں سے اسے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ حاجی نے ان تینوں کو قتل کرکے لاشیں کہیں پھنکوا دی تھیں۔

نولکھا گھر پر نہیں تھا۔ ثمینہ نے بتایا کہ وہ بھی اس کے جانے کے تھوڑی ہی دیر بعد حاجی کے اسلحہ ڈپو کی تلاش میں نکل گیا تھا۔

نولکھا تقریباً" دس بجے واپس آیا۔ وہ ایک ملنگ کے بھیس میں تھا گلے میں کئی رنگ برنگے موتیوں والی مالائیں پڑی ہوئی تھیں۔ وہ بہت خوش نظر آرہا تھا۔ اس نے یہ سنسنی خیز انکشاف کیا کہ اس نے راوی روڈ کے قریب نمبر مارکیٹ کے علاقے میں اسلحہ ڈپو کا سراغ لگا لیا ہے اور وہاں اس وقت بھی اسلحہ کی پیٹیاں بھری ہوئی ہیں۔

"گڈ۔" شارق مسکرا دیا۔ "اس ڈپو کا بندوبست آج ہی ہو جائے گا۔ لیکن پہلے حاجی سے ایک اور بات کرلوں۔"

اس نے فون کا ریسیور اٹھا کر فاروق احمد کا نمبر ملایا۔ کال اس کی بیوی نے ریسیو کی تھی۔

"ریسیور حاجی عبداللہ کو دو۔ اس سے کہو اس کا پرانا دوست شارق بات کرنا چاہتا ہے۔"

شارق نے کہا۔

اور پھر اس کے دو تین سیکنڈ بعد ہی حاجی کی غرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"کیا کوئی نئی دھمکی دینا چاہتے ہو۔ تم یہ یقین کرلو کہ میرے ہاتھ آگئے تو تمہاری بوٹیاں چیلوں اور گدھوں کو کھلاؤں گا۔"

"تمہاری یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہوسکے گی۔" شارق نے کہا۔ "اس وقت تو میں تمہیں یہ مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ اپنی حرکتوں سے باز آجاؤ۔ تم اپنے لیے مزید مشکلات پیدا کرتے چلے جارہے ہو۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو؟" حاجی کتے کی طرح غرایا۔

"بے گناہوں کے خون سے کب تک ہاتھ رنگتے رہو گے۔ بہتر ہے اپنے راستے میں مزید کانٹے بونے کے بجائے اپنے آپ کو سرنڈر کردو۔"

"میں سرنڈر کردوں" حاجی چیخا۔ "میں تو تمہیں اپنے قدموں پر گراؤں گا۔"

"سنو حاجی۔" شارق نے کہا۔ "مجھے پتا چل گیا ہے کہ تم بند روڈ والے احاطے سے اپنے جن تین محافظوں کو لے کر گئے تھے انہیں تم نے قتل کرکے لاشیں غائب کر دی ہیں۔ میں تو پولیس کو اس سلسلے میں کچھ نہیں بتاؤں گا لیکن جب لاشیں ملیں گی تو پولیس خود ہی تمہارے پیچھے لگ جائے گی۔"

"کیا بکتے ہو۔" حاجی چیخا۔ "تمہیں کیسے پتا چلا؟"

"میں تمہاری ایک ایک حرکت سے واقف ہوں۔ ویسے کل تم ایک اور بہت زبردست خوشخبری سنو گے۔" شارق نے کہتے ہوئے فون بند کردیا۔

وہ سب کچھ دیر تک حاجی کے بارے میں گفتگو کرتے رہے۔ پھر شارق بولا۔

"میرا خیال ہے علاقے کے ایس پی کو اس اسلحہ ڈپو کے بارے میں اطلاع دیدی جائے۔ تاکہ آج رات ہی یہ کہانی بھی مکمل ہو جائے۔"

"کیا وہ گمنام اطلاع پر یقین کرلے گا؟" ثمینہ بولی۔

"یہ علاقہ اس ایس پی کا ہے جسے میں نے بند روڈ والے اڈے کے بارے میں اطلاع دی تھی۔ اور پھر یہ اطلاع گمنام نہیں اپنے نام سے دوں گا۔ اسے یقین کرنا ہی پڑے گا۔" شارق نے کہا۔

"تو پھر کرو بات۔" ثمینہ بولی۔

ایس پی کا دفتر اس وقت بند تھا۔ شارق نے اسی علاقے کے ایک پولیس اسٹیشن کا نمبر ملا کر

aazzamm@yahoo.com

ایس پی کے گھر کا فون نمبر دریافت کیا تو دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"آپ کون ہیں جی۔ گھر کا نمبر کیوں مانگ رہے ہیں۔"

"میں ان کا دوست ہوں کراچی سے آیا ہوں۔ اس وقت ایئرپورٹ سے بول رہا ہوں۔ دو گھنٹے بعد والی فلائٹ سے اسلام آباد جارہا ہوں سوچا اپنے دوست الطاف علی سے فون پر ہی بات کرلوں۔ اس وقت دفتر بند ہے اور گھر کا فون نمبر میرے پاس نہیں ہے۔" شارق نے کہا۔

"آپ نمبر نوٹ کرو جی۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور پھر اسے ایس پی الطاف علی کے گھر کا نمبر بتا دیا گیا۔

شارق نے کریڈل ٹیپ کرکے وہ نمبر ملایا۔ اس وقت سوا گیارہ بجے تھے۔ کال فوراً ہی ریسیو کرلی گئی۔

"میں الطاف علی صاحب سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" شارق بولا۔ "میں بول رہا ہوں۔ آپ کون؟" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"میں شارق ہوں جناب۔" شارق بولا۔ "دو دن پہلے حاجی عبداللہ کے ہیروئن کے ایک اڈے کے بارے میں اطلاع دی تھی۔ اس وقت بھی ایک اہم اطلاع دینا چاہتا ہوں۔"

"اوہ۔" الطاف علی کی چونکتی ہوئی آواز سنائی دی۔ "کیسی اطلاع؟"

"یہ اطلاع حاجی عبداللہ کے ایک اور اڈے کے بارے میں ہے جہاں اس وقت خطرناک قسم کے اسلحہ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ شارق نے کہا۔

"اس میں شبہ نہیں کہ تمہاری پہلی اطلاع درست نکلی تھی اور مجھے یقین ہے کہ یہ اطلاع بھی سو فیصد درست ہوگی۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ "تم بھی اس وقت موسٹ وانٹڈ ہو۔ لیکن کچھ عرصہ سے تم جو کچھ کررہے ہو اسے اگرچہ قانون سے تعاون کا نام دیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ تعاون کا طریقہ نہیں ہے۔ کیا تم مجھ سے ملاقات کرسکتے ہو۔"

"آپ سے ملاقات!" شارق چونک گیا۔

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ یہ صرف میری اور تمہاری ملاقات ہوگی اور کسی اور کو اس کا علم نہیں ہوگا۔" ایس پی الطاف علی نے کہا۔

"لیکن اگر میرے ساتھ دھوکا ہوا تو؟" شارق بولا۔

"کوئی دھوکا نہیں ہوگا۔ میرا وعدہ ہے۔" الطاف علی نے کہا۔

شارق نے ریسیور پر ہاتھ رکھ کر ثمینہ وغیرہ سے مشورہ کیا پھر بولا۔ "ٹھیک ہے۔ میں آپ سے ملاقات کے لیے تیار ہوں لیکن اگر کسی قسم کا دھوکا ہوا تو میں پہلے سے بہت زیادہ خطرناک

ثابت ہوں گا۔ آپ ٹھیک ایک گھنٹے بعد منٹو پارک کے بالکل سامنے رنجیت سنگھ کی سمادھی کے پاس آجایئے۔ آپ سادہ لباس میں اور اکیلے ہوں گے۔ میں ایک بار پھر یہ بتا رہا ہوں کہ اگر کوئی دھوکا ہوا تو آپ بھی وہاں سے زندہ واپس نہیں جاسکیں گے۔"

"میں اکیلا آؤں گا اور سادہ لباس میں آؤں گا۔ کوئی میرے ساتھ نہیں ہوگا۔" الطاف علی نے جواب دیا۔

شارق نے مزید کچھ کہے بغیر ریسیور رکھ دیا اور روانگی کی تیاری کرنے لگا۔ شارق کے ساتھ ثمینہ اور نولکھا بھی تیار ہورہے تھے۔

وہ تینوں گاڑی میں روانہ ہوگئے۔ انہیں مقررہ جگہ پر پہنچنے میں آدھے گھنٹے سے زیادہ نہیں لگا تھا۔ ثمینہ اسے رنجیت سنگھ کی سمادھی والے موڑ پر اتار کر گاڑی آگے نکال لے گئی اور تقریباً سو گز دور روک کر انجن اور ہیڈ لیمپس بند کر دیے۔

اس سڑک پر ٹریفک اس وقت بھی زیادہ تھا۔ دوسرے شہروں سے آنے والی اور شہر سے باہر جانے والی تمام بسیں اسی سڑک سے گزرتی تھیں۔

شارق سمادھی سے ذرا ہٹ کر ایک تاریک گوشے میں کھڑا تھا اس کا سیدھا ہاتھ پتلون کی جیب میں رکھے ہوئے پستول پر تھا۔

تقریباً دس منٹ بعد سفید رنگ کی ایک کار سامنے آکر رکی۔ ایک دراز قامت آدمی کار سے اتر کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

شارق نے محتاط نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا۔ آس پاس کوئی مشتبہ گاڑی نظر نہیں آئی۔ وہ تاریکی سے نکل کر نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ اور پھر چند سیکنڈ بعد ایس پی الطاف علی اور شارق ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ایک دوسرے کی آنکھوں میں جھانک رہے تھے۔

Scanned By:
Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com

Scanned By:
Azam & Ali

"میں اکیلا اور خالی ہاتھ ہوں۔ تم دیکھ سکتے ہو کہ آس پاس کوئی نہیں۔" ایس پی الطاف علی نے شارق کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "تم بھی ہاتھ جیب سے نکال لو۔ تمہیں پستول کے استعمال کی ضرورت نہیں پیش آئے گی۔"

"شارق کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے ہاتھ جیب سے نکال لیا اور پھر ان دونوں کے ہاتھ ملانے میں بڑی گرمجوشی دیکھنے میں آئی تھی۔

"مجھے یقین نہیں آتا کہ تم جیسا سمارٹ' مہذب اور تعلیم یافتہ نوجوان اس قسم کی ناپسندیدہ سرگرمیوں میں ملوث ہو سکتا ہے۔" ایس پی الطاف علی اسے اوپر سے نیچے تک دیکھنے لگا۔

شارق کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ یہاں آنے سے پہلے اس نے پون گھنٹہ تیاری میں لگایا تھا۔ کئی دن کا بڑھا ہوا شیو بنانے کے علاوہ بال بھی بڑے سلیقے سے بنائے تھے۔ اسٹون واش جینز اور ڈینم کے ہلکے بلیو رنگ کی شرٹ میں وہ خاصا اسمارٹ لگ رہا تھا۔

"ناپسندیدہ سرگرمیاں!" شارق مسکراتے ہوئے بولا۔ "آپ نے بہت خوبصورت الفاظ استعمال کئے ہیں۔ حالانکہ آپ کے محکمہ کے لوگ تو مجھے غنڈہ' قاتل' لٹیرا' درندہ' بھیڑیا اور نجانے کیا کیا کہتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ" وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "مجھے مجرم بنانے میں آپ ہی کے محکمہ کے لوگوں کا ہاتھ ہے۔ اگر شروع میں میری بات پر توجہ دی جاتی' مجھ سے ہمدردی کا اظہار کیا جاتا' تو آج شارق قاتل' لٹیرا اور سمگلر نہ ہوتا۔ ہو سکتا ہے وہ آپ کی طرح کسی ایسی سیٹ پر بیٹھا ہوتا کہ اپنے لوگوں کی خدمت کرتا لیکن۔۔۔"

"مجھے سب معلوم ہے۔" ایس پی الطاف علی نے اس کی بات کاٹ دی۔ "مجھے تمہاری پوری ہسٹری کا علم ہے۔ ایک ایک بات جانتا ہوں تمہارے بارے میں۔ اور مجھے افسوس ہے کہ تمہارے ساتھ یہ سب کچھ ہوا۔ اس سے پہلے میں نے صرف تمہاری تصویر دیکھی تھی۔ آج تم سے پہلی ملاقات ہوئی ہے اور چند جملوں کے تبادلے سے ہی اندازہ لگا چکا ہوں کہ تمہارے اندر ایک اچھا آدمی چھپا ہوا ہے۔"

"میں نے اپنے اندر کے اس اچھے آدمی کو کبھی بھی مرنے نہیں دیا۔" شارق نے جواب دیا۔ "اگر میرے اندر کا وہ اچھا آدمی مر چکا ہوتا تو آج شارق ایک بہت طوفان بن چکا ہوتا۔"

"میں کوشش کروں گا کہ تمہارے اندر کا وہ اچھا آدمی زندہ رہے اور ایک روز تمہیں پچھاڑ دے۔" الطاف علی نے کہا پھر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔ "آؤ وہاں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔ اس پلیا پر۔ آج تو ہوا بھی بہت خوشگوار چل رہی ہے۔"

چند گز آگے سڑک کے نیچے سے ایک چھوٹا سا نالا گزرتا تھا۔ یہ نالا برساتی پانی کے اخراج کے لئے بنایا گیا تھا لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ بارش میں نالا تو کیا سڑک بھی پانی میں ڈوب جاتی تھی۔ دو دن پہلے جب تیز بارش ہوئی تھی تو یہی صورتحال تھی۔

وہ پلیا کی منڈیر پر بیٹھ گئے۔ شارق ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ بائیں طرف بتدریج بلندی کی طرف جاتی ہوئی یہ سڑک شاہی قلعے کے مرکزی دروازے تک چلی گئی تھی۔ شاہی قلعے کی فصیل اس پلیا سے چند گز کے فاصلے پر تھی۔ سڑک کے دوسری طرف رنجیت سنگھ کی سمادھی تھی اور جس جگہ یہ سڑک مین روڈ سے ملتی تھی اس کے دوسری طرف اقبال پارک تھا جس کے وسط میں مینار پاکستان نظر آ رہا تھا۔

رات آٹھ نو بجے تک قلعے والی سڑک پر رونق رہتی تھی۔ لیکن اس وقت اس سڑک پر سناٹا تھا۔

"اس میں شبہ نہیں کہ جب تک میں نے تمہیں نہیں دیکھا تھا اس وقت تک میں بھی تمہیں خونخوار بھیڑیا ہی سمجھتا تھا۔" الطاف علی اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "لیکن اب مجھے احساس ہو رہا ہے کہ ایک اچھا بلکہ بہت اچھا انسان ضائع ہو رہا ہے۔ اس وقت تم جو کچھ بھی کر رہے ہو اسے میں قانون سے تعاون ہی کہوں گا۔ تم ایک برائی کو ختم کرنے کی کوشش کر رہے ہو لیکن اس طرح تمہارے جرائم میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ تم اپنے لئے بھی مشکلات پیدا کرتے جا رہے ہو اور وہ لڑکی ثمینہ۔ وہ تمہارے ساتھ مل کر جو کچھ کر رہی ہے۔ قابل تعریف ہے۔ لیکن میں پھر کہوں گا کہ یہ طریقہ غلط ہے۔"

"تو پھر صحیح طریقہ کیا ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر دو۔" الطاف علی نے کہا۔

"مجھے قانون نے بگاڑا ہے اور میں اپنے آپ کو قانون کے حوالے کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔" شارق نے کہا۔ "اس کے علاوہ اہم بات یہ ہے کہ قانون کی حراست میں آنے کے بعد میں قانون کی کوئی مدد نہیں کر سکوں گا۔ اس وقت میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں آزاد رہ کر ہی کر رہا ہوں۔ اگر میں سلاخوں کے پیچھے ہو گیا تو کچھ نہیں کر سکوں گا۔"

"میں سمجھا نہیں۔" الطاف علی بولا۔

"یہ تو آپ جانتے ہیں کہ میں پہلے حاجی کا دایاں ہاتھ سمجھا جاتا تھا اس وقت مجھے حاجی

aazzamm@yahoo.com

کچھ اڈوں کا علم تھا لیکن جب سے ہم میں دشمنی ہوئی ہے اس نے بہت سے اڈے تبدیل کر دیئے ہیں۔ اپنے ذرائع سے ان اڈوں کا پتا لگا کر انہیں تباہ کر رہا ہوں۔ ہیروئن کے کچھ اڈے تو میں نے تباہ کر دیئے ہیں کچھ ابھی باقی ہیں۔ ان کا بھی جلد ہی سراغ لگا لوں گا۔ لیکن آج اسلحہ کے جس اڈے کا پتا چلا ہے اسے تباہ کر کے آس پاس کی آبادی کو خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ اس لئے میں نے آپ کو اطلاع دی تھی۔ تاکہ ریڈ کر کے اس اسلحہ کے ذخیرے کو سرکاری تحویل میں لے لیا جائے اور میں ایک بات اور بھی بتا دینا چاہتا ہوں۔" شارق چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "آپ یہ مت سمجھئے کہ میں یہ سب کچھ صرف قانون سے تعاون کے لئے کر رہا ہوں۔ حاجی کے خلاف اس کارروائی میں میرے انتقام کا جذبہ بھی شامل ہے۔ میں پاکستان سے باہر تھا اور میری عدم موجودگی میں حاجی نے میری ماں اور بہن کی توہین کی تھی۔ انہیں ذلیل کر کے کوٹھی سے نکال دیا تھا۔ ملک سے باہر مجھے حاجی ہی نے ایک سازش کے تحت بھیجا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ مجھے افغانستان میں موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا اور اس طرح اس کا راستہ صاف ہو جائے گا لیکن سب کچھ اس کی توقع کے برعکس ہوا۔ میں اس وقت تک اس کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا جب تک وہ مکمل طور پر تباہ نہیں ہو جاتا۔"

"لیکن میں نے تو سنا ہے کہ مریم نام کی وہ عورت تمہاری ماں نہیں ہے۔" الطاف علی نے کہا۔

"یہ درست ہے کہ میں نے اس کی کوکھ سے جنم نہیں لیا۔ لیکن اولاد کو جنم دینے والی عورت ہی تو ماں نہیں ہوتی۔" شارق نے کہا۔ "مریم نے مجھے جنم نہیں دیا لیکن اس نے مجھے ماں کی طرح پیار دیا۔ اس سے مجھے بھرپور ممتا ملی۔ اس نے میرے لئے وہ کچھ کیا جو کوئی عورت سگی اولاد کے لئے بھی نہیں کر سکتی۔ اگر اولاد کیلئے خدا کے علاوہ کسی اور کو سجدہ کرنے کا حکم ہوتا تو میں اس عورت کو سجدہ کرتا جس نے مجھے اولاد سے بڑھ کر پیار دیا۔ میں اس کی توہین کیسے برداشت کر سکتا ہوں۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم یہ ساری کارروائیاں حاجی سے ذاتی انتقام لینے کے لئے کر رہے ہو۔" الطاف علی نے کہا۔

"نہیں۔" شارق نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "جب میں افغانستان میں تھا تو اس وقت مجھے احساس ہوا تھا کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں غلط کر رہا ہوں۔ میں نے اسی وقت عہد کیا تھا کہ ہیروئن کے زہر کو پھیلنے سے روکنے کے لئے ہر ممکن کوشش کروں گا۔ میں نے افغانستان میں بھی ہیروئن کی کئی فیکٹریاں تباہ کر دیں اور یہاں آ کر بھی بہت کچھ کیا۔ منشیات کی سمگلنگ کے حوالے سے حاجی

اس ملک کی سب سے بڑی مچھلی ہے۔ مچھلی نہیں اسے ڈرگس کا ہشت پا کہنا مناسب ہو گا۔ اس کا بزنس پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ سب سے پہلے میں نے اس کا بندوبست کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ الگ بات ہے کہ اس میں میرے ذاتی انتقام کا جذبہ بھی شامل ہو گیا اور میں زیادہ سنجیدگی سے کام کرنے لگا۔"

"کیا تم جانتے ہو کہ تم چاروں طرف سے خطرات میں گھرے ہوئے ہو۔" الطاف علی نے کہا۔ "ایک طرف حاجی کے آدمی پورے شہر میں شکاری کتوں کی طرح تمہاری بو سونگھتے پھر رہے ہیں اور دوسری طرف پولیس پوری شدت کے ساتھ تمہاری تلاش میں ہے۔"

"اور کتنی حیرت کی بات ہے کہ اس وقت میں پولیس کے ایک اعلیٰ آفیسر کے ساتھ بیٹھا آزادی سے باتیں کر رہا ہوں۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ آج تم سے ملاقات کے لئے اکیلا آؤں گا اور کسی کو میری اور تمہاری ملاقات کا علم نہیں ہو گا لیکن۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا اور شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "لیکن ہو سکتا ہے کل کو یہ صورتحال نہ ہو۔"

"اگر آپ جیسا ذمہ دار آفیسر مجھے گرفتار کر سکے تو مجھے خوشی ہو گی۔" شارق کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ "میں پولیس کے تمام بڑے بڑے آفیسرز سے واقف ہوں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ کون سا آفیسر ذمہ دار اور فرض شناس ہے اور کون راشی اور بے ضمیر۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر آپ کو فون کیا تھا۔ یہ ایسا موقع ہے کہ آپ جیسے رتبے کا آفیسر پلک جھپکنے کی دیر میں کروڑ پتی بن سکتا ہے۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ آپ ایسا نہیں کریں گے۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر آپ کو اطلاع دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ میں آپ کے کہنے پر ملاقات کے لئے یہاں اس لئے بھی آ گیا کہ مجھے آپ کے وعدہ پر اعتماد تھا۔ میری گرفتاری ہر پولیس والے کی سب سے بڑی خواہش ہے۔ آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو مجھے گھیرنے کا پورا پورا بندوبست کر کے یہاں آتا لیکن اس کی حسرت کبھی پوری نہ ہو پاتی۔"

"تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ میں تمہاری گرفتاری کا بندوبست کر کے نہیں آیا؟" ایس پی الطاف علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جس طرح آپ نے مجھے مہذب اور شریف قرار دیا تھا اس طرح میں بھی آپ کو بہت مہذب، شریف اور قابلِ اعتماد سمجھتا ہوں۔" شارق نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "ویسے میں آپ کو بتا دوں کہ آپ اس وقت میرے دو آدمیوں کی زد پر ہیں۔ میرے یہ دو آدمی کم سے کم پچاس پولیس والوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔"

aazzamm@yahoo.com

"مجھے معلوم ہے تم اور تمہارے ساتھی بہت بہادر ہیں۔" الطاف علی نے کہا۔ "لیکن میری خواہش ہے کہ تم یہ کانٹوں بھرا راستہ چھوڑ کر سیدھے راستے پر آ جاؤ۔ تم مجھ پر اعتماد کر کے یہاں آئے ہو۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارا ساتھ دینے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔ اپنے آپ کو رضاکارانہ طور پر قانون کے حوالے کر دو۔ ہو سکتا ہے تمہاری سزا میں کچھ نرمی برتی جائے۔"

"مجھ پر کئی آدمیوں کے قتل کا الزام ہے۔" شارق نے کہا۔ "یہ صرف الزام ہی نہیں۔ واقعی بہت سے آدمی میرے ہاتھوں مارے جا چکے ہیں۔ میرے ہاتھ خون میں اس طرح رنگے ہوئے ہیں کہ دنیا کا کوئی بھی صابن ان دھبوں کو صاف نہیں کر سکتا۔ میں کسی کی گولی سے مرنا پسند کروں گا لیکن میرے قدم پھانسی کے تختے کی طرف نہیں جائیں گے۔"

"یہ تمہاری اپنی سوچ ہے۔" الطاف علی بولا۔ "میں تمہاری بات بہت اوپر تک پہنچاؤں گا۔ حاجی جیسے شخص کے خلاف تم جس طرح قانون سے تعاون کر رہے ہو یہ تمہارا بہت بڑا کریڈٹ ہے اور تمہارا یہی کریڈٹ تمہیں بچا سکتا ہے۔"

"یہ محض کہنے کی باتیں ہیں۔" شارق بولا۔ "میں کوئی سیاستدان نہیں ہوں جس کے خلاف قتل اور ملک سے غداری کے مقدمات بھی واپس لے لئے جائیں۔ جس روز میں پکڑا گیا لوگ میرے لئے سرعام پھانسی سے کم مطالبہ نہیں کریں گے۔"

"ایسی بات نہیں ہے۔" الطاف علی نے کہا۔ "رائے عامہ تمہارے حق میں ہے۔ لوگ تمہیں مظلوم اور بے گناہ سمجھتے ہیں۔ عوام کا دباؤ بہت اہمیت رکھتا ہے۔"

"سیاسی معاملات میں تو عوامی دباؤ کو کچھ اہمیت دی جا سکتی ہے لیکن ایک ایسے شخص کے لئے جو موت کے سوداگر کے نام سے مشہور ہو چکا ہو عوام کا دباؤ کوئی معنی نہیں رکھتا۔ عدالت کوئی فیصلہ عوام کے دباؤ کے تحت نہیں حقائق اور شواہد کی روشنی میں سناتی ہے۔ نہیں الطاف صاحب۔ میں آپ کا یہ مشورہ نہیں مان سکتا۔" شارق کہتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر الطاف علی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"وہ بات تو رہ گئی جس کے لئے ہماری یہ ملاقات ہوئی ہے۔"

"اس بات کو میں کیسے بھول سکتا ہوں۔" الطاف علی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "حاجی کا اسلحہ کا وہ ڈپو کہاں ہے؟"

"وہ سامنے آپ نمبر مارکیٹ دیکھ رہے ہیں۔" شارق نے بڈھا راوی والے چوک کی طرف اشارہ کیا۔ اس چوک کے دوسری طرف سڑک پر بہت لمبی چوڑی نمبر مارکیٹ اور اس کے پیچھے رہائشی علاقہ تھا۔ "وہ ڈپو اس نمبر مارکیٹ میں ہے۔ میں نے وہ ڈپو نہیں دیکھا لیکن میرا آدمی اس کی نشاندہی کر سکتا ہے۔ اس ڈپو پر بہت سخت حفاظتی انتظامات کئے گئے ہیں۔ آپ کو ریڈ کرنے میں بہت احتیاط سے کام لینا ہو گا۔ چھاپہ مار پارٹی میں شامل پولیس کے جوانوں کو آخر تک یہ معلوم نہیں ہونا چاہئے کہ انہیں کہاں لے جایا جا رہا ہے۔"

"میں قریب ترین پولیس سٹیشن پر پہنچتے ہی ڈی آئی جی صاحب سے بات کرتا ہوں۔ لیکن اگر یہ اطلاع غلط نکلی تو ----" الطاف علی نے اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کی سبکی ہو گی نا؟" شارق اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ "ایسی صورت میں اپنے آپ کو اپنے ساتھیوں سمیت آپ کے حوالے کر دوں گا۔ یہ شارق کا وعدہ ہے۔"

"بہت اعتماد ہے اپنے آپ پر اور اپنے ساتھیوں پر۔" الطاف نے کہا۔

"اپنے آپ پر اور ساتھیوں پر اعتماد ہی تو مجھے اب تک زندہ رکھے ہوئے ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ "تو پھر کب ریڈ کر رہے ہیں آپ -----"

"صبح ہونے سے پہلے پہلے۔" الطاف علی بولا۔ "لیکن تمہارا آدمی کہاں ملے گا؟"

"میں اپنا آدمی ابھی آپ کے ساتھ بھیج سکتا ہوں' لیکن اس کی آزادی اور زندگی کی ضمانت آپ کو دینی ہو گی۔" شارق بولا۔

"اگر ریڈ کے دوران فائرنگ کا تبادلہ ہو گیا اور اتفاقیہ کسی گولی کا نشانہ نہ بن گیا تو وہ صبح تمہارے پاس پہنچ جائے گا۔" الطاف علی نے کہا۔

"اور اس کا پیچھا کر کے اس کا ٹھکانہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی جائے گی۔" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"یقین کرو۔ میں تمہارے ساتھ کوئی دھوکا نہیں کروں گا۔" الطاف علی نے جواب دیا۔

"تو پھر آپ یہیں رک کر انتظار کریں۔" شارق نے کہا اور الطاف علی کو وہیں چھوڑ کر سڑک پر اس طرف چلنے لگا جہاں ثمینہ اور نولکھا کی کار کھڑی تھی۔

"کیا ہوا؟ کوئی گڑبڑ؟" سٹیئرنگ کے سامنے بیٹھی ہوئی ثمینہ نے اس کے قریب پہنچتے ہی پوچھا۔

"نہیں۔ کوئی گڑبڑ نہیں ہے۔ وہ حسب وعدہ اکیلا ہی آیا ہے۔" شارق نے کھڑکی پر جھکتے ہوئے جواب دیا۔ "مجھے رام کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اگر میں اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر دوں تو میرے ساتھ سزا میں کچھ رعایت برتی جائے گی۔"

"پھر-----؟" پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا نولکھا بولا۔

"ظاہر ہے میں اس کا یہ مشورہ نہیں مان سکتا۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "

aazzamm@yahoo.com

لیکن اسلحہ کے گودام کی نشاندہی کے لئے تمہیں ان کے ساتھ جانا پڑے گا تو لکھے۔ میں نے ایس پی الطاف علی سے ضمانت لے لی ہے کہ تمہیں نہ تو کوئی نقصان پہنچایا جائے اور نہ ہی واپسی پر تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔ کیا خیال ہے؟"

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے شارق باؤ۔" نولکھا دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔ تم کوئی بات کہو میں انکار کر دوں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ چلو میں ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔"

"تم یہیں رکو۔ میں ابھی آتا ہوں۔ شارق نے ثمینہ سے کہا اور نولکھا کو ساتھ لے کر الطاف علی کے پاس آ گیا۔

نولکھا اس وقت بھی ملنگ کے بھیس میں تھا۔ ہرے رنگ کا چوغہ نما کُرتا جو ٹخنوں تک لمبا تھا گلے میں رنگ برنگے موتیوں کی کئی مالائیں تھیں۔ سر کے بال الجھے ہوئے اور دونوں کلائیوں میں اسٹیل کے کڑے تھے۔ جب وہ دونوں ہاتھوں کو حرکت دیتا تو آہنی کڑے آپس میں ٹکرا کر چھنچھنا اٹھتے۔

"ایس پی الطاف علی چند لمحے گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر شارق کی طرف رخ کر کے بولا۔

"کیا یہی شخص ہماری رہنمائی کرے گا؟"

"ہاں۔" شارق نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "اور اسے صبح سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے اسی طرح سنگل پیس میں میرے پاس واپس پہنچ جانا چاہئے۔"

"ایسا ہی ہو گا۔" الطاف علی نے جواب دیا۔

وہ ابھی باتیں کر ہی رہے تھے کہ کار کے ہارن کی آواز سن کر شارق نے اس طرف دیکھا اور چونک گیا۔ ثمینہ کی کار کے قریب پولیس کی ایک جیپ کھڑی تھی۔ سڑک پر سے گزرنے والی بسوں کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں تین چار مسلح پولیس والے بھی کار کو گھیرے کھڑے نظر آ رہے تھے۔ شارق کا ہاتھ فوراً" ہی پتلون کی جیب میں پہنچ گیا۔ نولکھا نے بھی چوغے کی سائیڈ والی جیب میں ہاتھ ڈال لیا تھا۔ ایس پی الطاف علی نے باری باری ان دونوں کی طرف دیکھا پھر بولا۔

"کار میں کون ہے؟"

"میری دوست ثمینہ۔ اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو تمہاری کھوپڑی اڑا دوں گا۔" اس کا لہجہ ایک دم بدل گیا۔

"الطاف علی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ پھر بولا۔

"میرا خیال ہے وہ کوئی پیٹرولنگ پارٹی ہے۔ اکیلی عورت کو کار میں بیٹھے دیکھ کر چیک کرنے کے لئے رک گئے ہوں گے۔ پریشان مت ہو۔ کوئی گڑبڑ نہیں ہو گی میرے ساتھ آؤ۔"

وہ تینوں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے کار کی طرف چلنے لگے۔ شارق الطاف علی کے پیچھے تھا تاکہ کوئی گڑبڑ ہو تو اسے پستول کی زد میں لے سکے۔

اس پولیس پارٹی کا انچارج ایک سب انسپکٹر تھا۔ اس نے اپنے ایس پی کو فوراً" ہی پہچان لیا اور کھٹ سے سیلوٹ جھاڑ دیا۔ ایک اے ایس آئی اور چار کانسٹیبلوں نے بھی ایڑیاں بجا دی تھیں۔

"کیا بات ہے آفیسر؟" ایس پی الطاف علی نے سوالیہ نگاہوں سے سب انسپکٹر کی طرف دیکھا۔

"مشکوک نہیں ہے۔ ہمارے ساتھ ہے۔" الطاف علی نے کہا۔ "تم لوگ جاؤ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔"

"یس سر۔" سب انسپکٹر بولا اور باری باری نولکھا اور شارق کی طرف دیکھنے لگا۔ شارق کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی تھی۔

"تم لوگ تھانے پہنچ کر میرا انتظار کرو۔ میں چند منٹ میں آ رہا ہوں۔" الطاف علی نے کہا۔

سب انسپکٹر اور اس کے ماتحتوں نے ایڑیاں بجا دیں اور جیپ میں بیٹھ گئے۔ دوسرے ہی لمحہ جیپ وہاں سے روانہ ہو گئی۔

الطاف علی ثمینہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ثمینہ کار سے اتر گئی تھی۔ اس نے بھی جینز اور ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔

"پہلی بار تمہیں دیکھا ہے۔" وہ ثمینہ کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "میں سمجھتا تھا کہ تم بہت خوفناک قسم کی عورت ہو گی لیکن ----"

"اس حسن ظن کا شکریہ۔" ثمینہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "آپ نے مجھے پہلی بار دیکھا ہے۔ آئندہ میں آپ کو نظر نہیں آؤں گی۔ کیا پروگرام ہے شارق؟" اس نے آخری الفاظ شارق کی طرف دیکھ کر کہے تھے۔

"ہم چل رہے ہیں۔" شارق نے کہا اور پھر الطاف علی کی طرف مڑ کر بڑی گرمجوشی سے اس سے ہاتھ ملایا اور ثمینہ کے ساتھ کار میں بیٹھ گیا۔ ثمینہ نے انجن سٹارٹ کیا اور کار کو ایک زبردست جھٹکے سے آگے بڑھا کر یو ٹرن لیتے ہوئے اس کی رفتار بڑھا دی۔

○○○

گندے نالے سے تین لاشوں کی دریافت نے اس علاقے میں سنسنی اور خوف و ہراس پھیلا دیا تھا۔

یہ لاشیں دس سے بارہ سال کی عمر کے تین چار بچوں نے دریافت کی تھیں۔ یہ بچے اس

aazzamm@yahoo.com

گندے نالے کی طرف آباد چند جھگیوں میں رہائش پذیر تھے۔ دو تین روز پہلے کی شدید بارش سے نالہ پانی سے بھر گیا تھا۔ بعض مقامات پر تو پانی نالے کے کناروں سے بھی باہر بہہ نکلا تھا۔ لیکن اس مقام پر پانی نالے کے اندر اپنی حد میں رہ کر بہہ رہا تھا۔ اس جگہ نالے کے دونوں طرف کی آبادیوں کو ملانے کے لئے ایک پل بھی تھا۔ لیکن یہ پل قیام پاکستان سے پہلے بنا تھا اور جگہ جگہ سے ٹوٹ جانے کے باعث بند کر دیا گیا تھا۔ اس کی مرمت کرنے کے بجائے اس سے تقریباً" پانچ سو گز نیچے کی طرف ایک نیا پل بنا دیا گیا تھا۔ اور ٹریفک کی آمد و رفت اسی نئے پل سے تھی۔

یہ پرانا پل اگرچہ جگہ جگہ سے ٹوٹ چکا تھا لیکن پیدل اور سائیکل سواروں کی آمد و رفت کے لئے اب بھی زیر استعمال تھا۔

جھگیوں میں رہنے والے دو ننگ دھڑنگ بچے کھیلتے ہوئے پل پر آ گئے تھے۔ ان سب کے ہاتھوں میں لمبی لمبی چھڑیاں تھیں اور وہ لوگ پل کی شکستہ ریلنگ پر جھکے ان چھڑیوں سے پانی میں بہہ کر آنے والی چیزوں کو چھیڑ رہے تھے۔

نالے کے گندے پانی میں جھاڑ جھنکار اور ہر قسم کی چیزیں بہہ کر آ رہی تھیں۔ یہ پل نیچے سے دو حصوں میں تقسیم تھا۔ پانی زیادہ ہونے کی وجہ سے بہہ کر آنے والی جھاڑیاں وغیرہ پل سے اٹک کر رک گئی تھیں۔ پانی کے اخراج میں تو کوئی فرق نہیں آیا لیکن پانی کی سطح پر جھاڑیاں دور تک جمع ہو گئی تھیں۔

ایک گیارہ سال کی عمر کا بچہ ریلنگ پر جھکا ہاتھ میں پکڑی ہوئی چھڑی سے جھاڑیاں ہٹانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک جگہ سے وہ چند جھاڑیاں ہٹانے میں کامیاب ہو گیا اور پھر دوسرے ہی لمحہ وہ چونک گیا اور گہری نظروں سے جھاڑیوں میں پھنسی ہوئی اس چیز کو دیکھنے لگا جس نے اس کی تمام تر توجہ اپنی طرف مبذول کرا لی تھی۔

وہ ایک انسانی پیر تھا جو ٹخنے تک نظر آ رہا تھا۔ وہ بچہ ریلنگ پر کچھ اور آگے جھک کر جھاڑیوں کو ہٹانے لگا۔ اس کی یہ کوشش رائیگاں نہیں گئی۔ جھاڑیاں ہٹتے ہی پانی میں ڈوبی ہوئی ایک انسانی لاش اوپر آ گئی۔ لاش دیکھ کر اس بچے کے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی۔

دوسرے بچے بھی اس سے کچھ فاصلے پر کھڑے اپنی اپنی چھڑیوں سے پانی میں بہہ کر آنے والی چیزوں کو ادھر ادھر کر رہے تھے۔ چیخ سن کر وہ اپنے اس ساتھی کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"لاش۔۔۔۔۔" وہ بچہ چیخ رہا تھا۔ "یہ دیکھو لاش۔۔۔۔۔"

لاش اوندھی تھی۔ اس کا چہرہ پانی میں ڈوبا ہوا تھا۔ بچے کچھ دیر تک لاش کو دیکھتے رہے پھر شور مچاتے ہوئے جھگیوں کی طرف دوڑے۔

پانچ چھ جھگیاں تھیں جن میں مسلی رہائش پذیر تھے۔ یہ لوگ کاغذ' تنکوں اور مٹی کے کھلونے بنا کر شہر میں بیچتے تھے۔ اس وقت جھگیوں میں چند عورتیں اور دو آدمی تھے۔ وہ دونوں آدمی ایک روز پہلے کا تیار کیا ہوا مال بیچنے کے لئے جانے کی تیاری کر رہے تھے جبکہ عورتیں نیا مال تیار کر رہی تھیں۔

بچوں سے نالے میں لاش کی اطلاع پا کر وہ دونوں آدمی پل کی طرف آ گئے۔ دو تین عورتیں بھی ان کے پیچھے چلی آئی تھیں۔ انہوں نے بھی لاش دیکھی۔

"تھانے جا کر بتا دو۔ پتہ نہیں کون نصیبوں مارا ہے۔" ایک بوڑھی عورت نے کہا۔

"ایسا نہ ہو پولیس والے ہمیں ہی تھانے میں بٹھا لیں۔" ایک آدمی نے کہا۔

"تمہیں کیوں بٹھا لیں گے۔ کوئی تم نے پھینکی ہے یہ لاش؟" بوڑھی عورت نے کہا۔ "جاؤ۔ تم دونوں تھانے چلے جاؤ۔"

وہ دونوں آدمی ایک دوسرے سے مشورہ کرنے لگے۔ ان میں ایک نوجوان تھا اور دوسرا ادھیڑ عمر اور پھر وہ دونوں تھانے کی طرف چل پڑے۔

وہ پولیس کے ساتھ تقریباً" ایک گھنٹے بعد واپس آئے تھے۔ اس دوران پل پر دس بارہ آدمی جمع ہو چکے تھے اور پہلی لاش کے ساتھ ایک اور لاش بھی دریافت ہو چکی تھی۔

پولیس والوں نے اس مسلی نوجوان کو نالے میں اتار دیا جو تھانے اطلاع دینے گیا تھا۔ اس نے پانی کی سطح پر جمع شدہ جھاڑیوں کو ہٹایا تو ان میں چھپی ہوئی تیسری لاش بھی دریافت ہو گئی۔

بڑی مشکل سے ان تینوں لاشوں کو پانی سے نکال کر پل پر ڈال دیا گیا۔ وہ مسلی نوجوان گندے پانی میں تیرتے ہوئے جھاڑیوں کو ہٹاتا رہا لیکن اور کوئی لاش نہیں ملی۔

تھانے سے آنے والی پولیس پارٹی تین آدمیوں پر مشتمل تھی۔ دو کانسٹیبل اور ایک ہیڈ کانسٹیبل۔ تین لاشوں کی دریافت نے ہیڈ کانسٹیبل کا دماغ گھما دیا۔ اس نے فوراً" ہی ایک کانسٹیبل کو تھانے کی طرف دوڑا دیا۔

گندے نالے سے لاشوں کی دریافت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے علاقے میں پھیل گئی۔ لوگ پل کے آس پاس جمع ہونے لگے۔ دونوں پولیس والے لوگوں کو پل سے دور رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

تھوڑی ہی دیر بعد ایک سب انسپکٹر مزید پولیس اہلکاروں کو لے کر پہنچ گیا۔ سب انسپکٹر ان تینوں لاشوں کا معائنہ کرنے لگا۔ تینوں لاشوں پر ایسے نشانات تھے جیسے مرنے سے پہلے انہیں تشدد کا نشانہ بنایا گیا ہو۔ تینوں کے سروں پر گولیوں کے نشان تھے۔ جس سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا

aazzamm@yahoo.com

کہ ان تینوں کو تشدد کا نشانہ بنانے کے بعد سروں میں گولیاں مار کر ہلاک کیا گیا تھا۔ انسپکٹر کو یہ اندازہ لگانے میں بھی دشواری پیش نہیں آئی کہ یہ لاشیں چند گھنٹوں سے زیادہ پرانی نہیں تھیں اور انہیں گزشتہ روز ہی نالے میں پھینکا گیا تھا۔ اگر لاشیں زیادہ پرانی ہوتیں تو پھول کر خراب ہو چکی ہوتیں۔ ان تینوں کے لباس کی تلاشی بھی لی گئی تھی لیکن ایسی کوئی چیز برآمد نہیں ہوئی تھی جس سے ان میں سے کسی کی شناخت ہو سکتی۔

ابتدائی کارروائی کے بعد ایمبولینس منگوا کر تینوں لاشوں کو پہلے تھانے اور پھر ہسپتال بھجوا دیا گیا۔ لاشیں اٹھوائے جانے کے بعد بھی لوگ پل کے پاس جمع ہوتے رہے۔

اس خبر سے پورے علاقے میں خوف و ہراس پھیل گیا تھا۔ لوگ ادھر ادھر ٹولیوں میں کھڑے اپنے طور پر تبصرے کر رہے تھے۔

پولیس سٹیشن پر ایس ایچ او انسپکٹر گل محمد اپنے سینئر ماتحتوں سے اس صورتحال پر تبادلہ خیال کر رہا تھا اور پھر اس نے یہ کیس سب انسپکٹر وحید کے حوالے کر دیا۔

تم نالے کے ساتھ ساتھ اوپر تک کا علاقہ چیک کرو۔ ان تینوں کو تشدد کے بعد سروں میں گولیاں مار کر ہلاک کیا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے یہ لاشیں کہیں اور سے لا کر نالے میں پھینکی گئی ہوں۔ لیکن تمہیں معلوم کرنا ہے کہ اس علاقے میں کہیں فائرنگ کی آواز تو نہیں سنی گئی۔" انسپکٹر گل محمد نے سب انسپکٹر وحید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یس سر۔" سب انسپکٹر وحید نے کہا اور دو ماتحتوں کو لے کر تحقیقات کے لئے روانہ ہو گیا۔

سب سے پہلے وہ اس پل پر پہنچا تھا جہاں سے لاشیں دریافت ہوئی تھیں۔ جھگیوں میں رہنے والوں کے ایک بار پھر بیانات لئے اور پھر سب انسپکٹر وحید دائیں کنارے پر بڑی بڑی کوٹھیوں اور نالے کے درمیان تنگ سی جگہ پر چلنے لگا۔

تقریباً" نصف میل آگے اس نالے پر ایک اور پل تھا۔ اس پل میں بھی پانی میں بہہ کر آنے والی جھاڑیاں وغیرہ جمع تھیں۔ سب انسپکٹر وحید کچھ دیر وہاں کھڑا سوچتا رہا۔ پھر اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ تینوں لاشیں اس پل سے آگے کسی جگہ سے نالے میں پھینکی گئی تھیں۔ اگر اس پل سے پہلے پھینکی گئی ہوتیں تو آگے جانے کے بجائے اسی جگہ پر پھنس جاتیں۔

سب انسپکٹر نے سرے والی کوٹھی سے معلومات حاصل کرنا شروع کر دیں۔ وہ چھ کوٹھیوں کو چیک کر چکا تھا۔ ان کوٹھیوں کے مکینوں میں سے کسی نے گزشتہ رات فائرنگ کی آواز نہیں سنی تھی اور نہ ہی کسی کے چیخنے کی آواز سنائی دی تھی۔

اس وقت وہ ساتویں کوٹھی کی بیل بجا رہا تھا۔ گیٹ کے ساتھ پتھر پر فاروق احمد راجپوت کے نام کی پلیٹ لگی ہوئی تھی۔ اس کوٹھی کا ایک گیٹ مین روڈ کی طرف تھا اور دوسرا اس گلی میں جو گندے نالے تک چلی گئی تھی۔ اس کے سامنے والی کوٹھی کی صورتحال بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ ان بڑی بڑی کوٹھیوں کے پچھواڑے گندے نالے کی طرف تھے۔

پہلی مرتبہ بیل بجانے پر کوئی جواب نہیں ملا تو اس نے دوسری مرتبہ بٹن دبا دیا۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد برآمدے میں ایک حسین عورت دکھائی دی۔ وہ چند لمحے وہاں کھڑی رہی پھر برآمدہ سے اتر کر مٹکتی ہوئی گیٹ کی طرف آ گئی اور ذیلی دروازہ کھول دیا۔

"بسم اللہ۔۔۔۔ جی آیاں نوں۔" وہ سب انسپکٹر کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ سب انسپکٹر وحید مسکرا دیا۔ وہ عورت نہیں تھی۔ اس کا تعلق تیسری جنس سے تھا۔ وہ پری چہرہ تھا۔

"یہاں فاروق احمد صاحب رہتے ہیں' کیا وہ گھر پر ہیں۔ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"صاحب تو گھر پر نہیں ہیں جی۔ میں بیگم صاحبہ کو بھیجتی ہوں۔" پری چہرہ نے کہا اور جواب کا انتظار کئے بغیر اندر چلا گیا۔

تقریباً" تین منٹ بعد رعنا باہر آئی۔ اس کے چہرے پر ہلکا سا خوف تھا۔ اور وہ اپنی کیفیت کو چھپانے کی کوشش کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔

سب انسپکٹر وحید اس سے سوالات کرتا رہا اور رعنا رک رک کر جواب دیتی رہی۔ اس کے لہجے میں بھی ہلکی سی کپکپاہٹ تھی۔

انسپکٹر وحید تقریباً" دس منٹ تک اس سے سوالات کرتا رہا پھر شکریہ ادا کر کے رخصت ہو گیا۔ کچھ دیر بعد وہ آگے والی کوٹھی کی بیل بجا رہا تھا۔

○○○

حاجی عبد اللہ کے لئے گندے نالے سے لاشوں کی دریافت والی خبر بم دھماکے سے کم ثابت نہیں ہوئی تھی۔

یہ خبر اسے صبح دس بجے کے قریب ملی تھی۔ دراصل پری چہرہ گھر کا سودا لینے کے لئے مارکیٹ گیا تھا۔ اس نے یہ خبر مارکیٹ ہی میں سنی تھی۔ اس کی فطرت میں تجسس تھا۔ تجسس تیسری جنس کا خاصا ہوتا ہے۔ یہ خبر سن کر وہ اپنے آپ کو روک نہیں سکا تھا۔ وہ ایک آدمی کے ساتھ باتیں کرتا ہوا گندے نالے کے پل پر پہنچ گیا۔

پل کے آس پاس بہت رش تھا۔ پولیس پہنچ چکی تھی اور دو پولیس والے لوگوں کو دور رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ پری چہرہ لوگوں کو دھکے دیتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ ایک پولیس والے نے

aazzamm@yahoo.com

اسے روکنا چاہا تو وہ دانت نکالتے ہوئے بولا۔

"کیا ہے رے۔ اگر میں وہ لاشیں دیکھ لوں گی تو تمہارا کیا بگڑ جائے گا۔"

"چل جا۔۔۔۔۔ جلدی سے دیکھ کر آ جا۔" کانسٹیبل بولا۔ "اگر ہمارے انچارج صاحب نے دیکھ لیا تو تجھے ہی لیجا کر حوالات میں بند کر دے گا۔"

"ارے وہ مجھے کیا بند کرے گا۔ میں ہی اسے بند کر دوں گی۔" پری چہرہ کولہے مٹکاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

تینوں لاشیں پل پر ساتھ ساتھ رکھی ہوئی تھیں۔ ایک کانسٹیبل بھی قریب ہی کھڑا تھا۔ ان لاشوں کو دیکھ کر پری چہرہ کا دل یکبارگی دھڑک اٹھا تھا۔ اس نے لاشوں کو پہچان لیا تھا۔ یہ وہی تینوں آدمی تھے جنہیں بارش والے روز حاجی اور اس کے ساتھی رسیوں سے باندھ کر لائے تھے۔

"ہائے اللہ!" وہ سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ "مر گئے یہ۔۔۔۔۔"

"کیا تم سمجھتے ہو یہ زندہ ہیں اور یہاں لیٹے آرام کر رہے ہیں۔" پولیس کانسٹیبل نے اسے گھورا۔ "جانتے ہو انہیں۔ کون ہیں یہ؟"

"مم۔۔۔۔۔ مجھے کیا معلوم یہ کون ہیں۔" پری چہرہ ہکلا کر بولا۔ "مجھے تو افسوس ہو رہا ہے کہ یہ مر گئے۔ انسان بھی کیا ہے۔ پانی کا بلبلہ۔"

"اچھا۔ اب باتیں نہ بنا اور بھاگ جا یہاں سے۔" کانسٹیبل نے کہا۔

پری چہرہ نے بڑی مشکل سے اپنی کیفیت پر قابو پایا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ٹوکری تھی اور دوسرے ہاتھ سے گال پیٹتا اور بڑبڑاتا ہوا لوگوں کو ادھر ادھر ہٹاتا ہوا واپس چلنے لگا۔ لوگ اسے چھیڑ رہے تھے۔ کوئی اور موقع ہوتا تو پری چہرہ ان کی ماں بہن ایک کر دیتا۔ مگر اس وقت وہ خاموشی سے سب کچھ برداشت کر گیا۔

سڑک پر آ کر وہ تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے چلنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کے دل میں عجیب سا خوف سما گیا تھا اور اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ وہ بڑی مشکل سے چل رہا تھا۔ اسے گھر پہنچنے میں پندرہ منٹ لگ گئے۔ اندر داخل ہوتے ہی اس نے ٹوکری ڈائننگ ٹیبل پر رکھ دی اور رعنا کی تلاش میں پہلے کچن میں جھانکا۔ اسے وہاں نہ پا کر وہ کمرے کی طرف لپکا۔

اتفاق سے اس وقت ہال کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ ورنہ اس کی بدحواسی اور چہرے کا خوف دیکھ کر ضرور چونکتا۔

رعنا کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ پری چہرہ نے ہینڈل گھمایا مگر دروازہ اندر سے لاک تھا۔ اس نے زور سے دروازے پر ہاتھ مارا تو اندر سے رعنا کی آواز سنائی دی۔

"کون ہے؟"

"میں ہو رعنا آپا۔ جلدی سے دروازہ کھول۔" پری چہرہ نے کہا۔ چند سیکنڈ بعد دروازے کی ناب ہٹنے اور ہینڈل گھومنے کی آواز سنائی دی۔ دروازہ چند انچ سے زیادہ نہیں کھلا تھا۔ رعنا دروازے کے پیچھے تھی۔

"کیا بات ہے؟" اس نے جھانکتے ہوئے پوچھا۔ "رک جاؤ ذرا میں اس وقت کپڑے بدل رہی ہوں۔"

"ارے مجھ سے کیا پردہ رعنا آپا۔ مجھے اندر آنے دو۔ غضب ہو گیا۔ ان تینوں کی لاشیں ملی ہیں۔" پری چہرہ نے کہا اور ہاتھ سے دروازے پر دباؤ ڈالنے لگا۔

رعنا نے پیچھے ہٹتے ہوئے دروازہ کھول دیا اور پری چہرہ کے اندر داخل ہوتے ہی اس نے دروازہ بند کر کے لاک کی ناب چڑھا دی۔

"کیا ہوا۔ کن کی لاشیں ملی ہیں؟" اس نے الجھی ہوئی نظروں سے پری چہرہ کی طرف دیکھا۔

"ارے وہی تینوں۔ جنہیں یہ لوگ بارش والے دن رسیوں سے باندھ کر لائے تھے۔" پری چہرہ نے بتایا۔

رعنا کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ اس کا دل اس شدت سے دھڑک اٹھا جیسے ہڈیوں کا پنجر توڑ کر باہر نکل آئے گا۔ وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر دل کی دھڑکن پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔

"تت۔۔۔۔ تمہیں کیسے پتا چلا۔۔۔۔۔ کہاں سے ملی ہیں وہ لاشیں؟" رعنا نے اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

"ادھر آگے۔ گندے نالے کے پل میں پھنسی ہوئی تھیں۔ پولیس نے وہ لاشیں نالے سے نکال لی ہیں۔" پری چہرہ نے بتایا۔

"وہی تھے یا کوئی اور؟" رعنا نے پوچھا۔

"وہی تینوں تھے۔ میں نے قریب سے ان کی لاشیں دیکھی ہیں۔" پری چہرہ نے جواب دیا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "یہ حاجی اور اس کے ساتھی بہت خطرناک لوگ ہیں۔ انہیں جلدی سے نکال دو یہاں سے۔"

"یہ تو تم نے بڑی خوفناک خبر سنائی ہے۔" رعنا قمیض پہنتے ہوئے بولی۔ "تم نے کسی کو بتایا تو نہیں کہ وہ کون لوگ تھے؟"

"نہیں رعنا آپا۔ میں اتنی بیوقوف تو نہیں ہوں۔" پری چہرہ نے کہا۔ "اگر میں بتا دیتی تو پولیس والے مجھے ہی پکڑ کر لے جاتے۔"

aazzamm@yahoo.com

"تم نے پہلی بار زندگی میں عقل سے کام لیا ہے۔ یہاں بھی ابھی زبان بند ہی رکھنا۔ فاروق اس وقت دفتر گئے ہوئے ہیں۔ میں فون کر کے انہیں بلاتی ہوں۔"

رعنا نے اپنے کپڑے درست کئے۔ بالوں میں کنگھا کیا اور دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔ پری چہرہ بھی اس کے پیچھے ہی کمرے سے نکلا تھا۔

رب نواز اور عرفان اس وقت ہال کمرے میں بیٹھے سگریٹ پھونک رہے تھے۔ وہ جس روز سے یہاں آئے تھے ان میں سے کوئی بھی گھر سے باہر نہیں نکلا تھا۔ گھر سے باہر نکلنا تو کجا وہ تو کبھی برآمدے میں نہیں آئے تھے۔

رعنا ٹیلی فون کی طرف بڑھتے بڑھتے رک گئی اور ڈائننگ ٹیبل پر رکھی ہوئی ٹوکری سے چیزیں نکال نکال کر دیکھنے لگی۔ گوشت اور سبزی وغیرہ تھی۔ پری چہرہ بھی قریب کھڑا کن انکھیوں سے عرفان اور رب نواز کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"اوے پری چہرہ۔" عرفان نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یار چائے تو پلا دو۔ بہت پیاس لگ رہی ہے۔"

"پیاس لگ رہی ہے تو ٹھنڈا پانی پیو۔ چائے سے پیاس تو نہیں بجھتی۔" پری چہرہ نے کہا۔

"پیاس تو پانی سے بھی نہیں بجھتی۔" عرفان نے ہنستے ہوئے معنی خیز نظروں سے رعنا کی طرف دیکھا۔ "جب سے یہاں آئے ہیں پیاس بڑھتی جا رہی ہے۔ اچھا تم چائے تو بنا کر لاؤ۔"

"تھوڑی دیر بعد بناؤں گی چائے۔ ابھی نہیں ملے گی۔" پری چہرہ نے کہا۔

"یار بنا دو نا۔۔۔۔۔ بہت دل چاہ رہا ہے۔" عرفان بولا۔

"بنا دو نا انہیں چائے۔ کیوں بحث کر رہے ہو۔" رعنا نے پری چہرہ کو گھورتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

"وہ اپنے پاجی اور دلاور سے بھی پوچھ لو۔ میں دوبارہ نہیں بناؤں گی۔" پری چہرہ نے کہا۔

"اوئے۔ کیا کہا تم نے۔" عرفان کے حلق سے غراہٹ سی نکلی۔ "اگر حاجی صاحب نے سن لیا تو تمہاری گردن اڑا دیں گے۔"

"میں نے کیا کہا ہے تمہارے حاجی کو۔" پری چہرہ بولا۔ "پاجی تو کہا ہے۔ بڑے بھائی کو پاجی کہتے ہیں۔"

"بنا لے۔" عرفان بولا۔ "ان کے لئے بھی بنا لے۔ چل جلدی کر۔"

پری چہرہ انہیں گھورتا ہوا کچن میں گھس گیا۔ رعنا میز کے پاس کھڑی ٹوکری میں سے چیزیں نکال کر ٹرے میں رکھ رہی تھی۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ عرفان اسے گھور رہا ہے۔ یہ بات

اس نے پچھلے دو دن سے خاص طور پر نوٹ کی تھی کہ وہ جب بھی عرفان کے سامنے آتی وہ اسے عجیب سی نظروں سے گھورنے لگتا۔ کبھی موقع پا کر وہ ایک آدھ چبھتا ہوا ذومعنی جملہ بھی کہہ دیتا تھا اور اس وقت بھی اس نے کچھ ایسے ہی الفاظ کہے تھے کہ وہ تلملا کر رہ گئی تھی۔ اسی وجہ سے وہ ان لوگوں کے سامنے بہت کم آتی تھی۔ اس کا زیادہ وقت اپنے کمرے میں گزرتا تھا۔ جب حاجی وغیرہ یہاں آئے تھے تو اس نے بڑے شوق سے ان کے لئے کھانے وغیرہ تیار کئے تھے لیکن اب اس نے گھر کا سارا کام پری چہرہ پر چھوڑ دیا تھا۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ وہ لوگ پری چہرہ کو بھی چھیڑتے رہتے تھے اور پری چہرہ بھی ان سے دور ہی رہنے کی کوشش کرتا تھا۔

رعنا اپنے شوہر فاروق کو فون کرنے کے لئے اپنے کمرے سے نکلی تھی لیکن ان دونوں کو یہاں بیٹھے دیکھ کر اس نے فون کرنے کا ارادہ بدل دیا۔ کچھ دیر میز کے پاس کھڑی رہی اور پھر اپنے کمرے میں آ گئی۔ فاروق احمد صبح آٹھ بجے کے قریب دفتر گیا تھا اور اس نے کہا تھا کہ وہ بارہ بجے تک واپس آ جائے گا۔ وہ دل ہی دل میں دعا مانگنے لگی کہ فاروق جلدی واپس آ جائے۔

"یہ تازہ صورتحال نہایت سنگین تھی۔ اس رات وہ جان گئی تھی کہ ان تینوں کو تہہ خانے میں قتل کر دیا گیا تھا اور ان کی لاشیں بھی اس کے سامنے ہی تہہ خانے سے نکال کر کوٹھی کے عقب میں گندے نالے میں پھینک دی گئی تھیں اور اب وہ لاشیں مل گئی تھیں۔ رعنا تو یہ سوچ کر ہی کانپ رہی تھی کہ اگر پولیس ان لاشوں کے بارے میں تحقیقات کرتی ہوئی یہاں تک پہنچ گئی تو حاجی وغیرہ تو شاید فرار ہونے میں کامیاب ہو جائیں لیکن وہ لوگ دھر لئے جائیں گے۔

ساڑھے گیارہ بجے کے قریب فاروق آ گیا۔ وہ شاید کچھ دیر ہال کمرے میں رکا تھا پھر رعنا کے کمرے میں آ گیا۔ رعنا اس وقت بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔ اسے دیکھتے ہی اٹھ گئی اور کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔

"کیا بات ہے رعنا۔" فاروق اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔

"تم کچھ زیادہ ہی پریشان لگ رہی ہو۔ کوئی گڑبڑ؟"

"یہی پریشانی کیا کم تھی کہ حاجی جیسے خطرناک لوگ ہمارے گھر موجود ہیں۔" رعنا بولی۔ "نئی پریشانی یہ ہے کہ وہ تینوں لاشیں پولیس کو مل گئی ہیں۔"

"کیا۔۔۔۔؟" فاروق احمد اچھل پڑا۔ "تمہیں کس نے بتایا؟"

"پری چہرہ نے۔" رعنا نے جواب دیا۔ "وہ لاشیں دیکھ کر آیا ہے۔"

"کیا حاجی وغیرہ کو پتہ چل گیا ہے؟" فاروق نے پوچھا۔

"نہیں، ابھی نہیں۔ میں نے پری چہرہ کو منع کر دیا تھا کہ آپ کے آنے سے پہلے انہیں نہ

aazzamm@yahoo.com

بتائے۔" رعنا نے کہا۔

"میں ابھی حاجی سے بات کرتا ہوں۔" فاروق بولا۔ "اس شخص کی وجہ سے ہم عجیب مصیبت میں پھنس گئے ہیں۔ اگر پولیس یہاں تک پہنچ گئی تو ہم ہی قتل کے الزام میں دھر لئے جائیں گے۔"

"خدا کے لئے انہیں یہاں سے نکالو۔" رعنا بولی۔ "اس طرح بات کرو کہ یہ لوگ خود ہی یہاں سے دفعان ہو جائیں۔ ان کی وجہ سے تو ہر وقت میری جان سولی پر ٹنگی رہتی ہے۔"

"دیکھو۔ میں حاجی سے بات کرتا ہوں۔" فاروق کہتے ہوئے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

عرفان اور رب نواز اب بھی ہال ہی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ فاروق حاجی والے کمرے میں آ گیا۔ حاجی بیڈ پر لیٹا ہوا تھا اور دلاور اس کے پیر دبا رہا تھا۔

"بڑا غضب ہو گیا حاجی صاحب۔" فاروق بیڈ کے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"آج کل میں ہر قسم کی بری خبریں سننے کے لئے تیار ہوں' نئی خبر کیا ہے؟" حاجی نے پرسکون لہجے میں پوچھا۔

"نئی خبر یہ ہے کہ پولیس کو ان تینوں کی لاشیں یہاں سے چند گز آگے نالے کے پرانے پل میں پھنسی ہوئی مل گئی ہیں۔" فاروق نے بتایا۔

"کیا۔۔۔۔۔؟" حاجی اچھل کر بیٹھ گیا۔ "تمہیں کیسے پتا چلا؟"

"صبح پری چہرہ سودا لینے کے لئے گیا تھا تو اسے پتا چلا تھا۔ اس نے لاشیں بھی دیکھی تھیں۔ اس نے رعنا کو بتا دیا تھا اور رعنا میرے انتظار میں خاموش بیٹھی رہی تھی۔"

یہ خبر حاجی کے لئے بم کے دھماکے سے کم نہیں تھی۔ اس نے پری چہرہ کو بلایا اور اس سے تفصیل معلوم کرنے لگا۔ آخر میں وہ بولا۔

"تم نے کسی کو کچھ بتایا تو نہیں کہ وہ کون ہیں۔"

"میں تمہاری طرح بیوقوف تو نہیں ہوں۔" پری چہرہ نے تڑ سے جواب دیا۔

حاجی اچھل پڑا۔ "اوئے۔ مجھے بے وقوف کہتا ہے جس نے ساری دنیا کو اپنی مٹھی میں لے رکھا ہے۔ زبان سنبھال کر بات کیا کر مجھ سے ورنہ زبان کھینچ لوں گا۔"

"دنیا کو مٹھی میں لے رکھا ہے!" پری چہرہ طنزیہ انداز میں ہنس دیا۔ "خود تو چھپ کر یہاں بیٹھا ہوا ہے۔ اتنا بہادر ہے تو جا کر پولیس کو بتا دے نا کہ وہ تینوں کون تھے اور تم انہیں رسیوں میں باندھ کر کہاں سے لائے تھے۔"

"بند کر زبان اپنی۔' حاجی غرایا۔ "اور دفع ہو جا یہاں سے اور سنو۔ تم اب کوٹھی سے باہر

نہیں نکلو گے۔"

"آئے ہائے۔" پری چہرہ مخصوص لہجے میں بولا۔ "میں نے کیا جرم کیا ہے جو چھپ کر بیٹھ رہوں۔" وہ بڑبڑاتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

آوازیں سن کر عرفان اور رب نواز بھی اندر آ گئے تھے۔ حاجی ان پر برس پڑا۔ وہ عرفان کی طرف دیکھتے ہوئے چیخا۔

"دیکھا۔ دیکھ لیا تم نے۔۔۔۔۔ میں نے کہا تھا کہ انہیں تہ خانے کا فرش کھود کر دفن کر دو۔ مگر تم نے ہی کہا تھا کہ لاشوں کو نالے میں پھینک دیں۔ وہ پانی میں بہتی ہوئی دور چلی جائیں گی۔ مگر وہ تینوں لاشیں پل میں پھنس گئیں۔ اب پولیس نالے کے ساتھ ساتھ کوٹھیوں میں آ کر تحقیق ضرور کرے گی۔ اگر پولیس یہاں آ گئی تو کیا کرو گے؟"

"ہمیں کیا معلوم تھا حاجی جی کہ لاشیں پل میں پھنس جائیں گی۔" عرفان نے کہا۔ "مگر آپ فکر نہ کریں جی۔ پولیس یہاں آ بھی گئی تو وہ آپ تک یا ہم تک نہیں پہنچ سکے گی۔"

"اب یہ جگہ ہمارے لئے خطرناک ہو گئی ہے۔" حاجی بولا۔ "ایک طرف پولیس اور دوسری طرف کم بخت ثمینہ اور شارق۔۔۔۔۔ پولیس اگر اپنے طور پر یہاں تک نہ بھی پہنچی تو ان کی طرف سے خطرہ موجود ہے۔ وہ کم بخت کسی بھی وقت پولیس کو یہاں ہماری موجودگی کی اطلاع دے سکتے ہیں۔"

"مگر آپ نے کہا تھا کہ ثمینہ اور شارق بہت اصول پرست ہیں۔ وہ پولیس کو ہمارے بارے میں نہیں بتائیں گے۔" عرفان نے کہا۔

"اوئے کسی کے دین ایمان کا کوئی بھروسہ نہیں۔" حاجی بولا۔ "محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔ اگر وہ پولیس کو اطلاع دے بھی دیں تو ہم ان کا کیا بگاڑ لیں گے۔"

"تو اب کیا کیا جائے حاجی جی۔" عرفان بولا۔

"تم رب نواز کو لے کر شادی پور چلے جاؤ۔ وہاں کرامت سے مل کر کہو کہ یہاں اگر گڑبڑ ہوئی تو ہو سکتا ہے ہم آج رات ہی اس کے پاس آ جائیں۔ ہمارے لئے سارا بندوبست کر کے رکھے۔" حاجی نے کہا۔

"ٹھیک ہے جی۔ ہم ابھی چلے جاتے ہیں۔" عرفان نے کہا۔

تھوڑی ہی دیر بعد دونوں کوٹھی سے نکل گئے۔ اتفاق سے کوٹھی سے نکلتے ہی انہیں ایک رکشہ مل گیا۔ رکشہ سڑک کے کنارے ایک درخت کے نیچے کھڑا تھا اور ڈرائیور پچھلی سیٹ پر ٹانگیں پسارے بیٹھا ہوا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

ادھر کوٹھی میں حاجی فاروق احمد سے بحث کر رہا تھا۔ فاروق اس بات پر خوف زدہ تھا کہ اگر پولیس اس کوٹھی تک پہنچ گئی تو وہ بھی مارے جائیں گے۔

"یہ تو تمہیں پہلے سوچنا چاہئے تھا کہ ہم جیسے لوگوں سے دوستی بعض اوقات کتنی خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔" حاجی نے کہا۔ "لیکن اس وقت تو تمہارے ذہن میں کچھ اور تھا۔ حاجی سونے کی چڑیا تھا۔ مجھ سے لمبی لمبی رقمیں لیتے ہوئے تم نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ یہ رقمیں تمہارے گلے کا پھندا بھی بن سکتی ہیں اور جب میں نے تمہاری بیوی کو ڈائمنڈ کا سیٹ دیا تھا تو تم دونوں کتنے خوش تھے اور اب کیوں مرے جا رہے ہو۔ مجھ سے دوستی کی ہے تو جگرا بھی رکھو۔ بزدل مت بنو۔ کچھ نہیں ہو گا تمہیں۔"

میں تو بزدل نہیں ہوں حاجی صاحب لیکن رعنا۔ آپ جانتے ہیں عورتوں کا دل کتنا چھوٹا ہوتا ہے۔ وہ ڈر رہی ہے۔" فاروق نے کہا۔

"اوئے ثمینہ بھی تو عورت ہے۔" حاجی بولا۔ "اسے دیکھو۔ اس نے ساری دنیا کو نچا رکھا ہے۔ اپنی بیوی کو سمجھاؤ۔ کچھ نہیں ہو گا اسے۔"

"میرا خیال ہے رعنا اور پری چہرہ کو گاؤں بھیج دوں۔" فاروق بولا۔

"بالکل نہیں۔" حاجی کے حلق سے غراہٹ سی نکلی۔ "گاؤں جا کر وہ دونوں اپنی زبان پر قابو نہیں رکھ سکیں گے اور تمہارا یہ جو کھسرا ہے نا۔ اس سے مجھے زیادہ ڈر لگتا ہے۔ یہ قوم بڑی خطرناک ہوتی ہے جو منہ میں آتا ہے بکتے چلے جاتے ہیں۔ اس کا باہر جانا کم کر دو۔ اور تم ڈرو مت۔ حاجی اپنے وفاداروں کو فراموش نہیں کرتا۔ یہ گڑبڑ ختم ہو لینے دو میں تمہیں اتنا کچھ دوں گا کہ ساری تکلیفیں بھول جاؤ گے۔"

"ٹھیک ہے حاجی جی۔" فاروق کہتے ہوئے اٹھ گیا۔ "وہی کروں گا جو آپ کہتے ہیں۔"

وہ اپنے کمرے میں آ گیا۔ رعنا بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی۔

"کیا کہتا ہے وہ؟" رعنا نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میرا خیال ہے وہ لوگ آج رات کو یہاں سے چلے جائیں گے۔" فاروق نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "عرفان اور رب نواز شادی پور گئے ہیں کسی اور جگہ کا انتظام کرنے کے لئے۔ خدا کرے ان کا بندوبست ہو جائے تو یہ لوگ آج ہی رات یہاں سے چلے جائیں۔"

"اب تم گھر پر ہی رہنا۔ کہیں جانا مت۔" رعنا اٹھتے ہوئے بولی۔ "پتا نہیں کیوں مجھے ان لوگوں سے بھی ڈر لگنے لگا ہے۔ عرفان تو کھا جانے والی نظروں سے مجھے گھورتا رہتا ہے۔"

فاروق نے کوئی جواب نہیں دیا۔ رعنا یہ شکایت پہلے بھی کر چکی تھی اور وہ اس سلسلے میں

خاصا پریشان تھا۔ ایک مرتبہ تو اس نے سوچا بھی تھا کہ حاجی سے شکایت کرے لیکن پھر خاموش ہی رہا تھا۔

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد رعنا پھر اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ پری چہرہ کام میں مصروف رہا۔

پانچ بجے کے قریب کال بیل کی آواز سنائی دی۔ پری چہرہ اس وقت ہال میں اکیلا تھا۔ بیل کی آواز سن کر وہ باہر نکل آیا۔ گیٹ کھول کر جیسے ہی پولیس والوں پر نظر پڑی اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اس نے بڑی خوبصورتی سے اپنی کیفیت پر قابو پا لیا تھا۔ سب انسپکٹر سے مختصر سی بات کرنے کے بعد وہ اندر آ گیا۔

کال بیل کی آواز سن کر حاجی اور فاروق ہال کمرے میں آ گئے تھے۔ پری چہرہ نے پولیس کے بارے میں بتایا تو حاجی جلدی سے بولا۔

"تم باہر نہیں جاؤ گے۔ رعنا کو بھیجو۔"

فاروق ایک لمحہ کو الجھن میں مبتلا رہا پھر کمرے میں آ گیا اور رعنا کو پولیس کے بارے میں بتانے لگا۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں۔" فارق نے کہا۔ "وہ شاید ان لاشوں کے بارے میں تحقیقات کر رہے ہیں۔ مختصر بات کرنا اور اپنے حواس پر قابو رکھنا۔"

پولیس کا سن کر رعنا کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔ اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پانے میں اسے ایک منٹ لگا اور پھر وہ گیٹ پر آ گئی۔

وہ تقریباً" دس منٹ تک پولیس آفیسر سے باتیں کرتی رہی اس کے دل پر عجیب سی کیفیت طاری تھی اور وہ بہت مختلط انداز میں پولیس آفیسر کے سوالات کے جوابات دے رہی تھی۔

رعنا نے اندر آ کر سب کچھ بتا دیا۔ حاجی کے چہرے پر طمانیت سی آ گئی تھی۔

"چلو۔۔۔۔ بلا ٹلی۔" وہ بڑبڑایا۔

"پولیس والے آسانی سے پیچھا نہیں چھوڑتے حاجی صاحب۔" فاروق نے کہا۔ "وہ اس طرح آسانی سے تحقیقات ختم نہیں کریں گے۔ ہو سکتا ہے وہ دوبارہ آئیں اور اگر انہیں شبہ ہو گیا تو وہ کوٹھی کے اندر بھی آ سکتے ہیں۔"

"شاید تم ٹھیک کہتے ہو۔" حاجی نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

حاجی مطمئن ہو گیا تھا لیکن فاروق کی پریشانی کم نہیں ہوئی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں آ کر

aazzamm@yahoo.com

سرگوشیوں میں رعنا سے باتیں کر رہا تھا۔

"میرا خیال ہے یہ لوگ آج رات یہاں سے چلے جائیں گے۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "اگر نہ گئے تو ہم کل صبح یہ کوٹھی چھوڑ دیں گے۔ آج رات تم اپنے تمام زیور، نقدی اور دوسری قیمتی چیزیں ایک چھوٹے سوٹ کیس میں رکھ لینا۔ کل کسی وقت موقع ملتے ہی ہم یہاں سے نکل جائیں گے۔"

"کیا باقی سب کچھ یہیں چھوڑ دیں گے۔" رعنا بولی۔ "اتنا قیمتی ساز و سامان اور یہ کوٹھی۔۔۔۔۔ ہم نے یہ سب کچھ بنانے میں کتنی محنت کی تھی۔ یہ سب کچھ ہمیں چھوڑنا پڑے گا۔"

"جان سے زیادہ قیمتی تو کوئی چیز نہیں ہوتی۔" فاروق بولا۔ "حالات بہتر ہوئے اور قسمت نے ساتھ دیا تو یہ سب کچھ دوبارہ بن جائے گا۔"

"کیا یہ لوگ ہمیں یہاں سے نکلنے دیں گے؟" رعنا بولی۔

"تم اپنا سوٹ کیس تیار کر لینا۔ رات ہی کو موقع پا کر میں سوٹ کیس کار کی ڈگی میں رکھ دوں گا۔ کل دن میں کوئی نہ کوئی موقع مل ہی جائے گا۔ پری چہرہ کو ابھی یہ بات مت بتانا۔"

"ٹھیک ہے۔" رعنا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

عرفان اور رب نواز دوپہر کے کھانے سے پہلے گئے تھے۔ ان کی واپسی شام چھ بجے ہوئی تھی۔ وہ دونوں آتے ہی حاجی کے کمرے میں گھس گئے اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد دروازہ کھلا تھا۔ حاجی نے فاروق احمد کو بلا لیا۔

"تم لوگوں کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" حاجی نے کہا۔ "ہم آٹھ بجے کے قریب یہاں سے چلے جائیں گے اور اگر مناسب سمجھو تو تم لوگ بھی کوٹھی کو تالا لگا کر دو چار دن کے لئے کہیں چلے جاؤ تاکہ پولیس دوبارہ ادھر آئے تو تم لوگوں سے سامنا نہ ہو۔"

"ٹھیک ہے حاجی جی۔" فاروق نے جواب دیا۔ "ہم صبح ہی گاؤں چلے جائیں گے۔"

فاروق نے رعنا کو بتایا تو اس کے چہرے پر طمانیت سی آ گئی۔ لیکن اسے مکمل اطمینان اسی وقت ہو سکتا تھا جب یہ لوگ یہاں سے چلے جاتے۔"

چھ بجے کے قریب حاجی نے مقصود کو فون کر دیا کہ وہ ٹھیک آٹھ بجے گاڑی لے کر پہنچ جائے۔

گاڑی ٹھیک آٹھ بجے پہنچ گئی تھی۔ وہی پجیرو تھی۔ حاجی وغیرہ کے بیٹھنے کے بعد جب پجیرو رخصت ہو گئی تو فاروق اور رعنا نے اطمینان کا سانس لیا۔ گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے عرفان نے

عجیب سی نظروں سے رعنا کی طرف دیکھا۔ مگر اس وقت رعنا کو ان پُر ہوس نظروں کی پروا نہیں تھی کیونکہ اب اسے یقین تھا کہ وہ واپس نہیں آئے گا۔

نو بجے کے قریب ان لوگوں نے کھانا کھایا۔ کھانے کے کچھ ہی دیر بعد کوٹھی کے پیچھے نالے کی طرف سے کچھ آوازیں سن کر وہ چونک گئے۔ فاروق کمرے سے نکل کر باہر آ گیا اور عقبی دیوار کے قریب رک کر آوازیں سننے لگا۔ اور پھر اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

دیوار کے دوسری طرف باتوں سے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ پولیس والے تھے۔ جو اس وقت بھی غالباً ٹارچوں کی روشنی میں نالے اور کوٹھیوں کے درمیان کچھ جگہوں کا معائنہ کرتے پھر رہے تھے۔

"ادھر کی دو تین کوٹھیاں مشکوک ہیں۔" ایک آواز سنائی دی۔ "صبح سب سے پہلے انہی کو چیک کیا جائے گا۔ صبح ایک بار پھر ہمیں یہاں بھی آنا پڑے گا۔ تاکہ دن کی روشنی میں اس جگہ کا اچھی طرح معائنہ کیا جا سکے۔"

"ٹھیک ہے سر۔" دوسری آواز سنائی دی۔ "اب واپس چلیں۔ بدبو سے دماغ پھٹا جا رہا ہے۔"

"چلو۔۔۔۔۔" یہ وہی پہلی آواز تھی۔ "باقی کام صبح دیکھا جائے گا۔"

فاروق احمد کانپ اٹھا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اندر آ گیا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں سی اڑ رہی تھیں۔

"کیا ہوا۔ گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟" رعنا نے پوچھا۔

"پولیس۔" فاروق احمد نے کہا۔ آواز اس کے حلق میں اٹک رہی تھی۔ "پولیس والے اس وقت بھی نالے کے کنارے پر کوئی سراغ تلاش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان کی نظروں میں ہماری کوٹھی مشکوک ہے۔ اس وقت وہ لوگ واپس جا رہے ہیں۔ صبح پھر آئیں گے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "جب عرفان اور رب نواز وغیرہ لاشیں تہ خانے سے نکال کر لے گئے تھے تو ان کے زخموں سے خون بہہ رہا تھا۔ خون کے قطرے کوٹھی کے اندر قالین پر بھی گرے تھے اور باہر صحن میں بھی۔ ہو سکتا ہے کہ دیوار کے دوسری طرف بھی ایسے کوئی نشانات موجود ہوں۔ اگر صبح پولیس کو وہ نشان مل گئے تو ہم دونوں کو پھانسی کے پھندے سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ وہ کم بخت تو چلے گئے اور ہمارے لئے مصیبتیں کھڑی کر گئے۔"

"اب کیا کیا جائے؟" رعنا نے کہا۔ اس کے لہجے میں بھی ہلکی سی تھرتھراہٹ تھی۔

"ہمیں صبح کا انتظار نہیں کرنا چاہئے۔" فاروق احمد نے کہا۔ "فی الحال ہماری بھلائی اسی میں

aazzamm@yahoo.com

ہے کہ ہم فوری طور پر یہاں سے نکل جائیں۔"

"کہاں جائیں گے؟" رعنا بولی۔

"گاؤں۔ بھائی جلال کے پاس۔" فاروق نے جواب دیا۔ "تم ایسا کرو تیاری شروع کرو۔ تمام زیور نقدی اور قیمتی چیزیں پیک کر لو۔۔۔۔ میں ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں۔ ایک ڈیڑھ گھنٹے میں واپسی ہو گی۔ میرے واپس آتے ہی ہم یہاں سے نکل جائیں گے۔ میں پری چہرہ کو ساتھ لے جا رہا ہوں۔ ہمارے آنے تک تم تیاری مکمل کر لو۔"

"کہاں جا رہے ہو؟" رعنا نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"چوہدری۔" فاروق نے جواب دیا۔ "کوشش کروں گا کہ جلدی واپس آ جاؤں۔ تم تیاری شروع کر دو۔"

فاروق کمرے سے باہر نکل آیا۔ اس نے پری چہرہ کو ساتھ لیا اور گاڑی میں بیٹھ گیا۔ رعنا نے باہر کا گیٹ بند کر دیا اور کمرے میں آ کر ادھر ادھر دیکھنے لگی اور پھر اس نے تیاری شروع کر دی۔ الماری کھول کر تمام اچھے کپڑے پلنگ پر ڈال دیئے۔ الماری کے نچلے حصے کی تجوری کھولی اور زیورات کے ڈبے نکال کر بیڈ پر رکھنے لگی۔ قیمتی زیورات کے کئی سیٹ تھے ان میں ڈائمنڈ کا وہ سیٹ بھی تھا جو اسے حاجی نے دیا تھا۔ اس نے تمام زیورات کے کئی سیٹ تھے۔ ان میں ڈائمنڈ کا وہ سیٹ بھی تھا جو اسے حاجی نے دیا تھا۔ اس نے تمام زیورات ڈبوں سے نکال لئے اور انہیں شیشے کے ایک خوبصورت صندوقچے میں رکھ کر تجوری میں سے نوٹوں کے بنڈل نکالنے لگی۔ ہزار ہزار اور پانچ پانچ سو والے نوٹوں کے کئی بنڈل تھے۔ وہ تجوری میں سے پرائز بانڈ والے بنڈل نکال رہی تھی کہ باہر کی طرف آہٹ سن کر چونک گئی۔

اس نے کھڑکی کے شیشے سے جھانکنے کی کوشش کی مگر باہر کی تاریکی میں کچھ نظر نہیں آیا۔ چند لمحوں بعد آہٹ دوبارہ سنائی دی۔ وہ کمرے سے نکل کر ہال میں سے گزرتی ہوئی برآمدے میں کھلنے والے دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔ حیرت کی بات تھی کہ اس وقت اسے کسی قسم کا ڈر یا خوف محسوس نہیں ہو رہا تھا حالانکہ صورتحال نہایت سنگین اور تکلیف دہ تھی۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ حاجی وغیرہ کے جانے کے بعد وہ اپنے آپ کو اپنے گھر میں محفوظ سمجھتی تھی۔ پولیس کا خوف اس لئے نہیں تھا کہ ان کی باتوں سے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ صبح سے پہلے یہاں نہیں آئیں گے اور کسی اور طرف سے ڈر خوف نہیں تھا۔ وہ کئی سال سے اس کوٹھی میں رہائش پذیر تھی۔ بیسیوں مرتبہ اکیلی رہی تھی۔ کبھی کوئی ایسی بات نہیں ہوئی تھی اور اس نے کبھی کسی قسم کا ڈر خوف محسوس نہیں کیا تھا اور اب بھی اس کے دل میں کسی قسم کا ڈر خوف نہیں تھا۔

اس نے بوٹ ہٹا کر دروازہ کا ایک پٹ ذرا سا کھول دیا اور باہر جھانکتے ہوئے بولی۔ "کون ہے؟" لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ اس نے دروازہ کچھ اور کھول کر باہر جھانکا۔ برآمدے کا بلب بجھا ہوا تھا اور باہر تاریکی تھی۔ وہ چند لمحے تاریکی میں گھورتی رہی پھر پیچھے ہٹ کر دروازہ بند کرنا ہی چاہتی تھی کہ دائیں طرف سے آہٹ سنائی دی اور باہر سے کسی نے دروازے کو زور سے دھکا دیا۔

دروازے کا پٹ رعنا کی پیشانی پر لگا۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی اور وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹی۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھل سکتی دروازہ دھڑ سے بند ہو گیا۔ رعنا نے سنبھل کر دیکھا تو اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا اور سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

عرفان اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں لمبے پھل والا چاقو تھا اور آنکھوں میں بڑی خوفناک چمک تھی۔ رعنا سر تا پا لرز اٹھی۔ اس نے چیخنا چاہا مگر عرفان نے بڑی تیزی س آگے بڑھ کر اسے اس طرح دبوچ لیا کہ اس کا ایک ہاتھ رعنا کے منہ پر تھا اور چاقو کی نوک اس کے سینے پر۔

"اگر تم نے چیخنے کی کوشش کی تو چاقو تمہارے سینے میں اتار دوں گا۔" عرفان کے لہجے میں بھیڑیئے کی سی غراہٹ تھی۔ وہ اسے الٹے پیر گھسیٹتا ہوا اس کے بیڈ روم میں لے آیا۔ رعنا اپنے آپ کو چھڑانے کے لئے مچل رہی تھی۔

کمرے میں بیڈ پر زیورات اور نوٹوں کے بنڈل دیکھ کر عرفان کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔

"بھاگنے کی تیاری ہو رہی ہے۔" عرفان نے کہا اور رعنا کو دھکا دے کر بیڈ پر گرا دیا۔ "اگر تم نے منہ سے آواز نکالنے کی کوشش کی تو تمہارے اس خوبصورت جسم کی بوٹیاں کر دوں گا۔"

"تت۔۔۔۔ تم یہاں کیوں آئے ہو۔" وہ ہکلائی۔

"میں جب سے یہاں آیا ہوں تمہارے حسن نے مجھے پاگل کر رکھا ہے۔ یہاں رہتے ہوئے تو مجھے تمہیں ہاتھ لگانے کا موقع نہیں ملا۔ یہاں سے جاتے ہوئے میں حاجی سے بہانہ کر کے گاڑی سے اتر گیا۔ تمہارے اس خوبصورت بدن سے فیض یاب ہوئے بغیر میں کیسے جا سکتا تھا۔ میں باہر چھپا کھڑا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ تمہارا کھسم باہر ضرور جائے گا۔ اگر وہ باہر نہ بھی جاتا تو کچھ دیر بعد میں اندر آ ہی جاتا۔ اور مجھے اپنا مطلب پورا کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ لیکن یہ میری خوش قسمتی ہے کہ نہ صرف تمہارا کھسم بلکہ وہ کھسرا بھی اس کے ساتھ چلا گیا ہے۔ اب میں ہوں اور تم ہو۔ میں جس کام سے آیا ہوں وہ تو کر کے ہی جاؤں گا۔ اگر تم مجھ سے تعاون کرو گی تو

aazzamm@yahoo.com

بڑی اچھی بات ہو گی۔ بصورت دیگر۔۔۔۔ یہ چاقو دیکھ رہی ہو۔۔۔۔ تمہارے جسم کی ایک ایک بوٹی کاٹ کر پھینک دوں گا۔"

"نہیں نہیں۔" رعنا کے حلق سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی۔ "خدا کے لئے مجھے کچھ مت کہو۔ یہ۔ سب کچھ لے جاؤ اور مجھے چھوڑ دو۔"

"یہ سب کچھ تو میں لے ہی جاؤں گا مگر تمہیں کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔" عرفان معنی خیز انداز میں مسکراتا ہوا آگے بڑھا۔

"خدا کے لئے مجھ پر رحم کرو۔" رعنا گھگھیائی۔

"رحم کرنا تو ہم نے سیکھا ہی نہیں۔" عرفان بولا۔ "اگر رحم جیسی چیز سے آشنا ہوتا تو حاجی جیسے بھیڑیئے کے ساتھ نہ ہوتا۔"

وہ مزید آگے بڑھا۔ رعنا نے اٹھ کر ایک طرف چھلانگ لگانی چاہی مگر عرفان نے اسے پکڑ کر پھر بیڈ پر گرا دیا۔ رعنا نے پھر اٹھنے کی کوشش کی۔ عرفان نے اس کے منہ پر تھپڑ مار دیا۔ رعنا کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

عرفان نے ادھر ادھر دیکھا۔ بیڈ پر کپڑے بھی بکھرے ہوئے تھے۔ عرفان نے ایک دوپٹہ اٹھا لیا اور رعنا کے منہ پر اس طرح دوپٹہ باندھنے لگا جیسے گھوڑے کے منہ میں لگام ڈالی جاتی ہے۔

رعنا بری طرح مچل رہی تھی۔ وہ اپنے ہاتھوں اور پیروں کو استعمال میں لاتے ہوئے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر عرفان اس سے زیادہ طاقتور تھا۔ اس نے نہ صرف اس کے منہ پر دوپٹہ باندھ دیا بلکہ اسے اس طرح دبوچ لیا کہ مزاحمت کے باوجود رعنا اپنے آپ کو اس کی گرفت سے نہیں نکال سکی۔

رعنا اپنے آپ کو بچانے کے لئے بری طرح ہاتھ پیر مار رہی تھی۔ اس کے منہ سے خرخراہٹ کی سی آوازیں نکل رہی تھیں۔ مگر عرفان اس پر حاوی ہو رہا تھا۔

رعنا چند منٹ سے زیادہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکی۔ وہ پر کٹی چڑیا کی طرح پھڑپھڑا کر رہ گئی۔

ان کی دھینگا مشتی میں زیورات والا شیشے کا صندوقچہ نیچے گر گیا تھا۔ شیشہ ٹوٹا نہیں تھا لیکن ڈھکنا کھل جانے سے کچھ زیورات قالین پر بکھر گئے تھے۔ وہ نیچے جھک کر زیورات سمیٹنے لگا۔ اس دوران رعنا نے اپنے منہ پر بندھا ہوا دوپٹہ ہٹا دیا اور اٹھ کر چیختی ہوئی دروازے کی طرف دوڑی۔ عرفان ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اس کی طرف لپکا اور اسے دروازے تک پہنچنے سے پہلے ہی دبوچ لیا۔ وہ رعنا کو گھسیٹتا ہوا بیڈ پر لے آیا۔ چاقو بیڈ پر ایک طرف پڑا ہوا تھا۔ اس نے چاقو والا ہاتھ بلند کیا۔ رعنا کی آنکھیں خوف سے پھٹنے لگیں۔ اس نے چاقو کے وار سے بچنے کے لئے ایک طرف

ہٹنا چاہا مگر عرفان نے اسے ایک گھٹنے کے دباؤ سے بھی بے بس کر رکھا تھا۔

چاقو پوری قوت سے رعنا کے سینے میں پیوست ہو گیا۔ اس کی چیخ حلق میں گھٹ کر رہ گئی۔ وہ بری طرح تڑپنے لگی۔ عرفان نے ایک ہاتھ سے اس کا منہ دبائے رکھا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے سینے اور پیٹ پر چاقو کے وار کرتا رہا۔ رعنا کے زخموں سے بہنے والا خون بیڈ پر اور ادھر ادھر پھیلتا رہا۔ عرفان کے لباس پر بھی خون کے چھینٹے پڑے تھے۔

بالآخر وہ رعنا کو چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ چاقو اس کے سینے میں ہی پیوست رہنے دیا۔ رعنا کے منہ سے اب کوئی آواز نہیں نکل رہی تھی۔ وہ کچھ دیر تک تڑپی اور پھر بے حس و حرکت ہو گئی۔

عرفان نے ادھر ادھر دیکھا۔ کھلی ہوئی الماری میں فاروق احمد کے کپڑے ٹنگے ہوئے تھے۔ اس نے اپنے کپڑے اتار دیئے اور فاروق احمد کی ایک پینٹ شرٹ الماری سے نکال کر پہن لیا۔ پھر اس نے تمام زیورات اور نوٹوں کے بنڈل ایک کپڑے میں ڈال کر پوٹلی بنائی اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ اس نے اپنے کپڑے وہیں چھوڑ دیئے تھے۔ اسے اس بات کی پرواہ نہیں تھی کہ بعد میں اسے کپڑوں کی وجہ سے شناخت کر لیا جائے گا۔

وہ ایک ہاتھ میں پوٹلی لئے گیٹ کھول کر باہر آ گیا اور اطمینان سے چلتا ہوا سڑک پر آ گیا۔ وہ سڑک پر رکا نہیں۔ آہستہ آہستہ چلتا رہا۔ کچھ ہی دیر بعد ریلوے سٹیشن کی طرف جانے والی بس مل گئی اور وہ بس میں سوار ہو گیا۔

فاروق کی واپسی بارہ بجے کے قریب ہوئی تھی۔ گیٹ کھلا دیکھ کر اس کا ماتھا ٹھنکا تھا۔ وہ گاڑی اندر لے آیا۔ اس نے گاڑی سے اترتے ہوئے رعنا کو دو تین آوازیں دیں مگر جواب نہ پا کر تیزی سے برآمدے کی طرف لپکا۔ پری چہرہ بھی اس کے پیچھے تھا۔

برآمدے والا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ فاروق احمد رعنا کو پکارتا ہوا تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کمرے کی طرف بڑھا۔ اور پھر دروازے میں پہلا قدم رکھتے ہی اندر کا منظر دیکھ کر اس کے منہ سے خوفناک چیخ نکل گئی۔

○

شارق کو رات پھر نیند نہیں آئی تھی اور ثمینہ بھی جاگتی رہی تھی۔ ایس پی الطاف علی سے ملاقات کے بعد جب وہ گھر پہنچے تو ایک بجنے والا تھا۔ شاہ پری، رضیہ اور طفیل ان کے انتظار میں جاگ رہے تھے۔

"بہت دیر کر دی تم لوگوں نے۔" شاہ پری انہیں دیکھتے ہی بولی۔ "ہم تو پریشان ہو رہے تھے بلکہ ہم تو یہ پروگرام بنا رہے تھے کہ مزید ایک گھنٹہ تک تم لوگ نہ آئے تو ہم لوگ تلاش میں

aazzamm@yahoo.com

نکلیں گے۔"

"ہماری تلاش میں کہاں جاتے۔" شارق نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ایس پی الطاف علی کے گھر کا پتا معلوم کیا جا سکتا تھا۔" شاہ پری نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اگر یہ پتا چل جاتا کہ تم لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا ہے تو ہم الطاف علی کے گھر والوں کو یرغمال بنا لیتے۔ پھر دیکھتے کہ وہ تمہیں کیسے نہیں چھوڑتا۔"

"ایس پی الطاف علی فرض شناس اور ذمہ دار آفیسر ہے۔ میں نے اسی لئے اس کا انتخاب کیا تھا۔" شارق نے جواب دیا۔ "اس سے مجھے ایسی حماقت کی توقع نہیں تھی کہ وہ مجھے گرفتار کرنے کی کوشش کرے گا۔ وہ ایک ذہین آفیسر ہے۔ معاملات سے نمٹنا جانتا ہے۔"

"نولکھا کہاں ہے؟" رضیہ نے پوچھا۔

"وہ اسلحہ کے گودام کی نشاندہی کے لئے ایس پی کے ساتھ گیا ہے۔ میرا خیال ہے صبح تک واپس آ جائے گا۔" شارق نے کہا۔

"اگر اسے بند کر دیا گیا تو؟" رضیہ بولی۔ "میرا مطلب ہے ایسا نہ ہو کہ اسے یرغمال بنا کر ہمیں بلیک میل کرنے کی کوشش کی جائے۔"

"ایسا نہیں ہو گا۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اس وقت سب سے زیادہ مطلوب میں ہوں۔ اگر وہ مجھے گرفتار کرنا چاہتا تو مکمل تیاری کر کے آتا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس کے برعکس اس نے ثمینہ کو پولیس سے بچایا تھا۔ اگر وہ نہ ہوتا تو ثمینہ کے لئے یا ہم سب کے لئے مسئلہ پیدا ہو سکتا تھا۔"

شارق چند لمحے خاموش رہا پھر اسے بتانے لگا کہ کس طرح ثمینہ پولیس کے ہاتھ آتے آتے رہ گئی تھی اور یہ بھی غنیمت تھا اس پر پولیس آفیسر نے ثمینہ کو پہچانا نہیں تھا ورنہ الجھن پیدا ہو جاتی۔

وہ لوگ تین بجے تک باتیں کرتے رہے۔ شاہ پری وغیرہ کو نیند آنے لگی تھی۔ وہ لوگ سونے کی تیاری کرنے لگے۔ شارق اٹھ کر اوپر والے ٹیرس میں آ گیا اور کرسی پر بیٹھ کر صورتحال کا جائزہ لینے لگا وہ سوچ رہا تھا کہ جب حاجی کے اسلحہ کے گودام پر چھاپہ پڑے گا تو حاجی کی کیا حالت ہو گی۔

کچھ دیر بعد ثمینہ بھی اوپر آ گئی اور وہ دونوں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ ان دونوں میں سے کسی کو بھی نیند نہیں آ رہی تھی۔

گزشتہ دنوں کی بارشوں اور آسمان پر بادلوں کی وجہ سے موسم خاصا خوشگوار ہو گیا تھا۔ وہ لوگ

جس جگہ کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے وہاں سے سڑک بھی نظر آ رہی تھی۔ وہ بار بار سڑک کی طرف دیکھ رہے تھے۔

وقت آہستہ آہستہ گزرتا رہا۔ رات بیت گئی۔ دن کا اجالا پھیلنے لگا تھا۔ سامنے سڑک پر کچھ آمدورفت شروع ہو گئی تھی۔

چھ بجے کے قریب ایک رکشہ گلی کے موڑ پر رکا اور نولکھا کو رکشے سے اترتے دیکھ کر ان دونوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ نولکھا رکشہ سے اتر کر چند لمحے وہیں کھڑا رہا اور جب رکشہ مڑ کر واپس چلا گیا تو وہ بھی آگے چلنے لگا۔

ثمینہ نیچے آ گئی اور اس نے نولکھا کے بیل بجانے سے پہلے ہی دروازہ کھول دیا اور اسے لے کر اوپر آ گئی۔ نولکھا بھی ان کے قریب ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کیا رہا؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"کچھ بھی نہیں۔" نولکھا نے جواب دیا۔ "ایس پی الطاف علی مجھے لے کر پہلے تھانے پہنچا اور وہاں سے اپنے دفتر لے گیا۔ دفتر میں بیٹھ کر وہ بعض اعلیٰ افسروں کو ٹیلی فون کرتا رہا۔ پھر مجھے ساتھ لے کر ڈی آئی جی کے دفتر پہنچ گیا۔ تین بجے وہاں ڈی آئی جی کے علاوہ چند اور اعلیٰ افسران بھی جمع ہو گئے۔ مجھے دوسرے کمرے میں بٹھا دیا گیا۔ وہ تقریباً ایک گھنٹے تک میٹنگ کرتے رہے۔ پھر ایس پی الطاف علی نے مجھے بتایا کہ فوری طور پر اڈے پر چھاپہ مارنا ممکن نہیں ہے۔ یہ کارروائی کل یعنی آج رات کی جائے گی اور اس کارروائی کے بارے میں میٹنگ میں شریک افسروں کے علاوہ کسی کو ہوا نہیں لگنے دی جائے گی۔ ایس پی الطاف علی نے مجھے آج رات آٹھ بجے اپنے دفتر آنے کو کہا ہے۔"

"اوہ۔" شارق بولا۔ "کیا الطاف علی نے اپنے افسروں کو تمہارے بارے میں بتایا تھا۔"

"ہاں۔" نولکھا نے جواب دیا۔ "اس نے ڈی آئی جی کے سامنے مجھے بھی پیش کیا تھا اور کہا تھا کہ اسلحہ کے اڈے کے بارے میں اطلاع شارق نے دی تھی اور یہ شارق کا خاص آدمی ہے۔"

"پھر۔۔۔؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"پھر کیا؟" نولکھا بولا۔ "ڈی آئی جی صاحب نصیحتیں کرنے لگے کہ بہت خون خرابہ ہو چکا۔ اب ہم لوگ اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر دیں۔ ہماری فراہم کردہ اطلاعات کی بدولت ہمیں کچھ رعایت مل جائے گی۔"

"اور میں جانتا ہوں کہ وہ رعایت کیسی ہو گی۔" شارق نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "مجھے اب نیند آ رہی ہے چلو۔ تم لوگ بھی سو جاؤ۔"

aazzamm@yahoo.com

شارق صبح نو بجے کے قریب اٹھ گیا۔ نولکھا وغیرہ بھی جاگ گئے تھے لیکن ثمینہ ابھی تک اوپر والے کمرے میں سو رہی تھی۔ رضیہ نے شارق کے لئے ناشتہ بنا دیا اور ثمینہ کو جگانے کے لئے اوپر چلی گئی۔

"طفیل کہاں ہے۔ سو رہا ہے کیا؟" شارق نے پوچھا۔

"کہہ رہا تھا گھر میں بیٹھے بیٹھے بور ہو گیا ہوں آج کا دن باہر رہ کر رکشہ چلاتے ہوئے گزاروں گا۔" نولکھا نے جواب دیا۔

"کہیں کوئی حماقت نہ کر بیٹھے۔" شارق بولا۔

"شارق باؤ۔" نولکھا نے کہا۔ "وہ رکشہ ڈرائیور ہے۔ اس نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے۔ برا نہ مانو تو میں یہ کہوں گا کہ وہ تم سے زیادہ چالاک ہے۔ اطمینان رکھو۔ وہ کوئی حماقت نہیں کرے گا۔"

"ہاں۔ چالاک تو وہ ہے۔" شارق نے کہا۔

وہ باتیں کر رہے تھے کہ کچھ دیر بعد ثمینہ بھی اوپر سے آ گئی۔ رضیہ نے اس کے لئے بھی ناشتہ بنا دیا۔

"آؤ یار۔ تاش کی بازی ہو جائے۔ بیکار بیٹھے بیٹھے تو مجھ پر بھی بوریت طاری ہونے لگی ہے۔" نولکھا نے کہا۔

وہ لوگ ڈائننگ ٹیبل پر ہی بیٹھ گئے۔ شاہ پری کو تاش کا کوئی کھیل نہیں آتا تھا۔ نولکھا نے شارق کو اپنا ساتھی بنا لیا۔ ثمینہ اور رضیہ پارٹنر بن گئیں۔

دو بجے کے قریب ایک رکشہ دروازے کے سامنے رکا اس کے تھوڑی ہی دیر بعد کال بیل کی آواز سنائی دی۔ شاہ پری نے جا کر دروازہ کھولا۔

وہ طفیل تھا۔ اس کا چہرہ اس طرح تمتما رہا تھا جیسے بہت بڑا معرکہ سر کر کے آیا ہو۔

"کیا بات ہے بہت خوش ہو۔" شاہ پری نے پوچھا۔

"بات ہی ایسی ہے بہن شاہ پری۔" طفیل نے کہا۔ "میں نے آج حاجی کے ایک نئے ٹھکانے کا سراغ لگا لیا ہے۔ آؤ۔۔۔۔ اندر چل کر سب کے سامنے تفصیل بتاتا ہوں۔"

وہ دونوں اندر آ گئے۔ شارق وغیرہ نے تاش کے پتے پھینک دیئے۔

"تم صبح سے کہاں غائب تھے بھئی؟" شارق نے اسے گھورا۔

"بڑی گرما گرم خبر لایا ہوں شارق باؤ۔" طفیل کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "میں نے حاجی کے نئے ٹھکانے کا پتا لگا لیا ہے جہاں وہ آج کل میں منتقل ہونے والا ہے۔"

"کیا مطلب؟" شارق نے اسے گھورا۔

"شارق بھائی بات یہ ہے کہ آج میرا دل رکشہ چلانے کو چاہ رہا تھا۔ میں نے سوچا ساتھ ہی کوئی کام بھی ہو جائے۔" طفیل کہہ رہا تھا۔ "میں گیارہ بجے کے قریب فاروق کی کوٹھی کے سامنے پہنچ گیا اور رکشہ ایک درخت کے نیچے کھڑا کر کے پچھلی سیٹ پر آرام کرنے لگا۔ میں یہ سوچ کر وہاں رکا تھا کہ یہ دیکھ سکوں کہ اس کوٹھی میں کون کون لوگ آتے ہیں۔ اتفاق سے تھوڑی ہی دیر بعد کوٹھی سے دو آدمی نکلے۔ ان میں سے ایک کو میں نے پہچان لیا۔ وہ حاجی کا خاص بندہ عرفان تھا۔ اس کے ساتھی کا نام بعد میں معلوم ہوا کہ رب نواز ہے۔

انہوں نے مجھے شادی پور چلنے کو کہا۔ پہلے میں نے سوچا کہ انکار کر دوں۔ پھر انہیں رکشے پر بٹھا ہی لیا۔ شادی پور کے مین روڈ پر انہوں نے پٹھوں کی ایک دکان کے سامنے رکشہ رکوایا اور مجھے انتظار کرنے کو کہا۔

وہ بہت بڑا احاطہ ہے۔ سامنے پٹھوں کی دکان ہے اور پہلے بڑا لمبا چوڑا رقبہ ہے جہاں کئی کمرے بنے ہوئے ہیں۔ میں بھی رکشے سے اتر آیا اور نلکے سے پانی لے کر پینے لگا۔ عرفان نے دکان پر بیٹھے ہوئے آدمی کو کرامت کے نام سے مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ آج رات آٹھ بجے کے بعد اس کے ہاں پروہنے آنے والے ہیں۔ وہ ان کی رہائش اور کھانے پینے کا بندوبست کر رکھے۔ وہ لوگ کئی دن رہیں گے۔

عرفان اور رب نواز دوبارہ رکشے پر بیٹھ گئے اور مجھے باغبانپورہ چلنے کو کہا۔ میں نے انہیں باغبانپورہ میں مدینہ چوک پر چھوڑا تھا۔ ان کے اتر جانے کے بعد میں کچھ دیر گھاس منڈی کے سٹاپ پر رکا اور پھر یہاں آ گیا۔ مجھے ان کے پروگرام کا پتا چل گیا تھا۔ اس لئے میں نے ان کا پیچھا کرنے کی کوشش بھی نہیں کی۔"

"یہ تو تم نے واقعی بہت بڑا کام کیا ہے۔" طفیل کے خاموش ہونے پر شارق نے کہا۔ "اب فاروق کی کوٹھی کی طرف جانے کی ضرورت نہیں۔"

"اب لعنت بھیجو جی فاروق احمد کی کوٹھی پر۔" طفیل نے کہا۔ "اپنا مطلب پورا ہو گیا۔ اب اس طرف جانے کی کیا ضرورت ہے۔"

"رکشے میں سفر کے دوران ان کی باتوں سے کچھ اندازہ لگایا؟" شارق نے پوچھا۔

"وہ لوگ زیادہ دیر تک ایک عورت کے بارے میں باتیں کرتے رہے تھے۔" طفیل نے جواب دیا۔ "رعنا نام ہے اس کا اور میرا خیال ہے وہ فاروق احمد کی بیوی ہے۔ اس کے بارے میں عرفان کی نیت کچھ اچھی نہیں لگتی۔"

aazzamm@yahoo.com

"رکشہ کہاں سے لیا تھا اور واپس کب کرنا ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"اپنا ایک پرانا جاننے والا ہے۔ اس سے لیا تھا۔ شام آٹھ بجے تک کی بکنگ ہے۔" طفیل نے بتایا۔

"تم اسے جا کر بتا دو کہ رکشہ آج شام کو نہیں کل ملے گا۔ کل کے پیسے بھی دے دینا۔ آج شام کو میں رکشہ چلاؤں گا۔" شارق نے کہا۔

"بتا دوں گا۔ پر اس وقت تو مجھے بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے۔ کچھ کھانے کو نہیں ملے گا رضیہ بی بی۔" اس نے آخری الفاظ رضیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہے تھے۔

"کھانا تو تیار ہے۔" رضیہ کے بجائے شاہ پری نے جواب دیا۔ "یہ لوگ تاش چھوڑیں تو میں کھانا میز پر لگاؤں۔"

"چلو بھئی لگاؤ کھانا۔ ہمیں بھی بھوک لگ رہی ہے۔" نولکھا کہتے ہوئے میز پر بکھرے ہوئے پتے سمیٹنے لگا۔

کچھ ہی دیر بعد کھانا لگ گیا۔ وہ لوگ کھانا کھاتے ہوئے بھی اسی موضوع پر باتیں کرتے رہے۔

کھانا کھانے کے بعد شارق میں بیٹھے رہنے کی ہمت نہیں تھی۔ وہ رات بھر جاگا تھا۔ اپنے کمرے میں جا کر بستر پر لیٹا تو فوراً ہی سو گیا۔

اس کی آنکھ شام چھ بجے کھلی تھی۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد وہ اپنے نئے مشن پر جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ اس نے طفیل سے رکشہ اسی لئے رکھوا لیا تھا کہ وہ حاجی کے نئے اڈے کے اردگرد کا چکر لگانا چاہتا تھا۔

"نولکھا۔" وہ نولکھا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم آٹھ بجے ایس پی کے دفتر پہنچ جانا۔ آج انہوں نے ریڈ کا پروگرام بنا لیا ہو گا۔ تم مکان کی نشاندہی کرتے ہی وہاں سے کھسک لینا۔"

"فکر ہی نہ کرو شارق باؤ۔" نولکھا بولا۔ "انہیں پتا ہی نہیں چلے گا کہ نولکھا کہاں غائب ہو گیا۔"

"ٹھیک ہے۔" شارق نے کہا اور ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں جا رہا ہوں۔ واپسی میں دیر بھی ہو سکتی ہے۔"

رکشہ کوٹھی کے کمپاؤنڈ میں کھڑا تھا۔ شارق نے اس وقت رکشہ ڈرائیور جیسا ہی لباس پہن رکھا تھا۔ جس پر تیل وغیرہ کے دھبے لگے ہوئے تھے۔ اس نے انجن کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر کے ہاتھوں پر بھی موبل آئیل کے دھبے لگا لئے۔ سر پر پٹکا بندھا ہوا تھا۔

گلی سے نکل کر سڑک پر آتے ہی اسے باغبانپورہ کی دو سواریاں مل گئیں اور پھر باغبانپورہ سے داروغہ والا تک کی بھی سواری مل گئی تھی۔ اگرچہ داروغہ والا موڑ پر بھی اسے رکشے کو شادی پور کی طرف جانے والی سڑک پر موڑ دیا۔

شادی پور کے شاپ سے تقریباً ایک فرلانگ پہلے کرامت کی دکان تلاش کرنے میں اسے دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ اس وقت اندھیرا پھیل گیا تھا۔ دکان کی پیشانی پر "چودھری کرامت ہوسن پٹھہ شاپ" کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ جس پر بلب بھی جل رہا تھا۔ وہ فون نمبر دیکھ کر شارق کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی کہ حاجی نے شاید اس نئے ٹھکانے کا انتخاب اسی لئے کیا تھا کہ یہاں ٹیلی فون بھی موجود تھا۔

چودھری کرامت کی اس پٹھہ شاپ کے ساتھ ہی ایک تنگ سی گلی تھی۔ شارق نے رکشہ اسی گلی میں موڑ دیا۔ دکان کے پچھلی طرف خاصی بڑی جگہ تھی۔ گلی والی دیوار خاصی اونچی تھی جو دور تک چلی گئی تھی۔ اس کے بعد دوسرے احاطے کی حد شروع ہو جاتی تھی۔ اس احاطے میں بھی گلی کے رخ پر خراد کی تین دکانیں تھیں۔ اور اس وقت تینوں دکانیں کھلی ہوئی تھیں۔

شارق نے رکشہ واپس موڑ لیا۔ اس وقت پٹھوں سے لدی ہوئی ایک ٹریکٹر ٹرالی چودھری کرامت کی دکان کے سامنے رکی تھی اور دو آدمی پٹھوں کے گٹھے اتار کر نیچے پھینک رہے تھے۔ شارق نے رکشہ بائیں طرف گھما دیا اور تقریباً پچاس گز آگے چائے کی ایک دکان کے سامنے روک لیا اور لڑکے کو چائے کا کہہ کر رکشے کی پچھلی سیٹ پر پیر پھیلا کر بیٹھ گیا۔

اس وقت شام کے ساڑھے سات بجے تھے۔ رکشے پر بیٹھے چائے پیتے ہوئے شارق کرامت کی دکان کی طرف دیکھ رہا تھا جہاں چودھری کرامت ٹریکٹر ٹرالی سے چارے کے گٹھے اتروا رہا تھا۔

شارق جس جگہ پر موجود تھا وہاں سے ایک سڑک بجلی گھر کے علاقے کی طرف اور دوسری سرحدی گاؤں بھینی کی طرف جاتی تھی۔ اس چھوٹے سے چوک پر خاصی رونق تھی۔ بھینی کے راستے میں اور بھی بہت سے دیہات تھے۔ دن کے وقت تو تین چار بسیں اس طرف جاتی تھیں لیکن شام کے بعد ان بسوں کی تعداد کم ہو جاتی تھی۔ اس وقت بھینی کی طرف جانے والی بس کافی دیر سے نہیں آئی تھی۔ موڑ پر لوگ جمع تھے۔ کچھ لوگ شارق کے پاس بھی آئے تھے اور اسے بھینی یا راستے کے کسی اور گاؤں چلنے کو کہا تھا لیکن شارق نے رکشہ ڈرائیوروں کے مخصوص انداز میں نفی میں سر ہلا دیا تھا۔ دوسرے رکشہ والوں نے بھی جانے سے انکار ہی کیا تھا۔ شام کے بعد کوئی بھی رکشہ یا تانگے والا اس طرف نہیں جاتا تھا۔

چائے پینے کے بعد بھی شارق رکشے پر اس طرح ٹانگیں پسارے بیٹھا رہا جیسے بہت تھکا ہوا

aazzamm@yahoo.com

ہو۔

نو بجنے والے تھے۔ ٹریکٹر ٹرالی جا چکی تھی۔ چودھری کرامت دکان پر ہی موجود تھا۔ اس کے ساتھ ایک نو عمر لڑکا بھی تھا جو گاہکوں کو پٹھے تول تول کر دے رہا تھا۔

سوا نو بجے کے قریب ایک پجیرو دکان کے سامنے رکی۔ چودھری کرامت فوراً ہی پجیرو کے پاس آ گیا۔ پجیرو سے تین آدمی اترے تھے۔ ان میں سے دو کو شارق نے پہچان لیا۔ ایک حاجی عبداللہ تھا دوسرا اس کا پرانا باڈی گارڈ دلاور۔ تیسرے کو وہ نہیں پہچان سکا تھا۔ وہ تینوں پجیرو سے اتر کر فوراً ہی چارے کے گٹھوں کے درمیان ہوتے ہوئے دکان میں سے گزرتے ہوئے پچھلے حصے کی طرف چلے گئے۔ چودھری کرامت بھی ان کے ساتھ اندر چلا گیا تھا۔ پجیرو یو ٹرن لیتی ہوئی واپس چلی گئی تھی۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد چودھری کرامت دوبارہ باہر آ گیا۔ اس نے ملازم لڑکے سے کچھ کہا اور وہ اپنا کام چھوڑ کر مخالف سمت میں دکانوں کی طرف چلا گیا۔

شارق نے رکشہ سٹارٹ کیا اور اسے ہلکی رفتار سے چلاتے ہوئے چودھری کرامت کی دکان کے سامنے روک لیا اور انجن چلتا چھوڑ کر نیچے اتر آیا۔

"دو کلو لوسن دیدو چودھری جی۔" وہ پیسے نکالنے کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے بولا۔

"دو کلو کیا کرنے ہیں جوان۔ روٹی کے سات کھانے ہیں۔" چودھری کرامت نے گویا مذاق کیا تھا۔

"یہ بھی بہت ہیں چودھری جی۔ میری بکری اتنے میں گزارہ کر لیتی ہے۔" شارق نے جواب دیا۔

کرامت نے دو کلو پٹھے تول دیئے۔ شارق پیسے دیتے ہوئے بولا۔

"ایک ضروری ٹیلی فون کرنا ہے چودھری جی۔ پیسے لے لینا۔"

"ٹیلی فون اندر رکھا ہوا ہے اور میرے پروہنے آ گئے ہیں۔ تم سراج کے ہوٹل سے ٹیلی فون کر لو۔" چودھری نے کہا۔

شارق نے خریدے ہوئے پٹھے رکشے کی پچھلی سیٹ پر رکھ دیئے اور رکشہ سٹارٹ کرتے ہوئے وہاں سے روانہ ہو گیا۔ تقریباً پندرہ بیس منٹ بعد اس نے باغبانپورہ میں ایک پی سی او کے سامنے رکشا روکا اور اتر کر اندر داخل ہو گیا۔ اس پی سی او میں کئی ٹیلی فون تھے۔ دو پر لوگ بات کر رہے تھے۔ شارق نے کاؤنٹر پر رکھے ہوئے تیسرے فون کا ریسیور اٹھا لیا اور چودھری کرامت والا نمبر ڈائل کر کے ٹیلی فون سیٹ سرکاتا ہوا کاؤنٹر کے آخری سرے پر چلا گیا۔ لائن ملنے میں

زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔

"ہیلو۔" دوسری طرف ایک مردانہ آواز سنائی دی۔

"اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو تم دلاور بول رہے ہو۔" شارق نے دھیمی آواز میں کہا۔ "حاجی سے بات کراؤ۔"

"تم کون بول رہے ہو۔" دوری طرف سے چونکتے ہوئے لہجے میں پوچھا گیا۔

"میں حاجی کا پرانا دوست شارق بول رہا ہوں۔" شارق نے جواب دیا۔ "اسے صرف اتنا بتا دو کہ میں نے اس کے اس نئے ٹھکانے کا پتا چلا لیا ہے حالانکہ اسے یہاں آئے ہوئے آدھے گھنٹے سے زیادہ نہیں ہوا ہو گا۔ اسے بتا دو کہ وہ میری نظروں سے چھپ کر کہیں نہیں جا سکتا۔ میں دوبارہ بات کروں گا۔"

شارق نے فون بند کر دیا۔ وہ جیب سے پانچ روپے کا نوٹ نکال کر کاؤنٹر پر رکھتے ہوئے باہر آ گیا۔

رکشہ سٹارٹ کرتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ حاجی کو اس کے فون کی اطلاع ملی ہو گی تو وہ ناچ کر رہ گیا ہو گا۔

اس کے بعد شارق کہیں نہیں رکا۔ حق نواز روڈ سے ہوتا ہوا گھر واپس آ گیا۔ اس وقت سوا دس بج رہے تھے۔

"تو لکھا گیا؟" اس نے ثمینہ سے سامنا ہوتے ہی پوچھا۔

"وہ تو ساڑھے سات بجے ہی چلا گیا تھا۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"طفیل۔ تم رکشہ واپس کر آؤ۔ اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔ اگر ضرورت پڑی تو دوبارہ لے آئیں گے۔" شارق بولا۔

"رکشہ تو واپس کر آؤں لیکن وہ پٹھے کس کے کیلئے لائے ہو شارق باؤ۔" طفیل نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"مل کر تھوڑے تھوڑے کھا لیں گے یار۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"پٹھے کھاؤ گے؟" ثمینہ نے اسے گھورا۔

شارق نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا پھر اسے بتانے لگا کہ پٹھے اس نے کیوں خریدے تھے۔

"تم اتنا قریب چلے گئے تھے۔" ثمینہ بولی۔ "اگر تمہیں پہچان لیا جاتا تو زندہ واپس نہ آتے۔"

"پہچان لیا جاتا تب نا۔" شارق مسکرایا۔ "ویسے شارق ترنوالہ نہیں ہے۔ تم جانتی ہو کہ مجھ

aazzamm@yahoo.com

پر ہاتھ ڈالنا آسان نہیں۔"

"لیکن پھر بھی احتیاط کا دامن تو ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہئے۔" ثمینہ نے کہا۔

"اچھا شارق باؤ۔ میں تو رکشہ واپس کرنے جا رہا ہوں۔" طفیل کہتے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔

شارق اٹھ کر ٹیلی فون کے قریب آ گیا۔ اس نے ریسیور اٹھا لیا اور چودھری کرامت والا نمبر ملانے لگا۔ اس مرتبہ بھی لائن ملنے میں دیر نہیں لگی تھی۔ کال چودھری کرامت نے ریسیو کی تھی۔

"حاجی عبداللہ کو فون دو۔ میں اس کا دوست شارق بول رہا ہوں۔" شارق نے کہا۔

چند لمحے خاموشی رہی پھر حاجی عبد اللہ کی چنگھاڑتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"تم۔۔۔۔۔ تم حرام زادے۔۔۔۔۔"

"چیخو مت پاجی۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تم نے دیکھ لیا میں موت کے سائے کی طرح تمہارے پیچھے لگا ہوا ہوں۔ تمہیں اسی طرح سہما سہما کر مار ڈالوں گا۔"

"تم میرے ہاتھ لگ جاؤ تو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" حاجی چیخا۔

"مجھے تلاش کرنے کی کوشش کرو تو تمہارے ہاتھ لگوں گا نا۔" شارق نے کہا۔ "تم تو بزدلوں کی طرح چھپتے پھر رہے ہو اور میں سائے کی طرح تمہارے پیچھے لگا ہوا ہوں۔ جب تم پجیرو سے چودھری کرامت کی دکان کے سامنے اتر رہے تھے تو میں اس وقت چند گز کے فاصلہ پر تھا۔ تم کہیں بھی چھپ جاؤ میری نظروں سے اوجھل نہیں رہ سکو گے۔ ویسے تمہارے لئے میری ایک پیشکش ہے۔"

"بکو۔ کیا کہنا چاہتے ہو۔" حاجی دھاڑا۔

"اگر تم اپنے آپ کو سرنڈر کر دو تو میں تمہارا پیچھا چھوڑ دوں گا۔" شارق بولا۔

"بند کرو یہ بکواس۔" حاجی چیخا۔ "سرنڈر میں نہیں تم کرو گے۔ میں تمہیں کتے کی طرح اپنے پیر چاٹنے پر مجبور کر دوں گا۔"

"یہ تو وقت بتائے گا کہ کون کس کے پیر چاٹتا ہے۔ ویسے میرا وعدہ ہے کہ تمہارے کسی بھی خفیہ ٹھکانے کے بارے میں پولیس کو نہیں بتاؤں گا۔ تم سے جب بھی مقابلہ ہو گا براہ راست ہو گا۔ اور ہاں۔ میں نے کہا تھا کہ آج تمہیں ایک خوشخبری سناؤں گا۔ لیکن اب وہ خوشخبری آج نہیں کل سناؤں گا۔ میرے فون کا انتظار کرنا۔"

جواب میں حاجی نے کچھ کہنا چاہا مگر شارق نے فون بند کر دیا اور ثمینہ وغیرہ کو حاجی سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتانے لگا۔ پھر رضیہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"میرا خیال ہے تم لوگ کھانا کھا چکے ہو۔ مجھے تو بڑی زور کی بھوک لگ رہی ہے۔"

"میں ابھی تمہارے لئے کھانا نکالتی ہوں۔" رضیہ کہتے ہوئے کچن میں گھس گئی۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد شارق بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔

"دو بجے کے قریب نولکھا پہنچ گیا۔

"ہو گیا کام شارق باؤ۔" اس نے آتے ہی کہا۔ "پولیس نے رات گیارہ بجے ریڈ کیا تھا۔ بڑے بڑے افسران بھی موجود تھے۔ بڑا اسلحہ نکلا ہے بھئی وہاں سے۔ یہ سارا روسی اسلحہ ہے جو افغانستان سے لایا گیا تھا۔ پستولیں' کلاشنکوف' رائفلیں' لاکھوں کی تعداد میں گولیاں' راکٹ اور نجانے کیا کچھ بھرا ہوا تھا۔ اس گودام میں۔ وہ سب کچھ اب پولیس کی تحویل میں ہے۔ سنا تھا کہ وزیر اور چیف منسٹر بھی اس اسلحہ کے معائنے کے لئے وہاں آنے والے ہیں۔ لیکن میں تو خاموشی سے کھسک لیا۔ وہ لوگ مجھے تلاش کرتے رہے ہوں گے کہ نولکھا کدھر گیا۔"

"کوئی گڑبڑ تو نہیں ہوئی تھی۔ میرا مطلب ہے مقابلہ وغیرہ؟" شارق نے پوچھا۔

"وہاں چار آدمی تھے۔ انہوں نے مقابلے کی کوشش کی تھی۔ پولیس کی جوابی فائرنگ سے ایک مارا گیا اور باقی تین نے ہتھیار ڈال دیئے۔ بڑے منظم طریقہ سے چھاپہ مارا گیا تھا۔ ویسے ایک بات ہے شارق باؤ۔ اگر پولیس والے ٹھیک سے کام کریں نا تو کوئی بھی شخص جرم کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔"

"ٹھیک ہے کام کرنے کا ہی تو سارا مسئلہ ہے۔" شارق گہرا سانس لیتے ہوئے بولا۔ "پولیس کے ٹھیک سے کام کرنے کی روایت ہوتی تو آج میں اور تم بھی جرائم کی دلدل میں نہ پھنسے ہوتے۔" وہ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "میرا خیال ہے حاجی کو یہ خوشخبری اسی وقت سنا دینی چاہئے۔"

"ہاں۔ لیکن یہ خوشخبری میں سناؤں گی۔" ثمینہ نے کہتے ہوئے فون اپنی طرف سرکا لیا اور شارق سے معلوم کر کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔

تیسری گھنٹی پر کال ریسیو کی گئی تھی۔

"ہیلو۔" ایک خوابیدہ سی آواز سنائی دی۔

"حاجی کو فون دو۔" ثمینہ نے خشک لہجے میں کہا۔

"کون بدتمیز ہو تم۔ حاجی جی سو رہے ہیں۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"اس سے کہو ثمینہ بات کر رہی ہے۔ میرا نام سنتے ہی اس کی نیند اڑ جائے گی۔" ثمینہ نے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

"ثمینہ۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ "ہولڈ کرو۔"

اور پھر تقریباً" دو منٹ بعد حاجی کی آواز سنائی دی۔ مگر ثمینہ نے اسے کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر بولنا شروع کر دیا۔

"حیرت کی بات ہے کہ ان حالات میں بھی تم آرام سے سو رہے ہو۔ شارق نے تم سے کہا تھا کہ وہ کل صبح تمہیں خوشخبری سنائے گا۔ میں نے سوچا کہ تمہیں صبح تک انتظار میں رکھنے کے بجائے کیوں نہ ابھی وہ خوشخبری سنا دی جائے۔"

"بکتی رہو۔ میں سن رہا ہوں۔" حاجی کی غراہٹ سنائی دی۔

"وہ جو تمہارا اسلحہ کا ڈپو ہے نا نمبر مارکیٹ والا۔" ثمینہ نے کہا۔ "وہ اب پولیس کی تحویل میں ہے۔ تمہارا ایک آدمی مارا گیا ہے۔ تین نے اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دیا ہے اور اسلحہ پر پولیس کا قبضہ ہے۔ ہے نا تمہارے لئے خوشی کی بات؟"

"کیا بکتی ہو تم؟" حاجی کے دھاڑنے کی آواز سنائی دی۔

"اگر میری بات کا یقین نہ ہو تو اپنے کسی آدمی کو فون کر کے تصدیق کر لو۔ بس اس وقت میں نے تمہیں یہی بتانا تھا۔ اگلی گفتگو تک اللہ حافظ۔"

حاجی دوسری طرف سے کچھ کہہ رہا تھا مگر ثمینہ نے فون بند کر دیا اور شارق وغیرہ کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولی۔

"حاجی اس وقت اپنے بال نوچ رہا ہو گا۔ اسے اب رات بھر نیند نہیں آئے گی۔ مگر ہم اپنی نیند کیوں خراب کریں۔ میں تو سونے جا رہی ہوں۔" وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ شاہ پری بھی اس کے ساتھ ہی آ گئی تھی وہ دونوں عام طور پر ایک ہی کمرے میں سوتی تھیں۔

شارق ہال کمرے میں ہی صوفے پر دراز ہو گیا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ بھی سو چکا تھا۔

شارق کی آنکھ صبح سات بجے کھل گئی۔ رضیہ کے علاوہ سب لوگ سو رہے تھے اور رضیہ بھی سامنے والے صوفے پر بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھی۔

"آج تو پورا اخبار سنسنی خیز خبروں سے بھرا ہوا ہے۔" وہ شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "لو۔ تم اخبار دیکھو۔ میں تمہارے لئے چائے بنا کر لاتی ہوں۔"

شارق نے اخبار لے لیا۔ ہیڈ لائن حاجی کے اسلحہ ڈپو کے بارے میں تھی۔ اس کے علاوہ اور خبریں چار چار کالمی سرخیوں کے ساتھ شائع ہوئی تھیں۔

ایک خبر گلبرگ میں گندے نالے میں دریافت ہونے والی تین لاشوں کے بارے میں تھی۔ ان میں صرف اللہ دتہ نامی ایک شخص کی شناخت ہوئی تھی۔ وہ حاجی عبداللہ کا ملازم تھا۔

دوسری خبر شہر کے ایک رئیس فاروق احمد کی بیوی رعنا کے بہیمانہ قتل سے متعلق تھی۔ جسے آبروریزی کے بعد چاقو کے پے در پے وار کر کے بڑی بے رحمی سے قتل کیا گیا تھا۔

ان تین بڑی خبروں کے علاوہ فرنٹ پیج کی ساری خبریں حاجی عبداللہ سے متعلق تھیں۔

رضیہ چائے بنا کر لے آئی۔ شارق چائے پیتے ہوئے خبریں پڑھتا رہا۔ اس وقت وہ رعنا کے قتل کی خبر پڑھ رہا تھا۔ رعنا کے قتل کی اطلاع اس کے شوہر فاروق احمد نے پولیس کو دی تھی۔ جسے بعد میں پولیس نے حراست میں لے لیا تھا۔

فاروق احمد نے پولیس کو جو بیان دیا تھا اس کے مطابق حاجی عبداللہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس کی کوٹھی پر آ گیا اور بتایا کہ وہ چند روز یہاں رہے گا۔ حاجی نے یہ دھمکی دی تھی کہ اگر کسی کو ان کی موجودگی کے بارے میں بتایا گیا تو ان دونوں میاں بیوی کو قتل کر دیا جائے گا۔

اس دوران حاجی عبداللہ اپنے تین کارندوں کو باندھ کر لایا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ بند روڈ والے ہیروئن کے اڈے کی تباہی ان کی غفلت کا نتیجہ تھی۔ وہ پہلے ان تینوں پر تہہ خانے میں تشدد کرتے رہے پھر انہیں قتل کر کے لاشیں کوٹھی کے عقبی گندے نالے میں پھینک دیں۔

گزشتہ رات آٹھ بجے حاجی اور اس کے ساتھی انہیں زبان بند رکھنے کی دھمکی دے کر چلے گئے تھے۔ فاروق بھی اپنے ملازم پری چہرہ کے ساتھ کسی کام سے چلا گیا اور تقریباً" ڈیڑھ گھنٹے بعد واپس آیا تو کمرے میں بیڈ پر اس کی بیوی رعنا کی لاش پڑی تھی۔ ایک چاقو دستے تک اس کے سینے میں پیوست تھا۔ الماری کھلی ہوئی تھی اور سارا سامان بکھرا ہوا تھا۔ قاتل نقد رقم، انعامی بانڈز اور لاکھوں روپے کے زیورات لے گیا تھا۔

فاروق نے اپنے بیان میں یہ بھی بتایا تھا کہ قاتل نے بڑے اطمینان سے اپنا مشن پورا کیا تھا۔ اور اپنے خون آلود کپڑے اتار کر الماری میں سے اس کے کپڑے نکال کر پہن گیا تھا۔ اس نے قاتل کے کپڑے شناخت کر لئے تھے۔ اس کے کہنے کے مطابق حاجی عبداللہ کا ایک باڈی گارڈ عرفان اس روز یہی کپڑے پہنے ہوئے تھا۔

اخبار حاجی کے حوالے سے خبروں سے بھرا ہوا تھا۔ ان تمام حالات و واقعات سے پولیس نے جو نتیجہ اخذ کیا وہ یہ تھا کہ فاروق احمد حاجی عبداللہ کا ایجنٹ تھا اور اس نے بخوشی حاجی عبداللہ کو اپنے گھر میں پناہ دی تھی۔ کیونکہ اس دوران وہ خود اس کی بیوی اور ملازم پری چہرہ آبادی سے باہر آتے جاتے تھے۔ ایک دو موقع پر تو وہ تینوں ہی اکٹھے گھر سے باہر گئے تھے۔ اگر حاجی عبداللہ نے انہیں کوئی دھمکی دی ہوتی تو وہ ایسے موقع سے فائدہ اٹھا کر پولیس کو اطلاع دے سکتے تھے۔

لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ انہوں نے حاجی اور اس کے

aazzamm@yahoo.com

ساتھیوں کو بخوشی اپنے گھر میں پناہ دی تھی۔ بہرحال پولیس نے فاروق احمد اور اس کے ملازم پری چہرہ کو شریکِ جرم قرار دے کر حراست میں لے لیا تھا۔

○

رات سوا دو بجے کے قریب ثمینہ سے ٹیلی فون پر بات ہونے کے بعد حاجی عبداللہ واقعی ناچ اٹھا تھا۔ نمبر مارکیٹ میں اس کا اسلحہ کا بہت بڑا گودام تھا۔ نمبر مارکیٹ کے پچھلی طرف وہ مکان آٹھ کمروں پر مشتمل تھا اور ہر کمرے میں اسلحہ کی پیٹیاں بھری ہوئی تھیں۔ پہلے یہ مکان ہیروئن کے اڈے کے طور پر استعمال ہوتا تھا لیکن پھر اسے اسلحہ کے ڈپو میں تبدیل کر دیا گیا۔ کچھ عرصہ پہلے تک تو یہ ہوتا رہا تھا کہ جب کسی گاہک کو اسلحہ کی ضرورت ہوتی تو اس سے رقم وصول کر کے ڈپو کے نگران کے نام پرچی لکھ دی جاتی اور اسے فون پر بھی اطلاع دے دی جاتی۔ وہ گاہک رات کے اندھیرے میں وہاں جا کر اپنی مطلوبہ چیز حاصل کر لیتا۔ پرچی صرف ان گاہکوں کو دی جاتی جو قابلِ اعتماد ہوتے۔

تین مہینے پہلے حاجی کو اسلحہ کی ایک بہت بڑی کھیپ بہت کم قیمت پر مل گئی تھی۔ جس میں راکٹ' لائٹ مشین گنیں' ہینڈ گرنیڈ' رائفلیں' پستول اور لاکھوں کی تعداد میں گولیاں شامل تھیں۔ یہ سارا مال حاجی نے اس ڈپو کے لئے رکھوایا تھا اور یہ ڈپو دوسروں کے لئے بند کر دیا گیا تھا۔

حاجی کے صرف چند ہی ایسے آدمی تھے جنہیں اس ڈپو کے بارے میں معلوم تھا۔ ان میں سے بھی بیشتر کو بتا دیا گیا تھا کہ وہ ڈپو بند کر دیا گیا ہے۔ اب کوئی ادھر کا رخ نہ کرے۔ یہ نئی کھیپ اس ڈپو میں لانے کے بعد تو سب لوگوں کو سختی سے اس طرف جانے سے منع کر دیا گیا تھا۔

چار محافظ چوبیس گھنٹے اسلحہ کی حفاظت کے لئے وہاں موجود رہتے تھے۔ ان کے علاوہ صرف دو آدمی ایسے تھے جنہیں ڈپو میں اسلحہ کے اس انبار کے بارے معلوم تھا۔ ان میں ایک مقصود تھا اور دوسرا عرفان۔

اسلحہ کی یہ کھیپ تقریباً" دو مہینے سے اس گودام میں پڑی تھی۔ حاجی کسی ایسی پارٹی کی تلاش میں تھا جس سے پوری کھیپ کا سودا ہو سکے۔ لیکن ابھی تک اسے ایسی کوئی پارٹی نہیں ملی تھی۔ چھوٹے گاہک تو بہت تھے لیکن حاجی اس کھیپ کو ٹکڑوں میں نہیں بیچنا چاہتا تھا۔

اور پھر شارق سے کھٹ پٹ شروع ہو گئی۔ شارق نے اسے تباہی کے دہانے پر پہنچا دیا تھا۔ اگر کوئی اور ہوتا تو اب تک خودکشی کر چکا ہوتا۔ لیکن کروڑوں ڈالر کا نقصان ہونے کے باوجود حاجی ابھی تک ڈٹا ہوا تھا۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ بینکوں میں مختلف ناموں سے اس کا خطیر سرمایہ موجود تھا۔ بیرونِ ممالک میں بھی اس کے کروڑوں ڈالر موجود تھے۔ اسے امید تھی کہ شارق سے

نمٹنے کے بعد وہ معاملات سنبھال لے گا۔ اسے پولیس سے زیادہ خوف نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ پیسے میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ آج جو پولیس آفیسر اس کی گرفتاری کے لئے ہتھکڑیاں لئے پھرتے ہیں کل وہ اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوں گے۔

حاجی کو سب سے زیادہ خوف شارق اور ثمینہ سے تھا جو اسے پے در پے نقصان پہنچا رہے تھے اور وہ ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکا تھا اور دراصل شارق اور ثمینہ ہی کی وجہ سے پولیس بھی اس کے پیچھے لگی تھی۔ ان دونوں کا قصہ تمام ہو جائے تو پولیس سے پیچھا چھڑانا زیادہ مشکل نہیں ہو گا۔

اس وقت فون پر ثمینہ کی باتوں نے حاجی کے تن بدن میں آگ لگا دی تھی۔ اس کا خون کھول رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ اپنی ہی بوٹیاں نوچ ڈالے۔

عرفان اور دلاور حاجی کے کمرے کے باہر برآمدے میں سو رہے تھے۔ حاجی کی آواز سن کر وہ بھی اٹھ گئے تھے اور پھر چند سیکنڈ بعد ہی انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ صورتحال کیا تھی۔

"اوئے عرفان۔۔۔۔" حاجی غراتے ہوئے بولا۔ "مقصود کا نمبر ملاؤ۔ جلدی کرو۔"

"حاجی جی۔ ہو سکتا ہے ثمینہ اور شارق نے آپ کو پریشان کرنے کے لئے فون پر یہ جھوٹی اطلاع دی ہو۔" عرفان نے کہا۔

"اوئے وہ جھوٹ نہیں بولتے۔" حاجی چیخا۔ "جو کچھ کہتے ہیں کر دکھاتے ہیں۔ ایک تم لوگ ہو نامرد۔۔۔۔ آج تک ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔ نمبر ملاؤ مقصود کا۔۔۔۔"

عرفان نے فون کا ریسیور اٹھا لیا اور مقصود کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ کال کافی دیر بعد ریسیو کی گئی تھی۔ مقصود کی آواز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ گہری نیند سے بیدار ہوا ہے۔

"مقصود صاحب۔ میں عرفان بول رہا ہوں۔ حاجی صاحب سے بات کرو۔" عرفان نے کہا اور پھر ریسیور حاجی کی طرف بڑھا دیا۔

"اوئے مقصود۔" حاجی ماؤتھ پیس میں غرایا۔ "تم گھر میں پڑے آرام سے سو رہے ہو۔ کچھ معلوم ہے کیا ہو گیا ہے۔"

"کیا ہو گیا ہے حاجی صاحب۔" مقصود نے پوچھا۔

"نمبر مارکیٹ والے گودام پر پولیس نے چھاپہ مارا ہے۔ جا کر معلوم کرو اس خبر میں کہاں تک صداقت ہے۔ مجھے فوراً" اطلاع دینا۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔" حاجی نے جواب کا انتظار کئے بغیر فون بند کر دیا اور زخمی شیر کی طرح کمرے میں ٹہلنے لگا۔

چودھری کرامت بھی کمرے میں کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ وہ حاجی

aazzamm@yahoo.com

کا پرانا ساتھی تھا۔ یہ بہت عرصے پہلے کی بات تھی۔ اس وقت حاجی عبد اللہ اتنا اوپر نہیں گیا تھا۔ چھوٹے چھوٹے لوگوں کے ساتھ مل کر ہیروئن کا کاروبار کیا کرتا تھا اور یہ کام بہت چھوٹے پیمانے پر تھا۔ ان دنوں چودھری کرامت بھی اس کے کاروبار میں شریک تھا۔

وہ دراصل پانچ چھ پارٹنر تھے۔ جو باری باری پشاور اور قبائلی علاقوں سے چوری چھپے تھوڑی تھوڑی ہیروئن لا کر حاجی کے حوالے کر دیتے اور حاجی انہیں ایسے لوگوں کو فروخت کر دیتا جو بڑے گروہوں کے لئے کام کرتے تھے۔

سارا کنٹرول حاجی کے ہاتھ میں تھا۔ بڑے سمگلروں سے بھی اس کے رابطے تھے۔ حاجی ایسے لوگوں سے اپنے تعلقات بڑھاتا گیا جو بعد میں اس کے بہت کام آئے۔ نئے لوگوں سے تعلقات استوار ہونے کے بعد حاجی اپنے پرانے ساتھیوں سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔ ایک ساتھی نے جب آنکھیں دکھانے کی کوشش کی تو حاجی نے اسے گولی مار کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔ دوسرے خود ہی آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے گئے۔

چودھری کرامت واحد آدمی تھا جس پر حاجی کو سب سے زیادہ اعتماد تھا اور سب سے زیادہ فائدہ بھی کرامت ہی نے اٹھایا تھا۔ اس نے ہیروئن کی کمائی سے بھینی کے قریب ڈیڑھ مربعہ زرعی زمین خرید لی۔ ایک اور جگہ زمین خرید کر اس نے اینٹوں کا بھٹہ لگا دیا۔ یہ چارے لوسن کی چھوٹی سی دکان بہت پرانی تھی۔ اس کو وہ آڑ کے طور پر استعمال کرتا تھا۔ پیسہ ہاتھ آیا تو اس نے آس پاس کے چار پانچ مکان خرید کر انہیں اپنے مکان میں شامل کر لیا۔ اس نے ساری تعمیر نئے سرے سے کرائی تھی۔ سامنے سڑک کے رخ پر تو دکان ہی رکھی تھی۔ پچھلی طرف بہت بڑا کمپاؤنڈ تھا اور اس کے پیچھے کئی کمروں پر مشتمل مکان تھا۔

بہت عرصہ پہلے وہ حاجی کے بزنس سے الگ ہو چکا تھا۔ لیکن ان میں تعلقات اب بھی تھے۔ کبھی کبھار ان میں ملاقات ہو جایا کرتی تھی۔ کرامت یہ بھی جانتا تھا کہ کچھ عرصہ سے حاجی عتاب کا شکار تھا۔ ایک طرف پولیس اس کے پیچھے لگی ہوئی تھی اور دوسری طرف شارق اور ثمینہ نے اس کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔

کرامت شارق اور ثمینہ کو نہیں جانتا تھا۔ وہ اس کے بہت بعد حاجی کے گروہ میں آئے تھے۔ انہوں نے حاجی کے لئے بہت کام کیا تھا اور حاجی کو نقصان بھی بہت پہنچایا تھا۔

حاجی سے کرامت کی آخری ملاقات دو مہینے پہلے ہوئی تھی۔ اس وقت شارق اور حاجی کے جھگڑوں کی ابتداء ہوئی تھی۔ حاجی نے اس وقت کہا تھا کہ شارق جیسا آدمی اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ وہ کسی بھی وقت اسے چیونٹی کی طرح مسل سکتا ہے۔ لیکن وہ چیونٹی کو نہیں

مسل سکا اور شارق اسے تباہی کی طرف دھکیلتا رہا۔

آج صبح عرفان اس کے پاس آیا تھا اور اسے پیغام دے گیا تھا کہ حاجی اس کے پاس آنے والا ہے۔ وہ چند روز یہاں رہے گا۔ کرامت انکار تو نہیں کر سکا تھا۔ اس کے کچھ راز اب بھی حاجی کے قبضے میں تھے۔ اگر حاجی اس کی مخالفت پر اتر آتا تو اسے تباہ کر سکتا تھا۔

چودھری کرامت کو پیغام ملنے کے تھوڑی ہی دیر بعد اس نے بیوی بچوں کو گاؤں بھیج دیا۔ اس نے اپنے ایک ملازم کو بھی گاؤں بھیج دیا تھا۔ وہ ملازم قابل اعتماد نہیں تھا۔ بہت بڑبولا تھا۔ اس کی موجودگی میں یہ اندیشہ رہتا کہ وہ کسی نہ کسی کو حاجی وغیرہ کے بارے میں بتا دے گا۔ اس لئے کرامت نے اسے گاؤں بھیج دیا تھا۔ صرف ایک لڑکے کو یہاں رکھا تھا جو حاجی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔

حاجی اگرچہ بہت خفیہ طریقے سے یہاں آیا تھا لیکن اس کے آدھے گھنٹے بعد شارق نے حاجی کو فون کیا تھا۔ اسے حیرت بھی ہوئی تھی کہ شارق کو یہاں حاجی کی موجودگی کا پتا کیسے چل گیا تھا اور اب رات کے پچھلے پہر ثمینہ نے فون کر کے حاجی کو ایک اور خبر سنائی تھی جس پر حاجی بھڑک اٹھا تھا۔

چودھری کرامت نے حاجی کو اپنے گھر میں پناہ تو دے دی تھی لیکن اب وہ خوفزدہ تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ اگر شارق نے پولیس کو حاجی کے بارے میں بتا دیا تو پولیس یہاں ہلہ بولنے میں زیادہ دیر نہیں لگائے گی۔ حاجی تو ڈوب ہی رہا تھا لیکن اسے بھی اپنے ساتھ لے ڈوبے گا۔

"اوئے تمہاری جان کیوں نکلی جا رہی ہے۔" حاجی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "شارق کی دشمنی مجھ سے ہے۔ وہ مجھے ہی تباہ کرنے پر تلا ہوا ہے۔ تمہیں وہ کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

"مگر حاجی صاحب۔ اگر اس نے پولیس کو یہاں آپ کی موجودگی کی اطلاع دے دی تو؟" چودھری کرامت بولا۔

"ایسا نہیں ہو گا۔" حاجی نے کہا۔ "اچھا جاؤ۔ تم چائے بنا کر لاؤ۔ تم نے بچوں کو بھی یہاں سے بھیج دیا ہے۔ سارے کام تمہیں خود ہی کرنے پڑیں گے۔"

"کام کی تو کوئی پرواہ نہیں حاجی صاحب۔" کرامت بولا۔ "اچھا میں چائے بنا کر لاتا ہوں۔" وہ کمرے سے نکل کر کچن کی طرف چلا گیا۔ ساڑھے تین بجے کے قریب فون کی گھنٹی بجی۔ حاجی نے لپک کر ریسیور اٹھا لیا۔ مقصود کی کال تھی۔

"خبر درست ہے حاجی صاحب۔" مقصود نے بتایا۔ "وہ گودام پولیس کے قبضے میں ہے۔

aazzamm@yahoo.com

سینکڑوں پولیس والوں نے اس علاقے کو گھیرے میں لے رکھا ہے۔"

"پولیس کو اس گودام کے بارے میں خبر شارق نے دی تھی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس گودام کے بارے میں شارق کو کیسے پتہ چلا۔" حاجی نے کہا۔

"شارق جس طرح کام کر رہا ہے اس کا اندازہ آپ کو ہو چکا ہے حاجی صاحب۔ لگتا ہے ہمارا کوئی بھی اڈا اس کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہے۔ بڑے بڑے اڈے تو وہ تباہ کر چکا ہے اب ایک ہی اڈا بچا ہے جہاں ہیروئن اور اسلحہ کی ایک بڑی کھیپ موجود ہے۔ اگر وہ اڈا بھی شارق کی نظروں میں آ گیا تو ہم مکمل طور پر تباہ ہو جائیں گے۔" مقصود نے کہا۔

"اپنے سارے آدمی اس اڈے کی حفاظت پر لگا دو۔" حاجی نے کہا۔ "اگر اس اڈے کا راز فاش ہوا تو میں کسی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا اور نمبر مارکیٹ والے اڈے پر پولیس کے ہاتھ کون کون آیا۔"

"اکو مارا گیا ہے۔ رحمت' بلا اور بکا پولیس کے ہتھے چڑھ گئے ہیں اور ظاہر ہے پولیس ان سے کچھ معلوم کرنے کی کوشش کرے گی۔" مقصود نے بتایا۔

"ختم کر دو انہیں۔" حاجی چیخا۔ "جیسے بھی ہو انہیں ختم کر دو۔"

"یہ ممکن نہیں ہے حاجی صاحب۔" مقصود نے جواب دیا۔ "یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ وہ گودام آپ کا تھا۔ پولیس اب ان سے یہی معلوم کرنے کی کوشش کرے گی کہ دوسرے اڈے کہاں ہیں۔ یا آپ کے بارے میں اور آپ کے قریبی ساتھیوں کے بارے میں معلوم کرنے کی کوشش کرے گی۔ آپ کے بارے میں وہ نہیں بتا سکتے کہ آپ کہاں ہیں۔ میرے بارے میں جانتے ہیں اور میں نے خود بھی اپنا ٹھکانہ بدل لیا ہے۔ میں اس وقت لنڈا بازار والے مکان میں ہوں اور وہیں سے آپ کو فون کر رہا ہوں۔"

"اور یہاں بھی ہیروئن رکھی ہوئی ہے۔" حاجی بولا۔

"جی ہاں۔ دس بارہ بوریاں ہیں۔ تھوڑا بہت اسلحہ بھی ہے اور میرے خیال میں یہ اڈا فی الحال سب سے زیادہ محفوظ ہے۔" مقصود نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ میں بعد میں تم سے رابطہ کروں گا۔" حاجی نے کہہ کر فون بند کر دیا۔

چودھری کرامت چائے بنا کر لے آیا تھا۔ چائے پیتے ہوئے بھی وہ لوگ اس موضوع پر تبادلہ خیال کرتے رہے کہ شارق ان کے بارے میں معلومات کیسے حاصل کر لیتا ہے۔

تقریباً" چار بجے کے قریب عرفان وغیرہ باہر آ کر اپنی چارپائیوں پر لیٹ گئے۔ حاجی کمرے میں کبھی بستر پر لیٹ کر کروٹیں بدلنے لگتا اور کبھی اٹھ کر ٹہلنے لگتا۔ شارق اس پر پے در پے وار کر رہا تھا اور وہ اب تک شارق اور ثمینہ کا سراغ تک نہیں لگا سکا تھا۔ شارق اسے سنبھلنے کا موقع ہی نہیں دے رہا تھا۔ کسی جگہ پر بھی وہ چار دن سے زیادہ نہیں ٹک سکا تھا۔ اور اسے حیرت تو اس بات پر تھی کہ شارق کو اس کے بارے میں کیسے پتا چل جاتا تھا۔ یہاں آنے کے صرف آدھے گھنٹے بعد اس نے فون کر دیا تھا۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ جب وہ لوگ کرامت کی دکان کے سامنے پجیرو سے اتر رہے تھے تو وہ چند گز کے فاصلے پر موجود تھا۔ کیا شارق کو معلوم تھا کہ وہ یہاں آنے والا ہے۔ اسے یہ اطلاع کیسے ملی ہو گی۔ کیا کرامت نے بتایا ہو گا؟ نہیں' حاجی نے یہ خیال ذہن سے جھٹک دیا۔ شارق اور کرامت ایک دوسرے کو نہیں جانتے تھے۔ کرامت تو شارق کے آنے سے بہت پہلے اس کاروبار سے الگ ہو چکا تھا۔

عرفان اور رب نواز' کرامت کو بتانے کے لئے آئے تھے۔ عرفان بہت پرانا اور قابل اعتماد آدمی تھا۔ اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ البتہ رب نواز پر شبہ کیا جا سکتا تھا۔ وہ گروہ میں سب سے نچلی سطح پر کام کر رہا تھا۔ حاجی کو نئے ٹھکانے کی ضرورت پڑی تو اس کے گھر آ گیا اس طرح رب نواز کو اس کے قریب آنے کا موقع مل گیا۔ اس کے بارے میں حاجی نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ کام کا آدمی ثابت ہو سکتا ہے۔ اس لئے اسے اپنے ساتھ رکھ لیا تھا۔ حاجی سوچ رہا تھا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ رب نواز کے بارے میں اس کا اندازہ غلط نکلا ہو اور رب نواز اس کے خلاف جاسوسی کر رہا ہو۔ یہ سب کچھ سوچتے ہوئے حاجی نے فیصلہ کر لیا کہ اب وہ رب نواز پر نگاہ رکھے گا۔

رات گزر گئی۔ دن کی روشنی پھیل رہی تھی۔ حاجی اس وقت بھی کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور دماغ سلگ رہا تھا۔ وہ کمرے سے باہر آ گیا۔

مشرقی افق پر سرخی یہ بتا رہی تھی کہ کچھ دیر میں سورج طلوع ہونے والا ہے۔ اس نے برآمدے میں چارپائیوں پر سوئے ہوئے عرفان اور رب نواز کی طرف دیکھا۔ اور صحن میں نیم کے درخت کے نیچے پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔ صبح کی ٹھنڈی ہوا سے اسے کسی قدر سکون ملا تھا۔

باہر دکان کی طرف سے آوازیں آ رہی تھیں۔ کرامت دکان پر تھا۔ اس کا کاروبار صبح سویرے ہی شروع ہو جاتا تھا۔

حاجی کو نیم کے درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے چند ہی منٹ گزرے تھے کہ کرامت دکان کی طرف والے دروازے سے اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں اخبار تھا۔ وہ حاجی کو دیکھ کر اس کی طرف آ گیا۔

"یہ اخبار پڑھو حاجی جی۔" کرامت اس کی طرف اخبار بڑھاتے ہوئے بولا۔ "اس وقت دکان

aazzamm@yahoo.com

پر گاہکوں کا رش ہے۔ میں تھوڑی دیر میں اندر آؤں گا۔"

کرامت واپس چلا گیا۔ حاجی اخبار دیکھنے لگا۔ سارا اخبار اس حوالے سے خبروں سے بھرا ہوا تھا۔ اس میں گلبرگ میں نالے کے پل سے تین لاشوں کی دریافت اور فاروق احمد کی بیوی رعنا کے قتل کی خبر بھی تھی۔ رعنا کے قتل والی خبر پڑھتے ہوئے حاجی کے ذہن میں گردش کچھ اور تیز ہو گئی اور فاروق احمد نے اس قتل کا الزام عرفان پر لگایا تھا کیونکہ عرفان کے خون آلود کپڑے وہاں سے ملے تھے۔

حاجی کے دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے۔ کل رات آٹھ بجے جب وہ لوگ فاروق کی کوٹھی سے روانہ ہوئے تھے گلبرگ نہر والے چوک پر عرفان پجیرو سے اتر گیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ ضروری کام ہے۔ وہ تھوڑی دیر بعد کرامت کے ہاں پہنچ جائے گا اور جب وہ واپس آیا تھا تو اس کے جسم پر وہ لباس بھی نہیں تھا جو وہ پہنے ہوئے تھا۔ لیکن حاجی نے اس وقت اس پر زیادہ توجہ نہیں دی تھی اور اب یہ خبر پڑھنے کے بعد ساری بات حاجی کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ اس کے سینے میں لاوا سا کھولنے لگا تھا۔ اس نے چارپائی پر سوئے ہوئے عرفان کی طرف دیکھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ عرفان کا گلہ گھونٹ دے لیکن وہ بڑی مشکل سے اپنی اس خواہش پر قابو پا سکا تھا۔

حاجی دوسری خبریں پڑھتا رہا۔ اسلحہ کے گودام میں چھاپے والی خبر میں یہ بھی لکھا تھا کہ اسلحہ کے اس اڈے کے بارے میں پولیس کے ایک افسر اعلیٰ کو اطلاع شارق نے دی تھی جو خود بھی کئی سنگین مقدمات میں پولیس کو مطلوب ہے اور اس اڈے کی نشاندہی شارق کے ایک قابل اعتماد ساتھی نولکھا نے کی تھی۔ وہ چھاپے کے وقت پولیس کے ساتھ تھا لیکن بعد میں پراسرار طور پر غائب ہو گیا تھا۔

حاجی یہ خبر بھی پڑھ پڑھ کر تلملا رہا تھا۔ شارق ایک طرف اسے تباہی کے دہانے کی طرف دھکیل رہا تھا اور دوسری طرف خود پولیس اور عوام کی ہمدردیاں حاصل کر رہا تھا۔ اسی اخبار میں ڈی آئی جی کا یہ بیان بھی تھا کہ شارق اگر اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر دے تو اس کے کیس پر ہمدردانہ غور ہو سکتا ہے۔

حاجی یہ سب کچھ پڑھتا رہا اور اس کا خون کھولتا رہا۔ سات بجے کے قریب دلاور اٹھ گیا۔

"آپ کب سے یہاں بیٹھے ہوئے ہیں حاجی جی۔" وہ قریب آ کر بولا۔ "سوئے نہیں کیا؟"

"اوئے میری تو رات ہی جاگتے ہوئے گزری ہے۔" حاجی نے غراتے ہوئے جواب دیا۔ "تم چائے بنا کر لاؤ۔ میرا تو دماغ پھٹا جا رہا ہے۔"

دلاور فوراً ہی کچن کی طرف چلا گیا اور دس پندرہ منٹ میں چائے بنا کر لے آیا۔ تھوڑی دیر

بعد عرفان اور رب نواز بھی جاگ گئے تھے۔ حاجی خونخوار نظروں سے عرفان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"اوئے۔ پڑھ اوئے یہ پڑھ۔" حاجی اس کی طرف اخبار بڑھاتے ہوئے غرایا۔ "کل جو تم نے گل کھلایا ہے اس کی تفصیل پڑھ لے۔ اس کم بخت فاروق نے ہمارے خلاف بیان دیا ہے اور کہا ہے کہ میری گرفتاری کے لئے ہر ممکن تعاون کرے گا۔" وہ چند لمحے خاموش ہوا پھر بولا۔ "تمہاری جوانی زیادہ جوش مار رہی تھی۔ صبر نہیں ہو سکتا تھا تم سے۔ پہلے میرے لئے مصیبتیں کم تھیں جو تو نے یہ نئی حرکت بھی کر ڈالی۔"

"بس غلطی ہو گئی حاجی جی۔" عرفان نے بے غیرتی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اخبار میں لکھا ہے کہ تم اس کے گھر سے زیور اور نقدی بھی لے گئے تھے۔ کہاں ہے وہ سب کچھ؟" حاجی نے اسے گھورا۔

"وہ سب کچھ میں نے ایک پوٹلی میں باندھا تھا جی۔ وہاں سے بھاگتے ہوئے وہ پوٹلی راستے ہی میں کہیں گر گئی تھی۔" عرفان نے جواب دیا۔

حاجی چند لمحے خونخوار نظروں سے اسے گھورتا رہا پھر رب نواز اور دلاور کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"اسے اندر لے چلو۔ میں دیکھتا ہوں اس میں کتنی جوانی ہے۔" عرفان کا چہرہ دھواں ہو گیا۔

"مجھے معاف کر دیں حاجی جی۔" وہ گھگھیایا۔ "پہلی مرتبہ ایسی غلطی ہوئی ہے۔ آئندہ نہیں کروں گا۔"

"میں تمہیں آئندہ ایسی غلطی کرنے کے قابل چھوڑوں گا ہی نہیں۔" حاجی اٹھتے ہوئے بولا۔ "لے چلو اسے اندر۔"

دلاور اور رب نواز' عرفان کو بانہوں سے پکڑ کر کمرے میں لے آئے۔ حاجی نے بھی اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا۔

"یہ چیخے گا ضرور۔ اس کا منہ باندھ دو تاکہ آواز باہر نہ جائے۔" حاجی نے کہا۔

عرفان نہیں سمجھ سکا تھا کہ اس کے ساتھ کیا کیا جانے والا ہے۔ وہ ہاتھ جوڑ کر حاجی سے معافی مانگتا رہا۔ دلاور نے چارپائی پر پڑا ہوا ایک کپڑا اٹھا کر اس کے منہ میں ٹھونس دیا اور سوالیہ نگاہوں سے حاجی کی طرف دیکھنے لگا۔

"میری طرف کیا دیکھ رہے ہو۔ چاقو نکالو اور ----" حاجی خاموش ہو کر معنی خیز نگاہوں سے عرفان کی ٹانگوں کی طرف دیکھنے لگا۔

"سمجھ گیا جی۔" دلاور مسکرا دیا۔ اس نے رب نواز کو اشارہ کیا اور پھر ان دونوں نے مل کر

aazzamm@yahoo.com

عرفان کو اس طرح زمین پر گرا دیا جیسے بکرے کو ذبح کرنے کے لئے گرایا جاتا ہے۔ عرفان اپنے آپ کو چھڑانے کے لئے بری طرح مچل رہا تھا۔ حاجی نے اس کے سر پر زوردار ٹھوکر مار دی۔ عرفان کی آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی سی چنگاریاں ناچنے لگیں اور پھر اس کا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

اور عرفان کو جب ہوش آیا تو یہ دیکھ کر اس کی روح کانپ اٹھی کہ اسے مردانگی سے محروم کیا جا چکا تھا۔ ایک جراح بیٹھا اس کی مرہم پٹی کر رہا تھا۔

"تمہارا انجام یہی ہونا چاہئے تھا۔" قریب کرسی پر بیٹھے ہوئے حاجی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم لوگوں کی غلطیوں کی وجہ سے آج میں تباہی کے دھانے پر کھڑا ہوں۔ اب میں کسی کی کوئی غلطی معاف نہیں کروں گا۔"

دلاور، رب نواز اور چودھری کرامت خوفزدہ سے کھڑے تھے۔ عرفان کا چہرہ بالکل زرد ہو رہا تھا۔ چودھری کرامت آدھا گھنٹہ پہلے اندر آیا تھا۔ اس کی دکانداری صبح اور شام کے وقت زیادہ ہوتی تھی۔ صبح تانگے ریڑے والے روزگار کی تلاش میں نکلتے تو گھوڑوں کے لئے دن بھر کا چارہ لے لیتے تھے۔

چودھری کرامت جب اندر آیا تو عرفان کا کام ہو چکا تھا۔ حاجی کے کہنے پر وہی کچی آبادی سے ایک جراح کو لے آیا تھا جو عرفان کی مرہم پٹی کر رہا تھا۔ جب وہ مرہم پٹی کر کے فارغ ہوا تو حاجی نے پانچ سو کا نوٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"اپنی زبان بند رکھنا۔ اگر تم نے کسی سے اس کا ذکر کیا تو تمہارا بھی یہی حال ہو گا اور روزانہ آ کر اس کی مرہم پٹی کر جایا کرو۔"

"میری زبان بند رہے گی جناب۔ آپ فکر نہ کریں۔" جراح نے پانچ سو کا نوٹ جیب میں ڈالتے ہوئے کہا اور اپنی چیزیں سمیٹ کر چلا گیا۔

اسی رات دو بجے کے قریب جب سب لوگ سو رہے تھے تو عرفان اپنی چارپائی سے اٹھا اور ننگے پیروں دبے قدموں چلتا ہوا کمپاؤنڈ وال کے قریب پہنچ گیا۔ چلنے میں اسے خاصی تکلیف ہو رہی تھی لیکن وہ دانت بھینچے اس تکلیف کو برداشت کرتا رہا۔

عرفان کے دل کی دھڑکن خطرناک حد تک تیز تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر کسی کی آنکھ کھل گئی تو وہ پکڑا جائے گا اور زندہ نہیں بچے گا۔ دیوار پانچ فٹ سے زیادہ اونچی نہیں تھی۔ عام حالات میں وہ ایک سیکنڈ میں دیوار پر چڑھ سکتا تھا۔ لیکن تکلیف کی وجہ سے اسے دیوار پر چڑھنے اور دوسری طرف اترنے میں خاصی دشواری پیش آئی تھی۔

طرف ایک رکشہ سٹارٹ ہونے کی آواز سن کر وہ چونک گیا۔ رکشہ سٹارٹ ہو کر ہلکی رفتار سے اس طرف آ رہا تھا۔ عرفان نے سڑک کے بیچ میں آ کر اسے رکنے کا اشارہ کیا۔

رکشہ رک گیا۔ عرفان پچھلی سیٹ پر تقریباً" گر گیا۔

"کہاں جانا ہے باؤ جی۔" رکشہ ڈرائیور نے پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر پوچھا۔

"تھانے۔۔۔۔ مجھے تھانے لے چلو۔" عرفان نے کراہتے ہوئے جواب دیا۔ رکشہ ڈرائیور چونک گیا۔ اس نے کچھ آگے جا کر رکشے کو بائیں طرف ایک گلی میں موڑ دیا۔

گلی بالکل سنسان پڑی تھی۔ رکشہ مختلف گلیوں سے ہوتا سک نہر کے قریبی مین روڈ پر نکل آیا۔ سک نہر سے آگے پولیس سٹیشن تھا۔ رکشہ پولیس سٹیشن کے سامنے رکنے کے بجائے سیدھا آگے بڑھ گیا تو عرفان سیدھا ہو کر بیٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔

"تھانہ پیچھے رہ گیا ہے۔ تم کہاں جا رہے ہو؟"

"تھانے سے زیادہ محفوظ جگہ پر۔" رکشہ ڈرائیور نے جواب دیا۔

"کیا مطلب۔ کون ہو تم؟" عرفان چونک گیا۔

"تمہارا دوست۔" ڈرائیور نے جواب دیا۔ اس وقت رکشہ شالیمار باغ کے گیٹ کے سامنے سے گزر کر اگلے چوک میں پہنچ چکا تھا۔

ڈرائیور نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا۔ اس جگہ روشنی تھی۔ عرفان ڈرائیور کی شکل دیکھ کر چونک گیا۔

"ش۔۔۔۔ شش۔۔۔۔ شارق۔۔۔۔ تم۔۔۔۔" وہ ہکلا کر رہ گیا۔

"ڈرو نہیں۔۔۔۔" شارق نے جواب دیا۔ "مجھے شبہ تھا کہ حاجی آج اس ٹھکانے سے بھی بھاگنے کی کوشش کرے گا۔ اس لئے میں شام کے بعد سے آس پاس گھومتا ہوا نگرانی کر رہا تھا۔ تم نے جب تھانے چلنے کو کہا تو میں سمجھ گیا کوئی گڑبڑ ہے۔ معاملہ کیا ہے۔ تم تو حاجی کے بہت وفادار تھے۔"

"اس نے مجھے۔۔۔۔" عرفان کراہا اور پھر اسے بتانے لگا کہ حاجی نے اس کے ساتھ کیا کیا ہے۔ "مم۔۔۔۔ میں اسے چھوڑوں گا نہیں۔ اس نے میری نسل ختم کی ہے۔ میں اس کے خاندان کے ایک ایک مرد کو چن چن کر ختم کر دوں گا۔"

"گھبراؤ نہیں۔ میں تمہارا ساتھ دوں گا۔" شارق بولا۔

"اچھا ہوا تم مجھے مل گئے۔ میں تمہیں اس کے بارے میں سب کچھ بتا دوں گا۔" عرفان بولا۔

گھاس منڈی والے موڑ پر دو پولیس والے سڑک کے درمیان کھڑے رکشے کو رکنے کا اشارہ

aazzamm@yahoo.com

کر رہے تھے۔

"ذرا سنبھل کر بیٹھ جاؤ عرفان۔ آگے پولیس ہے۔" شارق بولا۔

"مجھے تیز بخار ہو رہا ہے۔ ان کو بتانا کہ تم میرے پڑوسی ہو اور مجھے لے کر ہسپتال جا رہے ہو۔" عرفان نے کہا۔

"فکر مت کرو۔" شارق بولا۔ "انہیں یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ تم زخمی ہو۔ باقی معاملہ میں سنبھال لوں گا۔"

رکشہ قریب پہنچ رہا تھا۔ دونوں پولیس والے رائفلیں سنبھالے سڑک کے وسط میں کھڑے تھے۔ شارق چاہتا بھی تو بچ کر نہیں نکل سکتا تھا۔ اس نے قریب پہنچ کر رکشہ روک لیا۔

"کیا بات ہے سنتری بادشاہ؟" شارق نے اس کانسٹیبل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو اس کے قریب آگیا تھا۔ "آج یہ روک ٹوک کیسی ہو رہی ہے۔"

"تم کون ہو۔ اس وقت کہاں سے آ رہے ہو۔" کانسٹیبل نے اسے گھورا۔

"لو۔۔۔۔ کر لو بات۔۔۔۔" شارق ہنسا۔ "بڑے بھولے ہو سنتری بادشاہ ایک رکشے والے سے پوچھتے ہو تم کون ہو۔ رکشہ ڈرائیور تو رکشہ ڈرائیور ہی ہوتا ہے۔ اس کا تو کام ہی دن رات سڑکوں پر رکشہ چلانا ہے۔ کبھی یہاں کبھی ماڈل ٹاؤن' کبھی گلبرگ اور کبھی بھائی لوہاری اور کبھی ٹکسالی۔"

"بہت باتیں کرتے ہو۔ لائسنس ہے تمہارے پاس۔" کانسٹیبل نے کہا۔

"لائسنس تو اس وقت میرے پاس نہیں ہے۔" شارق نے پر سکون لہجے میں جواب دیا۔ "پر اس وقت میں کوئی کرائے کی سواری لے کر نہیں جا رہا۔"

"یہ کون ہے کہاں سے بٹھایا ہے اسے۔ اوئے۔ کون ہو تم؟" کانسٹیبل نے آخری الفاظ عرفان کی طرف دیکھتے ہوئے کہے تھے۔

"میں بتاتا ہوں سنتری بادشاہ۔ اس سے کیا پوچھتے ہو۔" شارق بولا۔ "یہ میرا ہمسایہ ہے۔ بڑا تیز بخار ہو رہا ہے میں اسے میو ہسپتال لے کر جا رہا ہوں۔ ہمسایوں کا بھی تو کوئی حق ہوتا ہے نا سنتری بادشاہ۔ اس کی حالت دیکھ کر میں جلدی میں گھر سے نکلا تھا اور لائسنس جیب میں رکھنا بھول گیا لو یہ رکھ لو۔ دونوں چائے پی لینا۔" اس نے جیب سے دس روپے کا نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"اوئے۔ اس کو تو واقعی تیز بخار ہے۔" کانسٹیبل نے عرفان کا ہاتھ چھوتے ہوئے کہا۔ "اسے جلدی لے جاؤ۔ کہیں ہمارے متھے نہ لگ جائے۔" اس کے ساتھ ہی اس نے شارق کے ہاتھ

سے دس کا نوٹ لے لیا تھا۔

"بڑی مہربانی سنتری بادشاہ۔" شارق رکشہ سٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔ "جیرے کا ہوٹل کھلا ہوا ہے۔ کہو تو میں وہاں چھوڑ دوں۔"

"ہم خود چلے جائیں گے۔ تم جاؤ۔" کانسٹیبل نے کہا۔

شارق رکشے کو حرکت میں لے آیا اور اس کی رفتار بڑھاتا چلا گیا۔

اسے اپنے علاقے میں پہنچنے میں مزید پندرہ منٹ لگ گئے تھے لیکن اپنی گلی کی طرف موڑنے سے پہلے اس نے رکشہ روک لیا۔ گلی سے زبردست فائرنگ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

"تم یہیں میرا انتظار کرو عرفان۔ میں دیکھ کر آتا ہوں معاملہ کیا ہے۔" شارق بولا۔ "یہاں سے ہٹنے کی کوشش تمہارے لئے خطرناک ثابت ہو گی۔ اس لئے میری واپسی تک یہیں بیٹھے رہو۔"

شارق قبرستان سے نکل کر تاریکی میں چھپتا ہوا اپنی گلی کی طرف آگیا اور اسے ایک بار پھر رک جانا پڑا۔

اس کے بنگلے والی سمت سے بڑی زبردست فائرنگ کی آوازیں آ رہی تھیں۔ لگتا تھا جیسے دو پارٹیوں میں ٹھن گئی ہو۔

شارق تاریکی میں دبکا کچھ دیکھنے کی کوشش کرتا رہا پھر تاریکی کا سہارا لے کر آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ اس نے لباس میں چھپا ہوا پستول ہاتھ میں لے کر اس کا سیفٹی کیچ ہٹا دیا تھا۔

○

Scanned By:
Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com

Scanned By:
Azam & Ali

فائرنگ کی آوازیں گلی کے آخری موڑ کے دائیں طرف سے آرہی تھیں۔ اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ ان کا مکان بائیں طرف تھا۔ پہلے تو یہی سمجھا تھا کہ پولیس نے نولکھا کا پیچھا کر کے ان کا ٹھکانہ معلوم کر لیا ہو گا اور موقع پا کر ان سب کو گرفتار کرنے کیلئے مکان پر ریڈ کر دیا تھا لیکن اس کا یہ خیال غلط نکلا۔ ویسے اسے ایس پی سہیل سے کسی ایسی حماقت کی توقع نہیں تھی۔ اس نے بہت سوچ سمجھ کر حاجی کے خلاف اطلاعات فراہم کرنے کیلئے ایس پی سہیل کا انتخاب کیا تھا۔ سہیل ایک فرض شناس اور دیانتدار آفیسر تھا۔ اگر وہ بددیانت اور بدعہد ہوتا تو اس رات جب رنجیت سنگھ کی سمادھی کے قریب ان کی ملاقات ہوئی تھی وہ انہیں آسانی سے گرفتار کر سکتا تھا۔ اس رات شارق بھی تھا' ثمینہ بھی اور نولکھا بھی اور اتفاق سے پولیس کی موبائل آگئی تھی جس میں نصف درجن مسلح پولیس والے موجود تھے۔ یہ تینوں بھی اگرچہ مسلح تھے لیکن پولیس کی آٹو میٹک رائفلوں کے سامنے ان کے پستول بے معنی ہو کر رہ جاتے۔ یہ لوگ مزاحمت کرتے تو ان تینوں کو بھون دیا جاتا اور ایس پی سہیل کو بہت بڑا کریڈٹ ملتا اور یقینی طور پر اسے اگلے رینک پر ترقی بھی مل جاتی۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا تھا۔ اس کے برعکس اگلے روز نولکھا کی نشاندہی پر جب نمبر مارکیٹ والے اسلحہ ڈپو پر چھاپہ مارا گیا تو ڈی آئی جی کے ساتھ پریس کانفرنس میں ایس پی سہیل نے برملا یہ اعلان کیا تھا کہ اسلحہ کے اس ڈپو اور اس سے پہلے ہیروئن اور اسلحہ کے تمام اڈوں کی نشاندہی شارق اور ثمینہ نے کی تھی۔

شارق اور ثمینہ اگرچہ سنگین ترین جرائم میں ملوث تھے لیکن عام لوگوں کی ہمدردیاں شارق اور ثمینہ کے ساتھ تھیں۔ لوگ شارق کی ہسٹری بھی اخبارات میں پڑھ چکے تھے اور ان کے خیال میں شارق کو مجرم بنانے میں بھی پولیس ہی کا ہاتھ تھا۔ اگر جیل سے رہا ہونے کے بعد پولیس زیادتیاں نہ کرتی تو وہ ایک سیدھا سادا اور شریف شہری ہوتا لیکن پولیس نے اسے جرائم کے راستے پر دھکیل دیا اور شارق انتقامی کارروائیاں کرتے ہوئے جرائم کی دلدل میں دھنستا چلا گیا اور اب ایس پی کے بیان کے بعد تو شارق کو عام لوگوں کی مزید ہمدردیاں حاصل ہو گئی تھیں۔

شارق حاجی کے مزید خفیہ اڈوں کی تلاش میں تھا۔ اسے کسی نہ کسی طرح پتہ چل ہی جاتا تھا

کہ حاجی کہاں چھپا ہوا ہے۔ آج رات وہ اس کی نگرانی کیلئے ہی چودھری کرامت کے آس پاس موجود تھا۔ اس نے دکان سے کچھ دور سڑک کے کنارے ایک درخت کے نیچے رکشہ روک رکھا تھا اور پچھلی سیٹ پر نیم دراز اس طرف دیکھتا رہا تھا۔ اس دوران پولیس کی ایک گاڑی بھی وہاں سے گزری تھی۔ پولیس والوں نے درخت کے نیچے رکشے کو کھڑا دیکھا بھی ہو گا لیکن انہوں نے رک کر پوچھ گچھ کی زحمت نہیں کی تھی اور پھر رات دو بجے کے قریب ایک آدمی کو دکان کے ساتھ والی گلی سے نکلتے دیکھ کر شارق چونکا تھا۔ وہ آدمی اسی طرف آرہا تھا اور جب وہ قریب پہنچا تو شارق نے اسے پہچان لیا۔ وہ حاجی کا باڈی گارڈ عرفان تھا۔ شارق عرفان کو اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ بہت پرانا اور حاجی کا قابلِ اعتماد آدمی تھا۔ عرفان نے جب رکشے پر بیٹھتے ہوئے پولیس سٹیشن چلنے کو کہا تو شارق چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اور پھر شارق اسے اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ اس نے عرفان کو اپنے بارے میں بھی بتا دیا تھا کہ وہ کون ہے۔ یہ بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹنے والی بات تھی۔ شارق کو یقین تھا کہ عرفان سے حاجی کے بہت سے راز معلوم کرے گا لیکن اس طرف آتے ہی فائرنگ کی آوازوں نے اسے بدحواس کر دیا تھا۔ وہ یہی سمجھا تھا کہ پولیس نے اس کے مکان پر ریڈ کر دیا تھا لیکن اب اسے اطمینان ہو گیا تھا کہ اس کا مکان محفوظ تھا اور فائرنگ کسی اور جگہ ہو رہی تھی۔

شارق گھوڑے شاہ کے مزار پر واپس آگیا۔ رکشہ مزار کے پچھلی طرف قبرستان میں کھڑا تھا۔ لیکن یہ دیکھ کر بدحواس ہو گیا کہ عرفان رکشے میں موجود نہ تھا۔ وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا اور پھر کراہنے کی آواز سن کر چونک گیا۔

"عرفان--- کہاں ہو تم؟" وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔ لیکن تاریکی میں کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔

"میں--- میں یہاں ہوں شارق باؤ---" ایک طرف سے عرفان کی کراہتی ہوئی آواز سنائی دی۔

شارق قبروں میں چلتا ہوا ایک طرف بڑھ گیا۔ عرفان گوندی کے درختوں کے نیچے پڑا ہوا تھا۔

"کیا ہوا۔ تم یہاں کیوں آگئے۔" شارق بولا۔

"میں نے اس طرف کسی کے آنے کی آواز سنی تھی۔ اس لئے رکشے سے اتر کر ادھر آگیا تھا۔" عرفان نے کراہتے ہوئے جواب دیا۔ "بڑی تکلیف ہو رہی ہے شارق باؤ۔"

"اس وقت تو تمہاری تکلیف کا میں کوئی علاج نہیں کر سکتا۔" شارق نے کہا۔ "پولیس وہاں سے جائے تو تمہاری تکلیف کا بھی کوئی علاج ہو سکتا ہے۔"

aazzamm@yahoo.com

"پولیس کہاں ہے کیا تمہارے اڈے پر چھاپہ مارا گیا ہے؟" عرفان نے پوچھا۔

"اگر میرے اڈے پر چھاپہ مارا ہوتا تو میں اطمینان سے یہاں نہ بیٹھا رہتا۔" شارق نے جواب دیا۔ وہ مزید کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ ایک دم خاموش ہو گیا اور اٹھ کر سڑک کی طرف دیکھنے لگا۔

فائرنگ کی آوازوں میں شدت آ گئی تھی اور پھر چند سیکنڈ بعد ہی ایک کار بڑی تیزی سے اس کے مکان والی گلی سے نکلی اور اسی طرف آنے کیلئے سڑک پر مڑ گئی۔

شارق جھک کر دوڑتا ہوا ایک قبر کی آڑ میں لیٹ گیا۔ وہ کار بڑی تیز رفتاری سے مزار کے سامنے سے گزر گئی۔ اس کا رخ تیزاب احاطے کی طرف تھا۔ کار کی پچھلی سیٹ سے آٹو میٹک رائفل سے پیچھے کی طرف فائرنگ کی جا رہی تھی چند سیکنڈ بعد ایک پولیس موبائل بھی گلی سے نکل کر تیز رفتاری سے اسی طرف چلی گئی۔ موبائل سے بھی فائرنگ کی جا رہی تھی۔

فائرنگ کی آوازیں تیزاب احاطے کی طرف بہت دور نکل گئی تھیں۔ شارق اٹھ کر عرفان کے پاس آ گیا۔

"آؤ اب چلیں۔" وہ عرفان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "چل سکتے ہو یا تمہیں گود میں اٹھا کر رکشے میں بٹھا دوں۔"

"نہیں۔ میں چل لوں گا۔" عرفان نے جواب دیا اور وہ اٹھ کر آہستہ آہستہ چلتا ہوا رکشے میں بیٹھ گیا۔

شارق رکشہ سٹارٹ کر کے اسے سڑک پر لے آیا اور تقریباً" سو گز آگے جا کر اسے گلی میں موڑ دیا۔ گلی میں سناٹا تھا۔ اس وقت تین بجنے والے تھے۔ فائرنگ کی آوازوں سے لوگ جاگ تو گئے ہوں گے لیکن ایسے حالات میں کوئی باہر نکلنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔

شارق نے رکشہ جیسے ہی اپنی گلی کی طرف موڑا ایک پولیس کانسٹیبل اچانک ہی تاریکی سے نکل کر سامنے آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں رائفل تھی۔ شارق نے رکشہ روک لیا۔

"کیا بات ہے سنتری بادشاہ۔" شارق اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "بڑے پولیس مقابلے ہو رہے ہیں۔ قصہ کیا ہے؟"

"کون ہو تم اور اس وقت کہاں سے آ رہے ہو اور یہ کون ہے؟" پولیس والے نے اسے گھورا۔

"میرا نام ظہور ہے۔ رکشہ چلاتا ہوں۔ یہ میرا چھوٹا بھائی ہے۔" شارق نے اطمینان سے جواب دیا۔ "وہ سامنے والے گھر میں رہتے ہیں۔ کوئی شک شبہ ہو تو میرے ساتھ چل کر پوچھ لو۔"

گھر چند قدم کے فاصلے پر تھا۔ شارق نے رکشہ بند کر دیا تھا۔ اس نے نیچے اتر کر مکان کی بیل بجا دی۔ چند سیکنڈ بعد ہی اندر سے ثمینہ کی آواز سنائی دی۔

"کون ہے؟"

"ظہور ہوں۔ دروازہ کھولو بھئی۔" شارق نے جواب دیا۔

"ثمینہ نے شارق کی آواز پہچان لی تھی۔ اس نے فوراً" ہی دروازہ کھول دیا۔ شارق کے ساتھ پولیس والے کو دیکھ کر وہ چونک گئی۔ وہ معاملہ سمجھ گئی تھی۔

"یہ کون ہے بی بی۔ اسے پہچانتی ہو؟" پولیس والے نے ثمینہ سے پوچھا۔

"پہچانتی نہ تو رات کو اس وقت دروازہ کیوں کھولتی۔ یہ میرا بندہ ہے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"یہ غنیمت تھا کہ پولیس والے نے اس سے عرفان کے بارے میں دریافت نہیں کیا تھا۔

"اب میں رکشے کو اندر لے جاؤں سنتری بادشاہ۔" شارق بولا۔

"ہاں۔ جلدی کرو۔ کہیں پھر گڑبڑ نہ شروع ہو جائے۔" کانسٹیبل نے کہا۔

"قصہ کیا ہے۔ کوئی چھاپہ مارا تھا؟" شارق نے رکشہ سٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

کل ڈاکوؤں کے ایک گروہ نے بینک لوٹا تھا۔ ان کے بارے میں اطلاع ملی تھی کہ وہ یہاں ایک مکان میں چھپے ہوئے ہیں۔ انہی کو پکڑنے کیلئے چھاپہ مارا تھا۔ ایک کم بخت مارا گیا اور باقی بھاگ گئے۔ لیکن جائیں گے کہاں؟"

"فضل حسین کیا بات ہے۔ کون ہیں یہ لوگ۔"

آواز سن کر شارق نے اس طرف دیکھا۔ ایک اور پولیس کانسٹیبل رائفل پکڑے اس طرف آ رہا تھا۔

"کوئی نہیں یار۔ رکشے والا ہے۔ یہیں رہتا ہے۔" اس کانسٹیبل نے جواب دیا اور اپنے ساتھی کی طرف چل پڑا۔

ثمینہ نے گیٹ کھول دیا تھا۔ شارق رکشے کو اندر لے گیا اور ثمینہ نے گیٹ بند کر دیا تھا۔ شارق نے رکشے سے اترتے ہوئے ثمینہ کی طرف دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ ثمینہ کے ہاتھ میں پستول تھا۔

"یہ کون ہے؟" ثمینہ نے عرفان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اپنا دوست ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ "پہلے اندر تو چلو پھر تفصیل بتا دوں گا۔"

"وہ عرفان کو سہارا دے کر اندر لے آیا اور یہ دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی کہ اس کے تمام ساتھی کلاشنکوف رائفلیں لئے ہوئے تھے۔

aazzamm@yahoo.com

نولکھا اوپر کسی جگہ پوزیشن لئے بیٹھا تھا۔ وہ بھی نیچے آ گیا۔ اس نے عرفان کو دیکھتے ہی پہچان لیا۔ ثمینہ بھی اندر آنے کے بعد عرفان کا چہرہ دیکھ کر اسے پہچان چکی تھی۔

"یہ تمہارے ہاتھ کہاں سے لگ گیا؟" نولکھا نے عرفان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"حاجی نے کسی بات پر خفا ہو کر اسے سزا دی تھی اور یہ دو بجے کے قریب چوری چھپے وہاں سے نکل کر تھانے جانا چاہتا تھا کہ میرے ہاتھ لگ گیا اور میں اسے یہاں لے آیا۔" شارق نے کہا۔

"مگر اسے تکلیف کیا ہے؟" نولکھا نے پھر پوچھا۔

"حاجی نے۔۔۔" شارق کہتے کہتے رک گیا اور پھر نولکھا کے کان میں بتانے لگا کہ کیا معاملہ ہے۔

"بڑا لعنتی ہے یہ حاجی۔" نولکھا بڑبڑایا اور عرفان کو ایک کمرے میں لے آیا۔

نرس رضیہ کو بتایا گیا کہ قصہ کیا تھا۔ اتفاق سے پولی فیکس مرہم گھر میں موجود تھی اس نے ٹیوب طفیل کو تھما دی کہ یہ زخم پر لگا دی جائے صبح کسی میڈیکل سٹور سے کوئی دوا منگا لی جائے گی۔

"اس طرف آتے ہوئے فائرنگ کی آوازیں سن کر میں تو ڈر گیا تھا کہ کہیں تم لوگ تو گھیرے میں نہیں آ گئے۔" شارق نے کہا۔ "لیکن یہ جان کر اطمینان ہوا کہ فائرنگ کسی اور طرف ہو رہی تھی۔"

"ہم بھی پہلے یہی سمجھے تھے کہ پولیس نے ہماری تلاش میں کسی غلط مکان پر چھاپہ مار دیا ہے۔" نولکھا نے کہا۔ "ہم پولیس کا مقابلہ کرنے کیلئے پوری طرح تیار ہو گئے تھے۔ لیکن معاملہ کچھ اور نکلا۔

"کل ڈاکوؤں کے کسی گروہ نے بینک لوٹا تھا اور وہ لوگ یہاں کسی مکان میں چھپے ہوئے تھے۔ انہی کو گرفتار کرنے کیلئے چھاپہ مارا گیا تھا۔ ایک ڈاکو مارا گیا ہے اور باقی بھاگ گئے۔ پولیس ان کے تعاقب میں گئی ہے۔"

اگر انہیں پتا چل جائے کہ بڑے ڈاکو تو یہاں چھپے ہوئے ہیں تو وہ ان ڈاکوؤں کو بھول جائیں۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "لیکن تم عرفان کو یہاں لے آئے ہو۔ کوئی گڑبڑ تو نہیں ہو گی؟"

"گڑبڑ کیسی؟" شارق بولا۔ "یہ ہمارے لئے بڑے کام کا آدمی ثابت ہو گا۔ حاجی کے تمام راز اسے معلوم ہیں اور جب حاجی کو پتا چلے گا کہ عرفان ہمارے پاس ہے تو اس کی میا مر جائے گی۔"

"کیا خیال ہے۔ حاجی کو بتا نہ دیا جائے کہ عرفان ہمارے پاس ہے۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے یہ خوشخبری اسے تم ہی سنا دو۔" شارق نے کہا۔

ثمینہ نے فون کا ریسیور اٹھا لیا اور شارق سے پوچھ کر چودھری کرامت کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔ کال فوراً ہی ریسیو کر لی گئی۔ جس کا مطلب تھا کہ وہ لوگ جاگ رہے تھے اور اتفاق سے کال حاجی ہی نے ریسیو کی تھی۔

"اوئے۔۔۔ دیکھ اوئے عرفان۔" وہ ہیلو کے جواب میں غرایا۔ وہ غالباً اس وقت زیادہ بدحواس ہو رہا تھا کہ یہ بھی نہیں جان سکا کہ ہیلو کی آواز کسی مرد کی تھی یا عورت کی۔" مجھے معلوم ہے تیرے ساتھ کچھ زیادتی ہوئی ہے لیکن تجھے کوئی ایسی حرکت کرنے سے پہلے خود سوچنا چاہئے تھا کہ ہم کس قسم کے حالات سے گزر رہے ہیں۔ اوئے۔ میں نے تو تجھے بیٹوں کی طرح اپنے ساتھ رکھا ہے۔ میں کہتا ہوں تو واپس آ جا ورنہ جانتا ہے تجھے مجھ سے کہیں پناہ نہیں ملے گی۔"

"تم خود پناہ کی تلاش میں بھاگے پھر رہے ہو' کسی اور کو کیا پناہ دو گے۔" ثمینہ نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔

"میں ثمینہ بول رہی ہوں پاجی۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "تمہاری اطلاع کیلئے عرض ہے کہ تمہارا عرفان ہمارے پاس ہے اور ہم تمہارے ہی آدمی کو تمہارے خلاف استعمال کریں گے۔"

"بکواس کر رہی ہو تم۔" حاجی چیخا۔

"مجھے جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں۔" ثمینہ نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ "شکر کرو چودھری کرامت کے گھر سے نکلتے ہی عرفان شارق کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ وہ تو تھانے جا رہا تھا مگر شارق اسے سمجھا بجھا کر اپنے ساتھ لے آیا۔ اگر وہ تھانے چلا جاتا تو پولیس اب تک تمہارا تیاپانچا کر چکی ہوتی۔"

"عرفان ایسا نہیں کر سکتا۔" حاجی بولا۔ "سزا کے باوجود وہ میرا وفادار ہے۔ وہ نہ تو پولیس کے پاس جائے گا اور نہ ہی شارق کے پاس۔ تم جھوٹ بکتی ہو۔"

"تم نے اسے جو سزا دی ہے اس پر تو وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ اگر تمہیں میری بات کا یقین نہیں آتا تو میں عرفان سے تمہاری بات کروا دیتی ہوں۔" ثمینہ نے کہا اور نولکھا کو اشارہ کیا۔ نولکھا' عرفان کو گود میں اٹھا کر لے آیا۔ ثمینہ نے ریسیور اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ "حاجی ہے' بات کر لو۔"

aazzamm@yahoo.com

"حاجی صاحب۔" عرفان ریسیور لے کر بولا۔ "تم نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ میں نے تمہاری کتنی خدمت کی۔ تمہاری خاطر کتنے بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتارا اور تم نے مجھے یہ انعام دیا کہ میری آنے والی نسلوں کا راستہ بند کر دیا۔ میں تم سے اس کا انتقام ضرور لوں گا۔ یہ تو اتفاق ہے کہ مجھے شارق مل گیا تھا۔ میں اپنی خوشی سے اس کے ساتھ آیا ہوں اور اب میں تمہیں چین سے نہیں بیٹھنے دوں گا۔ تم۔۔۔"

ثمینہ نے اس سے ریسیور لے لیا اور ماؤتھ پیس میں بولی۔

"اب تمہاری تسلی ہو گئی پاجی۔ لیکن اطمینان رکھو۔ ابھی ہم پولیس کو تمہارے بارے میں اطلاع نہیں دیں گے اور نہ ہی عرفان کو تمہارے خلاف استعمال کریں گے۔ یہ دونوں کام ہم مناسب وقت آنے پر کریں گے۔ اس وقت تک میں تمہیں دوڑا دوڑا کر اتنا تھکا دوں گی کہ تم میں قدم اٹھانے کی بھی ہمت نہیں رہے گی۔ یہ شکار کھیلنے کی ہماری پالیسی ہے۔ ماجھا گجر کو بھی ہم نے اسی طرح تھکا تھکا کر مارا تھا لیکن تمہیں میں موقع دینا چاہتی ہوں۔ میں اس وقت کا انتظار کر رہی ہوں جب تم خود ہمارے قدموں میں آکر گرو گے اور کتوں کی طرح ہمارے پیر چاٹو گے۔"

جواب میں حاجی کچھ کہہ رہا تھا لیکن ثمینہ نے فون بند کر دیا اور نولکھا کو اشارہ کیا۔ وہ عرفان کو اٹھا کر اس کے کمرے میں چھوڑ آیا۔ اس کے بعد بھی یہ لوگ کافی دیر تک باتیں کرتے رہے اور جب جماہیاں آنے لگیں تو اپنے اپنے کمروں میں جا کر لیٹ گئے۔ ثمینہ حسب معمول اوپر والے کمرے میں جا کر لیٹ گئی تھی۔

صبح دس بجے کے قریب شارق رکشہ لے کر پھر جانے کو تیار ہو گیا۔ لیکن نولکھا اور ثمینہ نے اسے منع کر دیا۔

"بعض اوقات حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی بھی دھوکا دے جاتی ہے۔" ثمینہ نے کہا۔ "رات کے اندھیرے میں اگر کوئی تمہیں نہیں پہچان سکا تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تمہارے چہرے کے نقوش بدل گئے ہیں اور کوئی تمہیں دن کے وقت بھی نہیں پہچان سکے گا۔ اب ہمیں حاجی کا پیچھا کرنے کی ضرورت نہیں۔ عرفان ہمارے پاس ہے۔ وہ اس کے تمام ٹھکانوں سے واقف ہے۔ اگر وہ چودھری کرامت کے مکان سے کسی اور جگہ گیا تو ہمیں پتا چل جائے گا۔"

"ایسے لوگوں نے بیسیوں ٹھکانے بنا رکھے ہوتے ہیں۔ عرفان کو خواب تو نہیں آئے گا کہ وہ کونسے ٹھکانے پر گیا ہے۔" شارق نے کہا۔

"ثمینہ ٹھیک کہہ رہی ہے شارق باؤ۔" نولکھا بولا۔ "فوری طور پر نہ سہی دو چار دن بعد تو پتا چل ہی جائے گا کہ وہ کہاں گیا ہے۔ اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"اگر اس کی سرگرمیوں پر نگاہ رکھنا زیادہ ہی ضروری سمجھتے ہو تو میں چلا جاتا ہوں شارق باؤ۔" قریب کھڑے ہوئے طفیل نے کہا۔

"ٹھیک ہے بھائی۔ تم چلے جاؤ۔" نولکھا نے کہا۔

اور پھر اس کے تھوڑی ہی دیر بعد طفیل رکشہ لے کر چلا گیا۔

صبح ناشتے کے بعد رضیہ نے طفیل ہی کو بھیج کر میڈیکل سٹور سے کچھ دوائیں منگوائی تھیں۔ اس نے دوائیں نولکھا کو دیتے ہوئے سمجھا دیا کہ زخم پر کس طرح لگائی جائیں گی۔ عرفان کو بخار بھی ہو گیا تھا۔ اس کے لئے بھی دوا منگوائی گئی تھی۔

اس کے ایک گھنٹے بعد شارق اور ثمینہ وغیرہ عرفان والے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے اور عرفان انہیں بتا رہا تھا کہ وہ حاجی کے ساتھ کس طرح لگا تھا۔

عرفان کی عمر اس وقت تیس بتیس سال تھی۔ وہ شاہدرہ سے کچھ آگے شیخوپورہ روڈ پر واقع کوٹ عبدالرحمان کا رہنے والا تھا۔ اس کا باپ فرمان علی کوٹ عبدالرحمان کے ایک زمیندار کا ملازم تھا۔ بہت بڑی زمینداری تھی لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ زمینداری ختم ہو گئی۔ فصلوں کی جگہ زمینوں پر بڑی بڑی فیکٹریاں وجود میں آنے لگیں۔ زمینداری سمٹ کر رہ گئی۔

عرفان اس وقت پچیس چھبیس سال کا بھرپور جوان تھا۔ اس نے قصبے کے ہائی سکول سے میٹرک کیا تھا۔ باپ کا خیال تھا کہ وہ اسے بھی زمینوں پر منشی گری پر لگا دے گا لیکن زمیندار سڑک کے آس پاس کی زمینیں فروخت کر رہا تھا۔

عرفان شہر چلا گیا۔ اسے ایک واقف کار کے ذریعے حاجی کے سینما میں نوکری مل گئی۔ اسے پہلے گیٹ کیپر لگایا گیا پھر اس کا کام اور دیانتداری کو دیکھتے ہوئے اسے بکنگ کلرک لگا دیا گیا۔ عرفان بہت خوش تھا۔ اس نے تقریباً" دو سال بکنگ کلرک کی حیثیت سے کام لیا۔ حاجی اس پر مہربان تھا اور جب عرفان کے والد کا انتقال ہوا تو حاجی نے اسے نہ صرف دس ہزار روپے دیئے تھے بلکہ پندرہ دن کی چھٹی بھی دے دی تھی کہ وہ اپنے باپ کی آخری رسومات ادا کرنے کے بعد اطمینان سے واپس آئے۔

اور جب عرفان واپس آیا تو حاجی نے اسے سینما کا سپروائزر بنا دیا تھا۔ اس طرح نہ صرف اس کی تنخواہ میں اضافہ ہوا بلکہ کچھ آسائشیں بھی مل گئیں اور پھر ایک روز حاجی کی ان مہربانیوں کا راز بھی کھل گیا۔ اس روز عرفان کو پہلی مرتبہ پتا چلا کہ حاجی ہیروئن کا بزنس کرتا ہے۔ تین آدمی رات دس بجے سینما میں حاجی سے ملنے آئے تھے۔ حاجی نے ان کی بڑی خاطر مدارت کی تھی اور وہ لوگ جاتے ہوئے حاجی کو کپڑے کا ایک تھیلا دے گئے تھے جس میں بڑی مالیت کے نوٹوں کے

aazzamm@yahoo.com

بنڈل بھرے ہوئے تھے۔ عرفان کے خیال میں یہ رقم کئی لاکھ روپے تھی۔

حاجی نے وہ تھیلا عرفان کے حوالے کرتے ہوئے اسے ہدایت کی تھی وہ سمن آباد والی کوٹھی چلا جائے اور وہیں رک کر اس کا انتظار کرے۔

وہ کئی لاکھ کی رقم تھی۔ عرفان چاہتا تو وہ تھیلا لے کر غائب ہو جاتا لیکن وہ ایک دیانتدار آدمی تھا اور اسی دیانتداری کی وجہ سے وہ سینما کے گیٹ کیپر سے ترقی کر کے سپروائزر بنا تھا۔ منیجر کے بعد اس کو تمام اختیارات حاصل تھے۔ جب کوئی نئی فلم لگتی تو ٹکٹیں اپنے آدمیوں کے ذریعے بلیک کی جاتیں اور بلیک کی اس رقم میں گیٹ کیپروں سے لے کر منیجر تک سب کا حصہ ہوتا لیکن عرفان نے کبھی اس بلیک منی سے اپنا حصہ وصول نہیں کیا تھا۔ حاجی بھی اس پر گہری نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ اور یہ عرفان کی دیانتداری ہی تھی کہ حاجی نے کئی لاکھ روپے کی رقم اس کے حوالے کر دی تھی۔

عرفان نے حاجی کے پاس رہتے ہوئے ڈرائیونگ بھی سیکھ لی تھی اور وہ حاجی کے کاموں کے سلسلے میں اکثر گاڑی لے جایا کرتا تھا۔ اس روز بھی وہ حاجی ہی کی ایک گاڑی لے کر گیا تھا۔

سمن آباد والی کوٹھی میں اسے تقریباً" ایک گھنٹہ انتظار کرنا پڑا تھا۔ حاجی کے ساتھ ایک اور آدمی بھی تھا۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد حاجی نے ایک تھیلا عرفان کے حوالے کرتے ہوئے کہا تھا کہ اسے ایک ہوٹل میں ان تین آدمیوں کے حوالے کر دیا جائے جو سینما میں رقم سے بھرا ہوا تھیلا دے گئے تھے۔

"یہ اپنے پاس رکھ لو۔" حاجی نے اسے دس روپے کے نوٹ کا آدھا حصہ دیتے ہوئے کہا تھا۔ "اس نوٹ کا دوسرا آدھا حصہ ان آدمیوں کے پاس ہے۔ تھیلا ان کے حوالے کرتے ہوئے تم ان سے نوٹ کا وہ آدھا حصہ وصول کر لو گے اور نوٹ کا نمبر ضرور چیک کر لینا اور اس بات کا خیال رکھنا کہ کسی اور کو اس لین دین کا پتا نہ چلے۔"

"اس تھیلے میں ہے کیا حاجی صاحب اسے دینے کیلئے اتنی راز داری کی کیا ضرورت ہے؟" عرفان نے کہا۔

"اس میں براؤن شوگر ہے۔" حاجی نے کہا۔ "اور تم وہی کرو گے جو تمہیں کہا گیا ہے۔"

عرفان نے مزید کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ اس روز اس نے پہلی مرتبہ براؤن شوگر کا نام سنا تھا۔ رات ایک بجے وہ تھیلا ان لوگوں کو دے آیا تھا اور رسید کے طور پر دس روپے کے نوٹ کا آدھا حصہ وصول کر لیا تھا۔

اس کے ایک ہفتے بعد عرفان کو پھر اس قسم کی خدمت انجام دینی پڑی تھی۔ پچھلی مرتبہ کی

طرح اس مرتبہ حاجی نے اسے دو ہزار روپے دیئے تھے۔ عرفان خوش تو تھا لیکن اسے حیرت اس بات پر تھی کہ تنخواہ کے علاوہ حاجی اسے لمبی لمبی رقمیں انعام میں کیوں دے رہا ہے اور یہ بات تقریباً" دو مہینے بعد اس کی سمجھ میں آ سکی تھی۔

براؤن شوگر دراصل ہیروئن تھی۔ اسے پہلی مرتبہ پتا چلا کہ حاجی ہیروئن کا سمگلر ہے۔ اس کا مال صوبہ سرحد کی طرف سے آتا تھا اور وہ نہ صرف پورے پاکستان میں بلکہ پوری دنیا میں مال پہنچایا کرتا تھا۔ دنیا کے تمام بڑے بڑے گروہوں سے اس کے تعلقات تھے۔ بعض لوگ خود یہاں آتے اور مال لے جاتے اور بعض جگہوں پر حاجی خود مال بھیجتا تھا۔

عرفان کو جب اس سارے دھندے کا پتا چلا تو اس نے نوکری چھوڑ دی۔ وہ ایک سیدھا سادا نوجوان تھا۔ باپ نے رزق حلال سے اس کی پرورش کی تھی وہ تو نوکری کرنے شہر آیا تھا۔ نوکری تو اسے مل گئی تھی مالک بھی اس پر مہربان تھا لیکن وہ اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ مالک کی مہربانیوں کی وجہ کیا تھی اور جب پتا چلا تو اس نے نوکری چھوڑ دی۔

وہ گاؤں آ گیا۔ ماں کو اس نے نہیں بتایا تھا کہ اس نے نوکری چھوڑ دی ہے۔ اس نے تو ماں کو یہ بتایا تھا کہ وہ چھٹی لے کر آیا ہے۔ اس نے سوچا تھا کہ چند روز گاؤں میں رہے گا۔ پھر شہر جا کر کسی اور نوکری کا بندوبست کر لے گا۔

تیسرے دن حاجی گاؤں پہنچ گیا۔ اس کے ساتھ مقصود بھی تھا۔ مقصود حاجی کا خاص آدمی تھا۔ وہ دونوں تقریباً" ڈیڑھ گھنٹے تک الگ بیٹھے عرفان کو سمجھاتے رہے۔

"نہیں حاجی صاحب۔" عرفان نے کہا۔ "یہ غیر قانونی کام ہے۔ اگر میں پکڑا گیا تو بہت بے عزتی ہو گی۔ گاؤں والوں کو پتا چلے گا تو وہ مجھ سے نفرت کرنے لگیں گے۔ میرے باپ نے اس گاؤں میں بڑی عزت سے زندگی گزاری ہے۔ میں باپ کی عزت پر بٹہ نہیں لگانا چاہتا۔"

اس میں شبہ نہیں کہ یہ غیر قانونی کام ہے۔" حاجی نے کہا۔ "لیکن تمہاری طرف کوئی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ کیا تم نے پولیس کے بڑے بڑے افسروں اور اسمبلیوں کے ممبروں کو میرے پاس آتے نہیں دیکھا۔ یہ سب لوگ جانتے ہیں کہ میں کیا کرتا ہوں۔ انہیں گھر بیٹھے ہر مہینے لاکھوں روپے مل جاتے ہیں۔ یہ میرے کام میں مداخلت کیوں کرنے لگے۔"

"لیکن حاجی صاحب یہ ملک سے غداری ہے۔" عرفان نے کہا۔

"ملک سے غداری۔" حاجی مسکرایا۔ "تم مجھے یہ بتاؤ کہ ملک کا وفادار کون ہے؟ معمولی آفیسر سے لے کر اعلیٰ ترین عہدیدار، ہر شخص نے اپنے ذاتی مفاد کو عزیز رکھا ہے۔ کسی بڑے آفیسر کو پھینک بھی آتی ہے تو وہ علاج کیلئے امریکہ اور انگلینڈ چلا جاتا ہے۔ پیسہ تو عوام کا خرچ ہوتا ہے۔

aazzamm@yahoo.com

کیا یہ لوگ اپنے ذاتی خرچ پر بیرون ملک جا سکتے ہیں؟ نہیں میرے دوست یہ سب عیاشیاں قوم کے پیسے پر ہو رہی ہیں۔ کسی کو آج تک یہ احساس نہیں ہو سکا کہ پیسہ قوم کی امانت ہے۔ ہم نے تو سرکاری خزانے سے کبھی ایک پیسہ نہیں لیا۔ اپنا بزنس کرتے ہیں۔ تم کیوں پریشان ہو رہے تم چوری تو نہیں کر رہے۔ کسی کے گھر میں ڈاکہ تو نہیں ڈال رہے۔ یہ میرا بزنس ہے جس میں تمہیں بھی حصہ ملتا ہے اور پھر یہ تو سوچو کہ اس میں کمائی کتنی ہے۔ ابھی تو تم گاؤں کے اس کچے مکان میں رہ رہے ہو اور شاید یہ بھی تمہاری ملکیت نہیں ہے لیکن میرے ساتھ رہو گے تو سال ڈیڑھ سال کے اندر اندر تم شہر کے کئی بڑے علاقوں میں کوٹھیاں بنوا سکتے ہو اور میری اس بات کا یقین کر لو کہ کوئی تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔"

حاجی اور مقصود نے عرفان کو قائل کر ہی لیا کہ یہ کاروبار غیر قانونی ضرور ہے مگر اس میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ البتہ آمدنی لامحدود ہے۔ اس ملاقات کے اختتام پر عرفان ان کے ساتھ جانے پر تیار ہو گیا تھا۔

عرفان کو مزید سہولتیں مل گئی تھیں۔ حاجی نے اسے اپنا باڈی گارڈ بنا لیا تھا۔ اس کے چند ہی مہینوں بعد شارق اور ثمینہ حاجی کے گروہ میں شامل ہوئے تھے۔ انہوں نے حاجی کیلئے بڑے کارنامے انجام دیئے تھے۔

حاجی نے ان پر نوازشات کی بارش کر دی تھی۔ مگر ان کا ساتھ زیادہ عرصہ تک نہ چل سکا۔ ان میں اختلافات شروع ہو گئے اور معاملہ قتل و غارت تک پہنچ گیا۔

عرفان کے خیال میں غلطی حاجی کی تھی۔ اس نے ایک سازش کے تحت شارق اور ثمینہ کو افغانستان بھیجا تھا اور بعد میں اس کی ماں اور بہن کو ذلیل کر کے کوٹھی سے نکال دیا تھا۔ اگر مریم اور رضیہ کو اس طرح ذلیل نہ کیا جاتا تو شاید شارق سازش والی بات کو پی جاتا۔ لیکن وہ اپنی ماں اور بہن کی بے عزتی برداشت نہیں کر سکا تھا اور اس طرح انتقامی کارروائیوں کا جو سلسلہ شروع ہوا وہ اب تک جاری تھا۔ حاجی اب تک شارق کا تو کچھ نہیں بگاڑ سکا تھا البتہ شارق نے حاجی کو اتنا نقصان پہنچایا تھا کہ وہ تباہی کے دہانے پر پہنچ گیا تھا۔

عرفان نے حاجی کیلئے اپنا سب کچھ برباد کر لیا تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ پولیس کے بڑے بڑے افسران اور اسمبلیوں کے ممبر اور بعض وزیر تک حاجی کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے تھے لیکن اب صورتحال بدل گئی تھی۔ ایک طرف شارق نے اسے دربدر کر رکھا تھا۔ عوامی رائے عامہ بھی حاجی کے خلاف تھی۔ حاجی شارق اور پولیس سے بچنے کیلئے بھاگا پھر رہا تھا لیکن اسے کہیں پناہ نہیں مل رہی تھی۔

حاجی کے ساتھ عرفان بھی عتاب کا شکار تھا۔ حاجی کیلئے اس نے کئی لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ عرفان نے آج تک ایسی کوئی حرکت نہیں کی تھی جس پر حاجی کو اعتراض کرنے کا موقع ملا ہو۔ عرفان اپنے دوسرے ساتھیوں کو دیکھتا تھا وہ خوب عیاشی کرتے تھے۔ ان کی راتیں شراب و شباب کی محفلوں میں گزرتی تھیں مگر عرفان کو ان چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس کی ماں نے گاؤں میں اس کی شادی طے کر رکھی تھی۔ اور عرفان اس موقع کی تلاش میں تھا کہ حاجی کو چھوڑ کر چلا جائے اور پھر رعنا اس کی نظروں میں آگئی۔

عرفان کو عورتوں سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی لیکن نجانے کیا بات تھی کہ رعنا کو دیکھ کر وہ اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ سکا تھا۔ رعنا اگرچہ شادی شدہ تھی لیکن بلا کی حسین تھی جو عرفان جیسے شخص کے دل پر قیامت ڈھا گئی تھی۔

فاروق کی کوٹھی میں رہتے ہوئے اس نے ایک دو مرتبہ رعنا پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تھی مگر رعنا اپنے آپ کو بچا گئی تھی اور پھر اس رات جب حاجی اس کوٹھی سے نکلا تھا تو عرفان بہانہ کر کے گاڑی سے اتر گیا تھا اور پھر کوٹھی میں داخل ہو کر اسے موقع مل گیا۔ رعنا کوٹھی میں اکیلی تھی اور وہ ایک سوٹ کیس میں کپڑے اور زیورات وغیرہ پیک کر رہی تھی۔ عرفان کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ لوگ بھی بھاگنے کی تیاری کر رہے تھے۔

رعنا نے مزاحمت کی تھی لیکن عرفان جیسے شخص کے سامنے چڑیا کی طرح پھڑپھڑا کر رہ گئی۔ آخر میں اس نے چیختے ہوئے عرفان پر چاقو سے حملہ کرنے کی کوشش کی تھی اور عرفان نے اسی چاقو سے اسے موت کی نیند سلا دیا تھا اور کمرے سے نکلتے ہوئے اس نے تمام زیورات اور نقدی وغیرہ بھی اٹھا لی تھی۔

حاجی کو دوسرے دن اخبارات کے ذریعے اس واقعہ کا پتا چلا تھا اور وہ اس قدر بپھر گیا تھا کہ اس نے عرفان کو اس کی مردانگی ہی سے محروم کر دیا۔

عرفان کو اس بات کا بہت دکھ ہوا تھا۔ ایک معمولی سی غلطی کی اتنی بڑی سزا۔ اس نے اسی وقت طے کر لیا تھا کہ وہ حاجی سے انتقام لے گا اور پھر اس رات وہ چودھری کرامت کے مکان کی دیوار پھاند کر بھاگ نکلا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ تھانے جا کر پولیس کو اطلاع دے گا اور پولیس حاجی کو گرفتار کر لے گی لیکن اتفاق سے اسے شارق مل گیا اور وہ اسے اپنے گھر لے آیا۔ اور اب عرفان نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ شارق کے ساتھ مل کر حاجی سے اپنا انتقام لے گا۔ عرفان بات کرتے کرتے رو پڑا تھا۔

"اوئے عرفان باؤ۔" نولکھا نے کہا۔ "مرد ہو کے روتے ہو تم فکر کیوں کرتے ہو۔ ہم حاجی

aazzamm@yahoo.com

سے تمہارا انتقام اس طرح لیں گے کہ اس کی آنے والی سات نسلیں بھی یاد کر کے عبرت حاصل کریں گی۔"

"میری تو اس نے نسل ہی ختم کر دی۔" عرفان نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ "میرے بعد میرے خاندان کا کوئی نام لیوا بھی نہیں ہو گا۔"

"ہم بھی حاجی کا قصہ ختم کر دیں گے تو فکر نہ کر۔" نولکھا نے کہا۔ "اب چھوڑو ان باتوں کو۔۔۔ چلو اٹھ کر بیٹھو تاش کی بازی ہو جائے۔ ذرا تمہارا دھیان بٹے گا۔"

ثمینہ فوراً" ہی تاش کی گڈی لے آئی۔ اس نے شارق کو اپنا پارٹنر منتخب کیا اور نولکھا عرفان کے سامنے بیٹھ گیا۔

"ان کا خیال رکھنا عرفان باؤ۔" یہ دونوں بڑے شارپ ہیں۔ اپنے مطلب کا پتا ایسے نکالتے ہیں کہ دوسرے ہاتھ کو بھی خبر نہیں ہوتی۔"

"کیوں ہم پر الزام لگا رہے ہو نولکھا بھائی۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "پرسوں تو میں نے تمہیں پتا نکالتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا تھا۔"

"وہ پرسوں کی بات تھی۔ میں آج کی بات کر رہا ہوں۔ چلو تم پتے بانٹو۔" نولکھا نے کہا۔

اب ان کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی کام نہیں تھا کہ تاش یا لوڈو کھیل کر وقت گزارتے رہیں۔ بڑی بوریت ہو گئی تھی۔ رضیہ، شاہ پری اور ثمینہ تو کچھ زیادہ بور ہو رہی تھیں۔ وہ باہر نکلنا چاہتی تھیں لیکن اس خوف سے نہیں نکل رہی تھیں کہ انہیں پہچان نہ لیا جائے۔

اس روز دوپہر کے کھانے کے بعد ثمینہ نے شارق کو بتا دیا تھا کہ آج وہ شاہ پری کو ساتھ لے کر شاپنگ کیلئے جائے گی۔

"تم جانتی ہو کہ حاجی کے آدمی شکاری کتوں کی طرح ہمیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ اگر ان میں سے کسی نے دیکھ لیا تو سارا بنا بنایا کام بگڑ جائے گا۔" شارق نے کہا۔

"شاہ پری کو تو اب تک کسی نے دیکھا نہیں۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "مجھے بھی حاجی کے صرف چند قریبی آدمیوں نے دیکھا ہوا ہے۔ ہر شخص مجھے نہیں جانتا۔ اور جو لوگ مجھے جانتے ہیں وہ اپنی جانیں بچاتے پھرتے ہیں۔ اگر حاجی نے کچھ آدمی ہماری تلاش پر لگا رکھے ہیں تو وہ بہت نچلے درجے کے ہیں۔ وہ ہمیں کہاں پہچانتے ہیں۔"

نہیں جانتا اور جو لوگ مجھے جانتے ہیں وہ بہت نچلے درجے کے ہیں۔ وہ ہمیں کہاں پہچانتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تمہارے ساتھ بحث نہیں کروں گا۔ اگر جانا چاہتی ہو تو طفیل کو ساتھ لے جاؤ۔" شارق نے کہا۔

"ہاں تمہاری یہ بات میں مان لیتی ہوں۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

طفیل اس روز گھر پر ہی تھا۔ وہ تین چار روز تک چودھری کرامت والے مکان کی نگرانی

کرتا رہا تھا۔ حاجی وہیں تھا۔ اس نے کوئی نیا ٹھکانہ تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اسے شاید شارق کی اس بات پر یقین تھا کہ وہ اس کے بارے میں پولیس کو اطلاع نہیں دے گا۔

ویسے حاجی کے پاس اب زیادہ آدمی نہیں رہ گئے تھے۔ اوپر کے سارے لوگ اپنی جانیں بچانے کیلئے روپوش ہو گئے تھے اور جو نچلے درجے کے تھے وہ بھی ادھر ادھر ہو گئے تھے۔ مختلف اڈوں پر گھوم پھر کر ہیروئن بیچنے والے کارندوں نے بھی اپنی سرگرمیاں محدود کر دی تھیں۔ بڑے آدمیوں کے روپوش ہو جانے کے بعد ہی رب نواز جیسے چھوٹے آدمیوں کو حاجی کے قریب آنے کا موقع ملا تھا۔

ثمینہ نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ نچلے درجے کے لوگ انہیں نہیں پہچانتے تھے۔ شارق سے بات ہو جانے کے بعد اس نے شاہ پری کو تیار ہونے کو کہا اور خود بھی اپنے کمرے میں گھس گئی۔

وہ تقریباً" ایک گھنٹے بعد باہر نکلی تھی۔ اسے دیکھ کر شارق بھی دنگ رہ گیا تھا۔ پہلی نظر میں تو وہ بھی اسے نہیں پہچان سکا تھا۔ اس وقت اس کے بال ہلکے سنہری رنگ کے تھے۔ آنکھوں پر تاریک شیشوں والا چشمہ اور ہلکے سے میک اپ سے اس کا چہرہ خاصا بدل گیا تھا۔ خوبصورت پرنٹ والے شلوار سوٹ میں وہ خاصی حسین لگ رہی تھی۔ شاہ پری بھی اس سے کچھ کم نہیں تھی۔ ویسے حقیقت یہ تھی کہ شاہ پری اس سے کچھ زیادہ حسین نظر آ رہی تھی۔

طفیل بھی تیار ہو گیا تھا۔ وہ سو فیصد رکشے والا لگ رہا تھا اور ظاہر ہے وہ ان لوگوں سے ملاقات سے پہلے بھی رکشہ ہی چلایا کرتا تھا۔ اس کا ہر انداز اور لب و لہجہ سو فیصد رکشہ ڈرائیور جیسا ہی تھا۔

شاہ پری اور ثمینہ سیٹ پر بیٹھ گئیں اور طفیل رکشہ سٹارٹ کر کے گیٹ کے باہر لے آیا۔ نولکھا گیٹ بند کر کے اندر چلا گیا۔ طفیل تیزاب احاطے سے ہوتا ہوا جی ٹی روڈ پر آ گیا۔

"کہاں جانا ہے بی بی لوگ۔ کچھ اتا پتا تو بتاؤ۔" اس نے پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔

"انار کلی۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"تو پھر دو موریہ پل کی طرف سے ہی چلتے ہیں۔ گڑھی شاہو کی طرف سے تو راستہ بہت لمبا پڑے گا۔" طفیل نے کہا۔

"لمبے راستے ہی سے چلو۔" ثمینہ بولی۔ "یہ شاہ پری بیچاری جب سے یہاں آئی ہے قید ہو کر رہ گئی ہے۔ آج ذرا سیر ہو جائے۔"

"تو چلو پھر۔ رب راکھا۔" طفیل نے رکشہ بائیں طرف موڑ دیا۔

گڑھی شاہو کے پل سے ہوتے ہوئے طفیل رکشے کو سیدھا نکال لے گیا اور شملہ کے اوپر سے ہوتے ہوئے منٹگمری روڈ پر موڑ لیا۔ یہ سڑک آگے جا کر لکشمی چوک کے قریب میکلوڈ روڈ

aazzamm@yahoo.com

سے مل جاتی تھی۔

ثمینہ شاہ پری کو مختلف جگہوں اور عمارتوں کے بارے میں بتا رہی تھی۔ شاہ پری کو واقعی پہلی دفعہ اس طرح باہر نکلنے کا موقع ملا تھا۔ وہ ہر چیز کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہی تھی اور ثمینہ کی باتیں بھی بڑے غور سے سن رہی تھی۔

رکشہ مختلف سڑکوں سے ہوتا ہوا لوہاری گیٹ کی طرف آ گیا۔ یہ شہر کا سب سے گنجان آباد علاقہ تھا۔ یہاں ہر قسم کا ٹریفک جاری تھا۔ تانگوں کی بھرمار تھی۔ طفیل نے رکشہ ایک دکان کے سامنے روک لیا۔ وہ دکان بند تھی اور اس کے سامنے تھڑے پر پرانی کتابوں والے نے دکان سجا رکھی تھی۔

"بھائی میرے ذرا میرے رکشے کا خیال رکھنا۔" طفیل نے کتب فروش کے ہاتھ میں دس کا نوٹ تھماتے ہوئے کہا۔

"کسی اور کو تو میں رکشے کے قریب نہیں آنے دوں گا لیکن اگر کسی سنتری نے پوچھا تو کیا جواب دوں گا۔" کتب فروش نے دس کا نوٹ جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

"سنتری کچھ نہیں کہتا۔ بس ہم ایک گھنٹے میں واپس آ جائیں گے۔ ان بیبیوں کو تھوڑی سی شاپنگ کرنی ہے۔" طفیل نے جواب دیا۔

وہ تینوں وہاں سے چلتے ہوئے انار کلی میں آ گئے۔ اس وقت پانچ بجنے والے تھے۔ انار کلی میں اس قدر رش تھا کہ کھوے سے کھوا چھل رہا تھا۔ بیشتر لوگ ثمینہ اور شاہ پری کو گھور گھور کر دیکھ رہے تھے اور بعض منچلوں نے تو قریب سے گزرتے ہوئے کندھا مارنے کی کوشش کی تھی۔

ثمینہ اور شاہ پری آگے آگے چل رہی تھیں اور طفیل ان کے نوکر کی طرح پیچھے پیچھے۔ انہوں نے کئی دکانوں سے شاپنگ کی تھی اور تمام شاپنگ بیگز طفیل نے اٹھا رکھے تھے۔ مارکیٹ میں شاپنگ کرتے ہوئے انہوں نے آلو چھولے کی چاٹ بھی کھائی تھی۔

شاہ پری کو اس طرح گھومنا پھرنا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اس کی ساری زندگی افغانستان کے ان علاقوں میں گزری تھی جنہیں چھوٹے چھوٹے دیہات ہی کہا جا سکتا تھا۔ وہ ماں باپ کے ساتھ کئی مرتبہ کابل بھی گئی تھی لیکن اس بڑے اور ماڈرن شہر میں رہتے ہوئے بھی اسے کبھی گھومنے پھرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس کے خاندان کے لوگ پرانی قدروں کے پابند تھے۔ عورتوں اور خصوصاً جوان لڑکیوں کا گھومنا پھرنا پسند نہیں کیا جاتا تھا۔ ایک گھر سے دوسرے گھر جانا ہوتا تو شٹل کاک برقعہ اس طرح پہنا جاتا کہ کوئی غیر مرد ان کے جسم تو کیا لباس کا کوئی حصہ بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اور یہاں شاہ پری کیلئے تو یہ دنیا ہی الگ تھی۔ وہ اس طرح آزادی سے گھومنے پھرنے سے بہت

محظوظ ہو رہی تھی۔

شام کا اندھیرا پھیلتے ہی دکانیں رنگ برنگی روشنیوں سے جگمگا اٹھیں۔ جب وہ واپسی کیلئے مڑے تو طفیل تو سامان سے لدھا ہوا تھا۔ ثمینہ اور شاہ پری نے بھی کئی کئی شاپنگ بیگز اٹھا رکھے تھے۔ کئی روز بعد موقع ملا تھا اور انہوں نے خوب جی بھر کے شاپنگ کی تھی۔

وہ لوگ انار کلی سے نکل کر جیسے ہی دوسری سڑک پر مڑے طفیل ٹھٹک کر رک گیا۔ کتب فروش اپنی دکان بڑھا کر جا چکا تھا اور رکشہ کے قریب دو پولیس والے کھڑے تھے۔ ایک کے ہاتھ میں بید کی چھڑی تھی اور دوسرے کے کندھے پر رائفل لٹکی ہوئی تھی۔

"کوئی گڑبڑ لگتی ہے۔" طفیل نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔ "میرے پاس رکشے کے کاغذات تو ہیں نہیں یہ لوگ اڑی کریں گے۔"

وہ لوگ رکشے کے قریب آ گئے۔ انہیں رکتے دیکھ کر ایک کانسٹیبل آگے آ گیا۔ وہ ہاتھ میں پکڑی ہوئی چھڑی رکشے پر مارتے ہوئے بولا۔

"یہ تمہارا رکشہ ہے۔"

"جی سنتری بادشاہ۔" طفیل نے شاپنگ بیگز پچھلی سیٹ پر رکھتے ہوئے کہا۔ "کیا غلطی ہو گئی سرکار۔"

"ہمارے ساتھ تھانے چلو نا۔ تمہیں بتاتے ہیں کیا غلطی ہو گئی۔" کانسٹیبل نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"کیا بات ہے کانسٹیبل اس سے کیا غلطی ہوئی ہے جو اسے تھانے لے جانا چاہتے ہو۔" ثمینہ نے کانسٹیبل کو گھورا۔ اس نے اپنے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے شاپنگ بیگ بھی سیٹ پر رکھ دیئے تھے۔

"آپ دوسرا رکشہ کر لیں بی بی۔ یہ رکشہ اب مشکوک ہو گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کسی واردات میں استعمال ہوا ہو۔" کانسٹیبل نے کہا۔ "ہم دو گھنٹوں سے اس رکشے کی نگرانی کر رہے ہیں۔"

"کیا۔۔۔" ثمینہ اچھل پڑی۔ "کیا کوئی گاڑی اس طرح کھڑی رہے تو مشکوک ہو جاتی ہے۔" وہ طفیل کی طرف مڑ گئی۔ "ڈرائیور تم رکشہ سٹارٹ کرو میں دیکھتی ہوں یہ کیسے روکتے ہیں۔" اس نے شاہ پری کو اشارہ کیا۔ وہ دونوں شاپنگ بیگز سنبھال کر سیٹ پر بیٹھ گئیں۔ طفیل بھی اپنی سیٹ پر بیٹھ کر رکشہ سٹارٹ کرنے لگا۔

"آپ لوگ ضد نہ کریں بی بی۔ کوئی دوسرا رکشہ دیکھ لیں۔ اسے ہم تھانے لے جائیں گے۔" رائفل والے کانسٹیبل نے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

اس وقت تین چار آدمی قریب آکر کھڑے ہو گئے تھے۔ ثمینہ رکشے سے اتر آئی اور کانسٹیبلوں پر چیخنے لگی۔

"کیا جرم کیا ہے اس رکشے والے نے۔ تم اسے تھانے کیوں لے جانا چاہتے ہو۔ تم لوگ وردی پہن کر اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہو۔ اس طرح شریف شہریوں کو کیوں پریشان کرتے ہو کیا چاہئے تمہیں۔"

ثمینہ کے اس طرح چیخنے سے ایک دو آدمی بھی اس کی حمایت میں بولنے لگے۔ کچھ اور لوگ جمع ہو گئے تھے۔ ثمینہ نے پولیس والوں کے خلاف یہ نفسیاتی حربہ استعمال کیا تھا جو کامیاب ہو گیا تھا۔ لوگ پولیس کو برا بھلا کہتے ہوئے ان کی حمایت کرنے لگے تھے۔

"ڈرائیور رکشہ چلاؤ۔ میں دیکھتی ہوں یہ کیسے روکتے ہیں۔" ثمینہ غصے میں چیختی ہوئی دوبارہ رکشے میں بیٹھ گئی۔

طفیل نے رکشہ سٹارٹ کر دیا اور اس مرتبہ واقعی دونوں کانسٹیبلوں میں سے کسی نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ البتہ ایک پولیس والا بال پین سے اپنی ہتھیلی پر رکشے کا نمبر نوٹ کر رہا تھا۔

"اس نے نمبر نوٹ کر لیا ہے۔" شاہ پری نے کہا۔

"کچھ نہیں ہو گا بی بی شاہ پری۔" طفیل نے جواب دیا۔

"رکشے پر نمبر اردو ہندسوں میں لکھا ہوا ہے۔ میں نے ایک کے ہندسے کو دو اور دو کے ہندسے کو تین بنا دیا ہوا ہے۔ وہ اس نمبر کے ہندسے کو ڈھونڈتے رہ جائیں گے جو اس نے نوٹ کیا ہے۔ گھر پہنچتے ہی میں رنگ سے نمبر درست کر دوں گا۔"

"ہم نے چیخ دھاڑ کر معاملہ ختم کر دیا۔ اگر وہ واقعی تمہیں تھانے لے جاتا تو؟" ثمینہ نے کہا۔

"کچھ بھی نہ ہوتا ثمینہ بی بی۔" طفیل نے جواب دیا۔ "ہم رکشہ ڈرائیوروں کے پاس پولیس والوں سے پیچھا چھڑانے کے بیسیوں طریقے ہوتے ہیں۔"

طفیل نے اگلے موڑ سے یوٹرن لیتے ہوئے رکشہ شاہ عالمی کی طرف موڑ لیا تھا۔ سڑک پر ٹریفک کا اژدہام تھا۔ اس لئے رکشے کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔ دہلی دروازے کے قریب ثمینہ نے رکشہ رکوا لیا۔ اس نے طفیل کو بھیج کر ایک دکان سے چکن تکے وغیرہ خریدے تھے۔ جب وہ گھر پہنچے تو دس بج رہے تھے۔ شارق وغیرہ پریشان ہو رہے تھے۔

"ارے بھائی شاپنگ میں دیر ہو گئی تھی۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اگر کوئی گڑبڑ ہو جاتی تو ہم اس سے نمٹ لیتے۔ ہم تو اپنا پورا بندوبست کر کے گئے تھے۔" اس نے قمیض

کے نیچے شلوار میں اڑھا ہوا پستول نکال کر میز پر رکھ دیا۔ شاہ پری نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔

"اچھا رضیہ ڈیئر!" وہ رضیہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "اب جلدی سے کھانا نکال لو۔ بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے۔"

اور پھر اس کے تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ سب بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔

○

اور پھر شارق وغیرہ کے لئے یہ اطلاع بڑی تشویشناک ثابت ہوئی تھی کہ حاجی چودھری کرامت کے مکان سے غائب ہو گیا تھا۔ یہ خبر طفیل نے دی تھی جو اس روز معلومات کرنے کیلئے اس طرف نکل گیا تھا۔

"وہ کہاں گیا ہو گا؟" شارق بڑبڑایا۔

"اس کے بہت سے ٹھکانے مجھے معلوم ہیں شارق باؤ۔" عرفان نے کہا۔ "اب میں بالکل ٹھیک ہو گیا ہوں۔ بھاگ دوڑ سکتا ہوں کیوں نہ ہم باری باری اس کے تمام ٹھکانوں پر ہلہ بول دیں۔"

"اس طرح نہ صرف وقت ضائع ہو گا بلکہ وہ ہوشیار بھی ہو جائے گا۔" شارق نے کہا۔

"پہلے ہمیں یہ معلوم کرنا ہو گا کہ وہ گیا کہاں ہے اور میرا خیال ہے چودھری کرامت سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔"

"چودھری کرامت کو بھی معلوم نہیں ہو گا کہ وہ کہاں گیا ہے لیکن کوشش کی جا سکتی ہے۔" عرفان نے کہا۔

"تو ٹھیک ہے چلو یہ کام بھی ابھی ہو جانا چاہئے۔" شارق کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

طفیل اور عرفان بھی جانے کو تیار ہو گئے۔ عرفان کو شارق نے اس لئے ساتھ لیا تھا کہ شاید چودھری کرامت اس کے سامنے زبان کھول دے۔ عرفان اور طفیل پچھلی سیٹ پر بیٹھے تھے اور شارق ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

جب وہ اپنی گاڑی پر گھر سے نکلے تو رات کے ساڑھے نو بج رہے تھے۔ انہیں شادی پور روڈ تک پہنچنے میں پون گھنٹہ لگ گیا۔ چودھری کرامت کی دکان کے سامنے ایک ٹریکٹر ٹرالی کھڑی تھی جس سے چارے کے گٹھے اتارے جا رہے تھے۔ کرامت کا ملازم لڑکا بھی قریب ہی کھڑا تھا۔

شارق نے چند گز کے فاصلے پر کار روک لی اور عرفان کی طرف دیکھ کر سرگوشیاں کرنے لگا۔ عرفان کار سے اتر گیا اور ٹہلتا ہوا دکان کے سامنے پہنچ گیا۔ کرامت کے ملازم لڑکے نے اسے کار سے اترتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ کار اندھیرے میں تھی لیکن عرفان جب قریب پہنچا تو لڑکے نے اسے

aazzamm@yahoo.com

پہچان لیا۔

اس کے چہرے پر خوف کے ہلکے سے تاثرات ابھر آئے۔

"اوئے بلے۔" عرفان اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ "کیسے ہو یار۔ ڈر کیوں رہے ہو میں تو تمہارا دوست ہوں۔"

"میں کیوں ڈرنے لگا عرفان باؤ۔ تمہارے ختنے میں نے تو نہیں کیے تھے۔" بلے نے جواب دیا۔

"اچھا۔ یہ بتاؤ اندر کون ہے۔ وہ لوگ ہیں یا چلے گئے۔" عرفان بولا۔

"وہ لوگ تو چلے گئے۔ کرامت چاچا اندر ہے۔ بتاؤں اسے۔" بلا بولا۔

"ہاں--- چلو--- میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔" عرفان نے کہا اور بلے کے ساتھ دکان میں سے ہوتا ہوا پچھلے صحن میں آ گیا۔

سامنے والے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ بتی جل رہی تھی اور چودھری کرامت چارپائی پر کروٹ کے بل لیٹا حقے کے کش لگا رہا تھا۔

"اوئے بلے--- کون ہے باہر--- مال اتر گیا۔" چودھری کرامت نے اپنی جگہ سے حرکت کئے بغیر پوچھا۔

"مال اتر رہا ہے چاچا۔ تمہارا ایک پروہنا آیا ہے۔ اسے لے کر آیا ہوں۔" بلے نے جواب دیا۔

عرفان نے آگے بڑھتے ہوئے دیکھا کہ چودھری کرامت اٹھ کر بیٹھ گیا تھا اور باہر دیکھ رہا تھا۔ صحن میں اندھیرا تھا۔ اس لئے وہ عرفان کی شکل نہیں دیکھ سکا تھا اور جب عرفان اندر داخل ہوا تو چودھری کرامت اچھل پڑا۔

"بیٹھ جاؤ چودھری۔" عرفان نے کہا۔ "میں دوست بن کر آیا ہوں۔ میری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ میں تو تم سے ذرا گپ شپ کرنے آیا ہوں۔"

"اس دن تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا اس میں میرا کوئی قصور نہیں تھا عرفان باؤ۔" کرامت نے کہا۔

"میں کب کہتا ہوں تم قصور وار ہو" عرفان بولا۔ "آرام سے بیٹھ جاؤ اور حوصلہ رکھو میں تمہارا دوست ہوں یار۔ ہماری دوستی تو بہت پرانی ہے۔ کیا میں تم سے ملنے کیلئے نہیں آ سکتا۔"

چودھری کرامت کئی منٹ بعد اپنی کیفیت پر قابو پا سکا تھا۔ اسی دوران باہر سے ٹرالی والے کی

آواز سنائی دی۔ وہ بلے کو بلا رہا تھا۔

"جاؤ دیکھو وہ کیا کہہ رہا ہے۔" کرامت نے بلے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اور ہوٹل والے کو دو چائے کیلئے کہہ آؤ۔"

"چار چائے کا کہنا اور کار میں جو آدمی بیٹھے ہوئے ہیں انہیں اندر بھیج دو۔" عرفان نے بلے سے کہا۔

کار میں دو آدمیوں کا سن کر کرامت کا چہرہ ایک بار پھر دھواں ہو گیا۔ وہ خوفزدہ سی نظروں سے عرفان کی طرف دیکھنے لگا۔

"شاید تم ان آدمیوں کا سن کر ڈر گئے ہو۔" عرفان بولا۔ "وہ بھی تمہارے دوست ہیں۔ ڈرنے کی ضرورت نہیں۔"

بلا باہر جا چکا تھا۔ اس دوران ٹریکٹر سٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ چند سیکنڈ بعد ٹریکٹر ٹرالی وہاں سے چلی گئی اور اس کے فوراً ہی بعد شارق اور طفیل اندر داخل ہوئے۔ شارق کو دیکھ کر چودھری کرامت تھر تھر کانپنے لگا۔

"شارق باؤ--- میں---"

"میں نے شارق کو سب کچھ بتا دیا ہے۔" عرفان نے کرامت کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "اس رات اگر میں شارق کے ہاتھ لگنے کے بجائے تھانے چلا جاتا تو حاجی کے ساتھ تم بھی مارے جاتے۔ مجھے یا شارق کو تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ ہم تم سے چند باتیں پوچھنے کیلئے آئے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ تم ٹھیک ٹھیک جواب دو گے۔"

"عرفان باؤ۔ تم جانتے ہو میرا بہت عرصہ سے حاجی سے لین دین ختم ہو چکا ہے۔ میرا تو اس سے ملنا جلنا بھی نہیں تھا۔ اس کا یہاں آنا مجھے اچھا نہیں لگا تھا' لیکن میں اسے منع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اگر میں اسے منع کر دیتا تو تم جانتے ہو وہ مجھے کس طرح نقصان پہنچا سکتا تھا۔"

"تم نے حاجی سے دوستی کا حق ادا کیا ہے اور میں اس کے لئے تمہیں مورد الزام نہیں ٹھہراتا۔" شارق نے کہا۔ "میں حاجی کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ انکار کی صورت میں وہ تمہیں یقیناً" بڑا نقصان پہنچاتا۔ بہرحال' لعنت بھیجو ان پچھلی باتوں پر ہم تو تم سے یہ معلوم کرنے آئے ہیں کہ حاجی کہاں گیا؟"

چودھری کرامت کچھ کہنا چاہتا تھا مگر بلے کو آتے دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ بلے نے دونوں ہاتھوں میں ٹرے اٹھا رکھی تھی۔ جس میں چائے کے چار گلاس تھے۔ اس نے ایک ایک گلاس سب کو دے دیا اور دروازے میں کھڑا ہو گیا۔

aazzamm@yahoo.com

"چل تو باہر چل کر بیٹھ میں ابھی آتا ہوں۔" کرامت نے بلے سے کہا اور اس کے جانے کے بعد شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "مجھے بالکل معلوم نہیں کہ وہ کہاں گیا ہے۔ البتہ جانے سے پہلے اس نے ٹیلی فون پر مقصود سے بات کی تھی اور وہی آکر انہیں لے بھی گیا تھا۔ اگر مجھے پتا ہوتا تو میں ضرور بتا دیتا۔"

"دیکھو کرامت۔" شارق اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "تم حاجی کے پارٹنر رہے ہو اور یہ بھی جانتے ہو کہ حاجی نے تم سے دھوکہ کیا تھا اور تمہیں دودھ میں مکھی کی طرح نکال دیا تھا۔ دھوکہ اور فراڈ اس کی فطرت میں شامل ہے ماجھا گجر کے ساتھ بھی اس نے یہی کیا تھا۔ اور پھر میرے ساتھ جو کچھ ہوا وہ بھی تم جانتے ہو۔ اس کا دین ایمان پیسہ ہے۔ وہ کسی کا دوست نہیں۔ عرفان کی ایک معمولی سی غلطی پر اتنی بڑی سزا--- اس سے تمہیں یہ بھی پتا چل گیا ہو گا کہ وہ کس قدر ظالم اور سنگدل ہے۔ کل کو وہ تمہارے ساتھ بھی یہی سب کچھ کر سکتا ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "اس کے ساتھ اگرچہ میں بھی گناہوں کی اس دلدل میں پھنسا ہوا ہوں لیکن میں نے طے کر لیا ہے کہ اسے مکمل طور پر تباہ کر کے چھوڑوں گا۔ حاجی اپنی بربادی میں دوسروں کو بھی لپیٹ رہا ہے اور تم بھی اس لپیٹ میں آ سکتے ہو۔ اگر تم بہت سے دوسرے بے گناہوں کو اور اپنے آپ کو بچانا چاہتے ہو تو ہمیں بتا دو کہ وہ کہاں گیا ہے۔ اس مرتبہ میں اسے معاف نہیں کروں گا۔"

"میں سچ کہتا ہوں شارق باؤ مجھے بالکل پتا نہیں کہ وہ کہاں گیا ہے۔" چودھری کرامت نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" شارق نے کہا۔ "ہم اس کا ٹھکانہ تو ایک دو دن میں معلوم کر لیں گے لیکن اگر مجھے یہ پتا چلا کہ تم اس کے ٹھکانے سے واقف تھے تو یقین کر لو کہ دنیا کی کوئی طاقت تمہیں مجھ سے نہیں بچا سکے گی۔"

"مجھے بالکل نہیں معلوم شارق باؤ۔ میں اپنے بچوں کی قسم کھاتا ہوں۔" کرامت بولا۔ "اگر مجھے پتا چل گیا تو میں فوراً تمہیں اطلاع دے دوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" شارق نے کہا۔ "میں دن میں ایک دو مرتبہ ٹیلی فون پر تم سے رابطہ رکھوں گا۔"

گفت و شنید کے دوران وہ چائے بھی پیتے رہے۔ باتیں دوستانہ ماحول میں ہو رہی تھیں۔ شارق نے چودھری کرامت کو یہ باور کرا دیا تھا کہ اگر وہ حاجی کے بارے میں اسے معلومات فراہم کرتا رہے تو وہ اسے تحفظ فراہم کرے گا۔

جب وہ لوگ وہاں سے رخصت ہوئے تو بارہ بجنے والے تھے۔ چودھری کرامت بھی ان کے ساتھ باہر آیا تھا۔

یہ سڑک اس وقت بالکل سنسان پڑی تھی۔ شارق نے پہلے سوچا کہ لکھوڈیر اور محمود بوٹی سے ہوتا ہوا اس سڑک پر سیدھا راوی کے پل کی طرف نکل جائے لیکن اس طرح بہت لمبا چکر پڑ جاتا۔ اس نے کار داروغہ والا کی طرف موڑ لی۔ چودھری کرامت اس وقت بھی دکان کے سامنے کھڑا تھا۔ کار سامنے سے گزری تو اس نے ہاتھ ہلایا اور اندر چلا گیا۔

شارق نے کار داروغہ والا سے باغبانپورہ کی طرف موڑ دی۔ پاکستان بازار کے قریب پہنچے تو کچھ آگے سڑک کے بیچ میں پولیس کی ایک جیپ دیکھ کر شارق چونک گیا۔ جیپ کے پاس چار پولیس والے کھڑے تھے۔

"مجھے کچھ گڑبڑ نظر آ رہی ہے۔" شارق بولا۔ "پچھلی سیٹ کے نیچے سے رائفلیں نکالو۔ جلدی کرو۔"

عرفان اور طفیل سیٹ سے اٹھ گئے اور سیٹ اٹھا کر اس کے نیچے رکھی ہوئی رائفلیں نکال لیں۔

ایک پولیس والا کار کو رکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کوئی کاغذ بھی تھا۔ شارق نے کار کی رفتار کم کر دی۔

"میں ان لوگوں کے قریب پہنچتے ہی رفتار بڑھا دوں گا اور تم لوگ ہوائی فائرنگ شروع کر دینا۔ گولی کسی پولیس والے کو نہیں لگنی چاہئے۔"

پولیس والوں کی تعداد چار ہی تھی۔ ایک جیپ کے پاس کھڑا تھا۔ ایک سڑک کے درمیان میں کھڑا کار کو رکنے کا اشارہ کر رہا تھا اور دو ذرا ہٹ کر پوزیشن لئے کھڑے تھے۔

شارق نے کار کی رفتار کم کر دی۔ سامنے کھڑا ہوا پولیس والا ایک طرف ہٹ گیا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے کاغذ کو دیکھا پھر کار کی طرف دیکھنے لگا۔ دوسرے ہی لمحہ وہ چیخ اٹھا۔ "یہی ہے وہ کار۔"

شارق نے ایک دم رفتار بڑھا دی۔ کار ایک زبردست جھٹکے سے اچھل کر آگے بڑھی۔ اس کے ساتھ ہی طفیل اور عرفان نے اپنی رائفلیں کھڑکیوں سے نکال کر ہوائی فائرنگ شروع کر دی۔

پولیس والے بدحواس ہو کر ایک دم ادھر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ عرفان نے کھڑکی کے باہر جھک کر جیپ پر فائرنگ کی۔ جیپ کا ایک ٹائر دھماکے سے پھٹ گیا۔ اب اگرچہ پولیس والوں نے بھی فائرنگ شروع کر دی تھی لیکن کار فائرنگ کی پہنچ سے بہت دور نکل چکی تھی۔

aazzamm@yahoo.com

کچھ آگے جا کر شارق نے کار دائیں طرف ایک تنگ سی سڑک پر موڑ لی۔ یہاں سڑک کے رخ پر چھوٹی چھوٹی فیکٹریاں تھیں اور ان کے پیچھے گنجان آبادی تھی۔

"شارق باؤ گاڑی اس طرف کیوں موڑ لی۔ سیدھا نکال لے جاتے۔" طفیل نے کہا۔

"تم نے دیکھا نہیں تھا کہ پولیس والے کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا جس پر ہماری گاڑی کا نمبر لکھا ہوا تھا اور جب ہم قریب پہنچے تھے تو اس نے چیخ کر کہا تھا' یہی ہے وہ کار اس کا مطلب سمجھتے ہو۔" شارق نے کار ایک اور گلی میں موڑتے ہوئے کہا۔

"کیا؟" طفیل نے پوچھا۔

"ہمارے بارے میں مخبری کی گئی تھی اور کار کا نمبر بتا کر اطلاع دی گئی تھی کہ ہم اس طرف سے گزرنے والے ہیں۔ پولیس کی اس پارٹی سے تو ہم بچ نکلے لیکن آگے باغبانپورہ تھانہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ نہر کے پاس سڑک بلاک ہو گی۔" شارق بولا۔

"پولیس کو یہ اطلاع کس نے دی ہو گی۔" طفیل بولا۔

"چودھری کرامت کے علاوہ کون ہو سکتا ہے۔" شارق بولا۔

"باہر آ کر اس نے کار کا نمبر دیکھ لیا تھا اور ہمارے وہاں سے رخصت ہوتے ہی اس نے پولیس کو فون پر اطلاع دے دی۔ اس کا خیال تھا کہ ہم بے خبری میں مارے جائیں گے لیکن اب اسے کوئی نہیں بچا سکے گا۔"

"چودھری تو واقعی حرامزادہ نکلا۔ اسے سزا ملنی چاہئے۔" عرفان نے کہا۔

کئی گلیوں میں گھومنے کے بعد شارق نے کار ایک جگہ روک لی۔ جی ٹی روڈ کی طرف پولیس کے سائرن کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ شاید مزید نفری آ گئی تھی اور انہیں گھیرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔

گلیاں سنسان تھیں۔ وہ دوڑتے ہوئے گلیوں میں مڑتے رہے اور بالآخر اس گلی میں پہنچ گئے جس کے اختتام پر چودھری کرامت کا مکان اور مین روڈ کی طرف دکان تھی۔

مکان کی دیوار کے پاس رک گئے۔ شارق نے طفیل کو اشارہ کیا۔ اس نے گلی کے اگلے موڑ پر جھانک کر دیکھا۔ دکان بند تھی اور وہاں کوئی نہیں تھا۔ اس کا اشارہ پا کر شارق' عرفان کا سہارا لے کر بڑی آہستگی سے دیوار چڑھ گیا اور پھر اس نے عرفان کو بھی اوپر کھینچ لیا۔ دیوار کے دوسری طرف اترنے میں انہیں کوئی پریشانی نہیں ہوئی تھی۔

کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور چودھری کرامت ٹیلی فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ شارق نے عرفان کو اشارہ کیا۔ وہ دکان والے دروازے کی طرف چلا گیا۔

شارق دبے قدموں چلتا ہوا کمرے کے دروازے کے قریب پہنچ گیا اور آڑ میں کھڑے ہو کر اندر کی آواز سننے لگا۔ چودھری کرامت کی آواز اگرچہ زیادہ اونچی نہیں تھی لیکن اس کے منہ سے نکلا ایک ایک لفظ شارق کی سمجھ میں آ رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"جو کام تم نہیں کر سکے وہ میں نے کر دیا ہے۔ شارق اور عرفان اب تک یا تو مارے جا چکے ہیں یا پولیس کے گھیرے میں ہیں اور وہ بچ کر نہیں جا سکیں گے۔ تم فکر ہی مت کرو۔ میں تمہارا دوست ہوں اور دوستی نبھانا جانتا ہوں۔ شارق ابھی بچہ ہے۔"

شارق آڑ سے نکل کر دروازے کے سامنے آ گیا۔ چودھری کرامت کا رخ دوسری طرف تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"اگر شارق کو پتا چل بھی گیا کہ پولیس کو میں نے اس کے بارے میں اطلاع دی تھی تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اب تم کوئی فکر مت۔۔۔" بات کرتے کرتے وہ مڑا تو شارق کو دیکھ کر آواز اس کے حلق میں اٹک گئی اور ریسیور اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اس کی آنکھیں خوف و دہشت سے پھیلتی چلی گئیں۔ وہ تھر تھر کانپنے لگا۔

شارق اسے پستول کی زد میں لیتا ہوا کمرے میں آ گیا اور ایک ہاتھ سے ریسیور اٹھا کر کان سے لگاتے ہوئے ماؤتھ پیس میں بولا۔

"شارق کو گھیرنا مارنا اتنا آسان نہیں پاجی جتنا تم سمجھ رہے ہو۔ اس بدبخت کرامت کو تو میں ابھی اس کے انجام کو پہنچا دوں گا اور اب تم بھی اپنے انجام کیلئے تیار ہو جاؤ۔ میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ تمہارے کسی ٹھکانے کے بارے میں پولیس کو نہیں بتاؤں گا لیکن اب نہ صرف پولیس تمہارے پیچھے لگے گی بلکہ میں بھی تمہارا پیچھا کروں گا۔ جتنا بھاگ سکتے ہو بھاگ لو۔" اس نے ریسیور رکھ دیا اور کرامت کی طرف بڑھا۔ "تم تو بچوں کی قسم کھا کر کہتے تھے کہ تمہیں حاجی کے ٹھکانے کا پتا نہیں۔ تم نے یہ قسم شاید اس لئے کھائی تھی کہ تمہاری بیوی کی کوکھ سے جنم لینے والے بچے تمہارے نہیں ہیں۔ چلو کوئی بات نہیں تمہاری اس بات کو تو میں معاف کر سکتا ہوں لیکن تم نے پولیس کو میرے بارے میں اطلاع دے کر اتنی بڑی غلطی کی ہے جسے میں معاف نہیں کر سکتا۔ تم سمجھتے تھے کہ پولیس مجھے آسانی سے پکڑ لے گی یا گولیوں سے بھون ڈالے گی۔ تم مجھے نہیں جانتے لیکن اب تمہیں پتا چل جائے گا۔

"مجھے معاف کر دو شارق باؤ۔" چودھری کرامت گڑگڑاتا ہوا اس کے قدموں پر گر گیا۔

شارق نے اسے پیر کی ٹھوکر سے دور گرا دیا۔ اس دوران عرفان بھی آ گیا۔ اس نے گردن سے پکڑ رکھا تھا۔ وہ بھی خوف سے بری طرح کانپ رہا تھا۔ اندر داخل ہو کر اس

aazzamm@yahoo.com

کو چارپائی پر پھینک دیا۔

"خاموشی سے پڑے رہو۔" وہ غرایا۔ "اگر تمہارے منہ سے آواز نکلی تو گولی سے اڑا دوں گا۔"

"یہ باہر بیٹھا کیا کر رہا تھا؟" شارق نے پوچھا۔

"ٹرالی کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا۔" عرفان نے بتایا۔ "تین بجے ایک اور ٹرالی پیچھے لے کر یہاں آنے والی ہے۔" وہ چند لمحے خاموش رہا پھر چودھری کرامت کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تمہیں غیرت نہیں آئی پولیس کو ٹیلی فون کرتے ہوئے۔ کیا تم سمجھتے تھے کہ ہم مار دیئے جائیں گے اور تمہیں حاجی سے انعام ملے گا۔"

"مجھ سے غلطی ہو گئی عرفان باؤ۔" کرامت اب اس کے قدموں میں گر کر گڑگڑانے لگا۔

"اس لڑکے کا اور اس کا منہ باندھ دو۔ میں اسے بتاتا ہوں کہ ایسی غلطیوں کی سزا کیا ہوتی ہے۔" شارق نے کہا۔

عرفان نے بستر کی چادر پھاڑ کر پہلے بلے کا منہ اور ہاتھ پیر باندھے اور پھر چودھری کرامت کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر اوپر پٹی باندھ دی اور پھر دونوں اس پر گھونسوں اور ٹھوکروں کی بارش کرنے لگے۔ کرامت زمین پر لوٹ پوٹ رہا تھا۔ اگر اس کا منہ بند نہ ہوتا تو اس کی چیخیں آسمان کی خبر لا رہی ہوتیں۔

عرفان نے جیب سے چاقو نکال لیا اور بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی ناک کاٹ ڈالی۔ خون کا فوارہ بہہ نکلا۔ وہ بری طرح زمین پر لوٹنے لگا۔

"میں تمہارے جسم کا ایک ایک حصہ الگ کر دوں گا۔" عرفان غرایا۔ "تم جانتے ہو میرے ساتھ کیا ہوا ہے۔ میں کسی کو معاف نہیں کروں گا۔"

"ایک منٹ عرفان۔" شارق بولا۔ "پہلے اس سے معلوم کر لو کہ حاجی اس وقت کہاں ہے۔ منہ کھول اس کا۔"

"اگر تمہارے منہ سے آواز نکلی تو ٹکڑے کر دوں گا تمہارے۔" عرفان کہتے ہوئے اس کے منہ پر بندھی ہوئی پٹی کھولنے لگا پھر منہ میں ٹھنسا ہوا کپڑا بھی نکال لیا۔

ناک کٹ جانے سے اس کی ہیئت ہی بدل گئی تھی۔ سارا چہرہ خون آلود تھا۔ گردن پر بھی طرف اتر بہہ رہا تھا اور فرش پر بھی خون کے چھینٹے پڑے ہوئے تھے۔

"بتاؤ۔۔۔ حاجی کہاں ہے؟" شارق نے پوچھا۔

نے عرفان کو اشارہ۔۔۔ وہ سمن آباد میں ہے۔" کرامت نے جواب دیا۔ اس کے منہ سے نکلنے والی آواز

میں عجیب خرخراہٹ تھی۔ "ملک سلطان کی کوٹھی نالے کے بالکل سامنے ہے۔ تم تو ملک سلطان کو جانتے ہو نا۔" اس نے خاموش ہو کر عرفان کی طرف دیکھا۔

"بس ٹھیک ہے۔" عرفان نے کہا اور اس کا منہ دوبارہ باندھ دیا۔

چارپائی پر پڑا ہوا بلا خوف سے تھر تھر کانپ رہا تھا اور جب عرفان نے کرامت پر چاقو سے وار کیا تو بلے نے جھرجھری لی اور آنکھیں بند کر لیں۔ وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔

عرفان پر جنون طاری تھا۔ وہ کرامت پر چاقو سے پے در پے وار کرتا رہا۔ بالآخر شارق نے اسے بازو سے پکڑ کر پیچھے کھینچ لیا۔ کرامت کا جسم زخموں سے چور تھا اور خون کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔ وہ ختم ہو چکا تھا۔

عرفان کچھ دیر کھڑا ہانپتا رہا پھر وہ بتدریج اپنے حواس میں آتا چلا گیا۔ اس نے چاقو پھینک دیا اور اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگا۔

"یہ کپڑے لے جاؤ۔" شارق نے کھونٹی پر لٹکے ہوئے چودھری کرامت کے کپڑوں کی طرف اشارہ کیا۔ "منہ ہاتھ دھو لو اور کپڑے بدل لو۔ ہمیں اب یہاں زیادہ نہیں رکنا چاہئے۔ پولیس کے سائرنگ کی آوازیں قرب و جوار میں سنائی دے رہی ہیں۔"

عرفان نے ایک بار پھر اپنے خون آلود ہاتھوں اور کپڑوں کی طرف دیکھا۔ اس نے بستر کی چادر سے اپنے ہاتھ صاف کئے اور کھونٹی پر لٹکے ہوئے کپڑے اتار کر باہر چلا گیا۔

شارق چودھری کرامت کی لاش کو دیکھتے ہوئے عرفان کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کتنا سنگدل اور سفاک انسان ہے۔ یہ اس نے فاروق کی بیوی رعنا کو بھی اسی طرح قتل کیا ہو گا۔

پولیس سائرنگ کی آوازیں اب چاروں طرف سے سنائی دے رہی تھیں۔ شارق کو اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ اس پورے علاقہ کو گھیرے میں لینے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ اس کی گاڑی پولیس کی نظروں میں آ گئی ہو گی اب پولیس کی زیادہ توجہ اسی علاقے پر ہو گی۔

شارق کا خیال درست نکلا۔ پولیس کی ایک گاڑی سائرنگ بجاتی ہوئی اس گلی میں سے بھی گزری تھی۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد طفیل اندر آ گیا۔ وہ دکان کے باہر پٹوں کے گٹھوں میں چھپا ہوا تھا۔

شارق باؤ۔۔۔ وہ زمین پر پڑی ہوئی کرامت کی لاش کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "پولیس اس علاقے کو گھیرے میں لے رہی ہے۔ ہمارا نکلنا مشکل ہو جائے گا۔"

"گھبراؤ نہیں پولیس گھروں کی تلاشی نہیں لے گی۔ ہم اس مکان کے اندر بالکل محفوظ ہیں۔ بشرطیکہ۔۔۔"

"آگے بول شارق باؤ۔" طفیل بولا۔

"بشرطیکہ حاجی پولیس کو یہاں ہماری موجودگی کی اطلاع نہ دے دے۔" شارق نے کہا۔

"اس جیسے کمینے آدمی سے کچھ بعید نہیں۔" طفیل بولا۔

aazzamm@yahoo.com

عرفان بھی دوسرے کمرے سے آ گیا تھا۔ اس نے منہ ہاتھ دھو کر کرامت کے کپڑے پہن لئے تھے۔ تھوڑی ہی دیر بعد ایک ٹریکٹر کی آواز سن کر وہ تینوں چونک گئے۔ شارق نے گھڑی دیکھی۔ اڑھائی بجے تھے۔ ٹریکٹر دکان کے سامنے سڑک پر رک گیا۔ طفیل نے شارق اور عرفان کی طرف دیکھا اور فوراً باہر نکل گیا۔

وہ پٹھوں سے لدی ہوئی ٹرالی تھی اور دو آدمی تھے۔ ایک ٹریکٹر پر بیٹھا ہوا تھا اور دوسرا پٹھوں کے گٹھوں کے اوپر۔ گٹھوں پر بیٹھے ہوئے آدمی نے ایک گٹھا نیچے لڑھکا دیا تھا۔

"او بھائی پٹھے اتارنے سے پہلے چودھری سے بات کر لو۔ ایک ٹرالی تو اس نے پہلے ہی اتروا لی ہے۔" طفیل نے باری باری ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہمیں بھی تو اس نے کل سے کہا ہوا تھا۔" اوپر والا آدمی نیچے اترتے ہوئے بولا۔ "اگر اسے یہ ٹرالی نہیں چاہیے تو ہم باغبانپورہ چلے جاتے ہیں۔"

"اندر آ کر چودھری سے بات تو کر لو۔" طفیل نے کہا۔

وہ دونوں ٹرالی سے اتر آئے۔ دکان کے پچھلے دروازے سے نکل کر صحن میں پہنچے، طفیل نے بڑی پھرتی سے دیوار کے ساتھ کھڑی کی ہوئی رائفل اٹھالی اور بھیڑیے کی طرح غرایا۔

"دونوں خاموشی سے دائیں طرف والے کمرے کی طرف چلو۔ اگر کوئی حرکت کی یا آواز نکالی تو گولیوں سے بھون دوں گا۔"

وہ دونوں اچھل پڑے لیکن ظاہر ہے ان کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکل سکی تھی۔ طفیل انہیں دائیں طرف والے کمرے میں لے آیا۔ جہاں شارق اور عرفان موجود تھے۔ انہوں نے ان دونوں کو باندھ کر زمین پر ڈال دیا اور منہ میں کپڑے ٹھونس دیئے۔

وہ تینوں دکان کے راستے باہر آ گئے۔ ٹھیک اسی وقت پولیس کی ایک جیپ سڑک پر سے گزری تھی۔ وہ بڑی پھرتی سے گٹھوں کی آڑ میں ہو گئے۔

جیپ دور جا چکی تھی۔ وہ تینوں باہر آ گئے۔ طفیل ٹریکٹر کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا اور وہ دونوں ٹرالی پر چڑھ کر لیٹ گئے۔ اپنی رائفلیں انہوں نے پٹھوں کے نیچے چھپا دی تھیں۔ طفیل نے ٹریکٹر سٹارٹ کیا اور اسے داروغہ والا کی طرف موڑ دیا۔

داروغہ والا موڑ پر ایک پولیس پارٹی نے انہیں روک لیا۔

"کیا بات ہے صاحب بہادر۔ آج بڑی پولیس پھر رہی ہے۔" طفیل نے ہیڈ کانسٹیبل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ادھر تم نے مشکوک آدمیوں کو تو نہیں دیکھا۔" ہیڈ کانسٹیبل نے پوچھا۔

"نہیں صاحب بہادر۔" طفیل نے جواب دیا۔ "راستے میں پولیس والوں کے علاوہ ہمیں کوئی مشکوک آدمی نہیں ملا۔ یا پھر ہم تینوں بھائی ہیں۔ ایک میں ہوں اور دو اوپر سوئے ہوئے ہیں۔"

"اوئے چل نکل یہاں سے جلدی کر۔" ہیڈ کانسٹیبل نے اسے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔

طفیل نے ٹریکٹر جی ٹی روڈ پر موڑ دیا۔ اس وقت جلو کی طرف سے بھی ایک ٹرالی آ رہی تھی لیکن اسے نہیں روکا گیا تھا۔

پولیس کی گاڑیاں اب بھی چاروں طرف گھوم رہی تھیں۔ ایک نہر کے پل پر تو پولیس کی بھاری نفری موجود تھی۔ سڑک پر عام ٹریفک تو تھا نہیں۔ گاؤں دیہاتوں کی طرف سے آنے والی ٹریکٹر ٹرالیاں اور رہڑے وغیرہ ہی تھے۔ جن پر پٹھے، سبزیاں اور دودھ کے برتن لدے ہوئے تھے۔ پولیس والے انہیں روکتے۔ سرسری سے ایک دو سوال کرتے اور پھر جانے دیتے۔

پل پر ان کی ٹریکٹر ٹرالی کو بھی روکا گیا۔ ایک سب انسپکٹر بڑے اکھڑے لہجے میں طفیل سے سوالات کرنے لگا۔

"یہ ہمارا روز کا کام ہے جی۔" طفیل نے جواب دیا۔ "ہر رات اسی وقت کبھی سبزیاں اور کبھی پٹھے لے کر منڈی جاتے ہیں۔ ہمارا اس وقت نکلنا کوئی نئی بات تو نہیں ہے۔"

"تمہارے ساتھ اور کون ہے اور یہ اوپر کون لیٹا ہوا ہے۔" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"میرے بھائی ہیں صاحب جی۔" طفیل نے جواب دیا۔ "منڈی پہنچنے تک تھوڑی سی نیند پوری کر لیں گے۔ آپ چاہیں تو اوپر چڑھ کر ان کو بھی دیکھ لیں۔"

"اچھا۔ چلو جاؤ۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"بات کیا ہے صاحب جی۔ کس کی تلاش ہے آپ لوگوں کو۔ پورے علاقے میں پولیس پھیلی ہوئی ہے۔" طفیل نے پوچھا۔

"شارق اور اس کے ساتھی اس علاقے میں موجود ہیں۔ پولیس پارٹی کو دھوکہ دے کر نکل تو گئے ہیں مگر ہیں اسی علاقے میں۔ ان کی گاڑی پکڑی گئی ہے۔ وہ لوگ بچ کر نہیں جا سکتے۔ پورے علاقے کو گھیرے میں لے رکھا ہے ہم نے۔"

"یہ شارق کون ہے صاحب بہادر؟" طفیل نے پوچھا۔

"تم نہیں جانتے اسے بہت خطرناک مجرم ہے۔" اب تم جاؤ یہاں سے۔" سب انسپکٹر نے جواب دیا اور پیچھے کھڑی ہوئی دوسری ٹرالی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جس پر گنے لدے ہوئے تھے۔

طفیل نے ٹریکٹر کو گیئر میں ڈال دیا اور اس طرح وہ پولیس کے ہجوم میں سے بڑے آرام سے نکل آئے۔

aazzamm@yahoo.com

پولیس کی سرگرمیاں سک نہر کے ساتھ باغبانپورہ تھانے تک ہی محدود تھیں۔ شالامار باغ سے آگے کوئی غیر معمولی بات دیکھنے میں نہیں آ رہی تھی۔ مغل پورہ والے موڑ سے ذرا آگے سڑک کے ساتھ کھلی جگہ پر سبزی منڈی لگنا شروع ہو گئی تھی۔

گھاس منڈی کے قریب پہنچ کر طفیل نے ٹریکٹر سڑک کے کنارے پر روک لیا۔ ٹرالی پر گٹھوں کے اوپر بیٹھے ہوئے شارق اور عرفان بھی اٹھ کر بیٹھ گئے تھے اور انہوں نے پٹھوں کے نیچے چھپائی ہوئی رائفلیں بھی نکال لیں۔

طفیل ٹریکٹر سے نیچے اتر آیا تھا۔ چند ہی منٹ بعد پاکستان بازار کی طرف سے ایک کار آتی ہوئی دکھائی دی تھی۔ اس میں صرف ایک ہی آدمی تھا۔ کار جیسے ہی سڑک پر پہنچی طفیل نے سڑک کے بیچ میں آکر ہاتھ کے اشارے سے اسے روک لیا اور جھک کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے آدمی سے بات کرنے لگا۔ اس دوران شارق اور عرفان بھی ٹرالی سے اتر آئے۔

"انجن چلتا چھوڑ دو اور کار سے اتر آؤ۔" شارق نے ڈرائیور کو پستول دکھاتے ہوئے کہا۔

ڈرائیور کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ اس نے طفیل اور عرفان کے پاس رائفلیں دیکھ لی تھیں۔ وہ خوف سے تھر تھر کانپنے لگا اور دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔

"وہ اس طرف قبریں دیکھ رہے ہو۔" شارق نے ایک طرف اشارہ کیا۔ سڑک سے کافی ہٹ کر ایک قبرستان تھا جس کے سامنے کچھ حصے پر چند دکانیں بنی ہوئی تھیں جو اس وقت بند تھیں۔

"خاموشی سے اس قبرستان کی طرف چلے جاؤ۔ اگر شور مچانے کی کوشش کی تو لاتعداد گولیاں تمہارے جسم میں پیوست ہو جائیں گی۔"

وہ شخص لڑکھڑاتا ہوا قبرستان کی طرف چل پڑا۔ اسے دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ کسی وقت گر پڑے گا۔ شارق کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا اور پھر طفیل اور عرفان کے بیٹھتے ہی اس نے کار کو گیئر میں ڈال کر یوٹرن لیا اور اسے تیزی سے جی ٹی روڈ پر دوڑا لیا۔

کار کا مالک سڑک پر آکر شور مچانے لگا مگر کار بہت دور نکل چکی تھی۔

○

"شارق باؤ۔" عرفان کہہ رہا تھا۔ "تمہیں یاد ہے میری اور تمہاری پہلی ملاقات حاجی کی داروغہ والا کی کوٹھی میں ہوئی تھی۔"

"ہاں مجھے اچھی طرح یاد ہے اور یہ بھی یاد ہے کہ ماجھا گجر مجھے وہاں لے کر گیا تھا۔"

"بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔" عرفان بولا۔ "اور جب تم نے حاجی کے خلاف اس کوٹھی پر ہلہ بولا تھا تو حاجی وہاں سے بھاگ گیا تھا۔ تم اس کوٹھی کے بارے میں کچھ اور بھی جانتے ہو؟"

"وہ کوٹھی تو عرصہ سے خالی پڑی ہے۔ اس میں کیا خاص بات ہو سکتی ہے۔" شارق بولا۔

"انہی دنوں تم نے قصور کے علاقے میں حاجی کا سونا پکڑا تھا۔" عرفان نے کہا۔ "اس سے کتنی تگنی مقدار میں سونا اس کوٹھی میں موجود تھا۔"

"وہ تو اس نے وہاں سے نکال لیا ہو گا؟" شارق نے کہا۔

"نہیں۔ وہ سونا اب بھی اسی کوٹھی کے تہ خانے میں موجود ہے۔" عرفان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اس بات کو تو عرصہ بیت گیا۔ حاجی نے وہ سونا وہاں سے نکال لیا ہو گا۔" شارق نے کہا۔

"نہیں شارق باؤ۔ وہ سونا اب بھی وہاں موجود ہے۔" عرفان نے جواب دیا۔ "اگر وہ سونا وہاں سے نکالا گیا ہوتا تو مجھے علم ہوتا۔ وہ سونا اب بھی وہاں موجود ہے۔"

"تو پھر کسی دن ہو جائے حملہ اس کوٹھی پر۔" ثمینہ نے کہا۔

"کسی اور دن کیوں۔ آج ہی کیوں نہیں۔" عرفان نے کہا۔ "وہاں صرف ایک آدمی ہے۔ کوٹھی کا چوکیدار۔ اسے قابو کرنا مشکل نہیں ہو گا۔ حاجی تو ویسے بھی سمن آباد میں سلطان والی کوٹھی میں چھپا بیٹھا ہے۔ وہ باہر نکلنے کی ہمت نہیں کرے گا۔"

"تو پھر ٹھیک ہے تیاری پکڑو۔" شارق کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

اس وقت رات کے آٹھ ہی بجے تھے۔ شارق، طفیل اور عرفان کے ساتھ ثمینہ بھی جانے کو تیار ہو گئی۔ ساڑھے آٹھ بجے وہ چاروں اپنے مکان سے نکل رہے تھے۔ ان کے پاس کوئی گاڑی وغیرہ نہیں تھی۔ اس رات چھینی ہوئی گاڑی انہوں نے ایک سڑک پر چھوڑ دی تھی اور یہ اس کے چوتھے دن کی بات تھی۔

تیزاب احاطے کے چوک پر انہیں ٹیکسی مل گئی اور وہ لوگ داروغہ والا کی طرف روانہ ہو گئے۔

حاجی کی کوٹھی سے چند گز دور انہوں نے ٹیکسی چھوڑ دی۔ وہ چاروں پیدل چلتے ہوئے کوٹھی کے سامنے پہنچ گئے۔ شارق وغیرہ تو کوٹھی کے سامنے درختوں کی آڑ میں کھڑے ہو گئے اور ثمینہ نے آگے بڑھ کر کال بیل بجا دی۔ دروازہ تیسری مرتبہ بیل بجانے کے بعد ہی کھلا تھا۔ وہ گٹھے ہوئے جسم کا تنومند آدمی تھا۔ عمر چالیس کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ ثمینہ نے اس کی قمیض کے نیچے پستول کی موجودگی کا اندازہ لگا لیا تھا۔

"کس سے ملنا ہے بی بی۔" اس نے سوالیہ نگاہوں سے ثمینہ کی طرف دیکھا۔

"یہ اکبر صاحب کی کوٹھی ہے نا۔۔ مجھے اندر آنے کے لئے راستہ تو دو۔" ثمینہ نے مسکراتے

aazzamm@yahoo.com

ہوئے کہا اور بڑی آہستگی سے اس آدمی کو ہٹاتے ہوئے اندر داخل ہو گئی۔

"بی بی-- آپ غلط جگہ پر آ گئی ہیں- یہ کوٹھی اکبر صاحب کی نہیں ہے-" چوکیدار نے ثمینہ کو روکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا- مگر وہ دو قدم مزید آگے آ گئی-

"اوہ-- اب مجھے یاد آ گیا" ثمینہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولی- "یہ کوٹھی حاجی عبداللہ کی ہے- ہاں ہاں بالکل وہی ہے-"

"آپ آپ ٹھیک سمجھیں- مگر آپ--" چوکیدار کہتے کہتے خاموش ہو کر دروازہ کی طرف دیکھنے لگا- پہلے طفیل اندر داخل ہوا پھر شارق اور آخر میں عرفان کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خوف سا ابھر آیا- "تت-- تم-- تم لوگ کون ہو بھئی- اس طرح اندر کیوں گھس آئے ہو؟"

"واہ شیر محمد واہ-" عرفان مسکراتے ہوئے بولا- "مجھے پہچاننے سے ہی انکار کر دیا-"

"تت--- تم یہاں کیوں آئے ہو-" چوکیدار شیر محمد نے کہا- "حاجی صاحب نے تمہارے بارے میں سب کو اطلاع دے دی ہے- تم نے تین دن پہلے ان کا ایک بندہ بھی مارا تھا- پولیس تمہاری تلاش میں ہے اور اگر حاجی کو پتا چل گیا کہ تم یہاں آئے ہو تو وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا-"

"اسے پتا کیسے چلے گا-" عرفان نے کہتے ہوئے جیب سے پستول نکال لیا-

شیر محمد کا چہرہ دھواں ہو گیا- وہ مڑ کر برآمدے کی طرف دیکھنے لگا جہاں بان کی چارپائی پر اس کی دو نالی بندوق رکھی ہوئی تھی-

"اب خاموشی سے اندر چلو- ورنہ گولی مار دوں گا-" عرفان غرایا-

"تم غلط کر رہے ہو عرفان باؤ-" اگر حاجی کو پتا چل گیا تو وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا-" شیر محمد نے کہا-

"اندر چلو-" عرفان نے اس کے کولہوں پر لات رسید کر دی-

"چچ-- چلتا ہوں-" شیر محمد لڑکھڑا کر آگے بڑھ گیا-

عرفان اس سے دو قدم پیچھے تھا- برآمدے میں پہنچ کر شیر محمد نے اچانک ہی گھوم کر عرفان کے پیٹ پر ٹھوکر مار دی اور چارپائی پر پڑی ہوئی بندوق کی طرف لپکا- لیکن اس سے پہلے کہ وہ وہاں تک پہنچتا' شارق ہوا میں اڑتا ہوا چارپائی پر گرا اور بندوق پر قبضہ کر لیا-

"تم واقعی بہادر ہو-" وہ شیر محمد کی طرف دیکھتے ہوئے بولا- "یہ جانتے ہوئے کہ ہم چار ہیں تم نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی- میں تمہاری بہادری کی داد دیتا ہوں لیکن اب خاموشی سے اندر

چلو اور ایک بات ذہن میں رکھنا کوئی اور چالاکی تمہاری زندگی کا خاتمہ بھی کر سکتی ہے-"

"شیر محمد چند لمحے خونخوار نظروں سے باری باری انہیں دیکھتا رہا پھر اس نے جیب سے چابیوں کا گچھا نکالا اور برآمدے والا دروازہ کھول دیا-

سب سے پہلے عرفان اندر داخل ہوا- اس نے دیوار ٹٹول کر بتی جلا دی اور شارق وغیرہ شیر محمد کو دھکیلتے ہوئے اندر آ گئے-

سڑک پر ٹریفک جاری تھا- اس خدشے کے پیش نظر کہ وہ دیکھ نہ لئے جائیں شارق نے دروازہ بند کر دیا اور سوالیہ نظروں سے عرفان کی طرف دیکھنے لگا-

"اسے باندھ کر یہاں قالین پر ڈال دیتے ہیں- ہم اطمینان سے اپنا کام کرتے رہیں گے-" عرفان نے اس کی نگاہوں کا مطلب سمجھتے ہوئے کہا-

شارق ادھر ادھر دیکھنے لگا- یہ بڑا ہال کمرہ تھا جو پوری طرح آراستہ تھا- فرش پر دبیز قالین اور صوفے بچھے ہوئے تھے- شیشے کی ٹاپ والی تین کافی ٹیبلز تھیں- ایک دیوار پر خانہ کعبہ کی تصویر کا بہت بڑا خوبصورت فریم آویزاں تھا- مینٹل پیس پر بھی ڈیکوریشن کی کچھ چیزیں آراستہ تھیں- ہر چیز صاف ستھری تھی جس کا مطلب تھا کہ شیر محمد اپنے فرائض سے غافل نہیں تھا-

طفیل برآمدے میں جا کر چارپائی کی پائنتی کی رسی نکال لایا اور شیر محمد کو باندھ کر قالین پر ڈال دیا گیا-

"ہمیں پچھلے کمرے کی طرف جانا ہو گا-" عرفان نے کہا-

"تم دونوں یہیں رکو-" شارق نے ثمینہ اور طفیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا- "اول تو یہاں کسی اور کے آنے کی امید نہیں لیکن اگر کوئی آ بھی گیا تو اڑا دینا اسے-"

طفیل نے جیب سے پستول نکال لیا اور شیر محمد کے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا- شارق اور عرفان اندرونی دروازے میں داخل ہو گئے تو ثمینہ ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھنے لگی-

عرفان اور شارق دو تین کمروں سے ہوتے ہوئے ایک کمرے میں رک گئے-

"اس الماری کے پیچھے تہ خانے کا راستہ ہے-" عرفان نے شیشے کے دروازے والی ایک الماری کی طرف اشارہ کیا- الماری کو تالا لگا ہوا تھا اور اس میں کچھ کتابیں سجی ہوئی تھیں- تمام مذہبی کتابیں تھیں جنہیں دیکھ کر یہی کہا جا سکتا تھا کہ حاجی بہت دیندار اور نیک آدمی ہے-

عرفان نے تالا توڑ دیا اور الماری کھول کر سب سے نیچے والے خانے سے کتابیں نکال کر قریب پڑی ہوئی کرسی پر رکھنے لگا- پھر خالی ہونے والی جگہ پر ہاتھ ڈال کر اندر لگے ہوئے ایک کنڈے کو کھینچ لیا- پوری الماری گھوم گئی-

aazzamm@yahoo.com

الماری کے پیچھے طرف ایک کشادہ خلا تھا۔ عرفان نے اندر داخل ہو کر دیوار پر لگا ہوا سوئچ آن کر دیا اور شارق کو اشارہ کیا۔

خلا میں روشنی ہو گئی تھی۔ شارق اندر داخل ہو گیا۔ تقریباً" چار فٹ چوڑی سیڑھیاں تھیں۔ وہ دونوں سیڑھیاں اترتے ہوئے نیچے آ گئے۔ سیڑھیوں کے اختتام پر بھی ایک دروازہ تھا جس پر موٹا سا تالا لگا ہوا تھا۔ عرفان نے پستول کی نال تالے پر رکھ کر ٹرائیگر دبا دیا۔ تالا ٹوٹ کر لٹک گیا۔ اسے یقین تھا کہ فائر کی آواز اس کوٹھی سے باہر نہیں گئی ہو گی۔

دروازے کے دوسری طرف کشادہ ہال تھا جس کے اطراف میں کمرے بنے ہوئے تھے۔ وہ ایک ایک کمرے کا دروازہ کھولتے گئے۔ تین کمرے خالی تھے۔ ایک کمرے میں لکڑی کی پندرہ بیس پیٹیاں تھیں۔ شارق نے ایک دو پیٹیاں کھول کو دیکھیں ان سب میں روسی ساخت کے پستول بھرے ہوئے تھے اور آخری کمرے میں لکڑی کی چار پیٹیاں تھیں۔ انہیں کھولتے ہوئے شارق کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ انت مام پیٹیوں میں سونے کے بسکٹ بھرے ہوئے تھے اور شارق کے اندازے کے مطابق اس سونے کا مجموعی وزن چار ٹن سے کم نہیں تھا۔

"حیرت ہے۔" وہ عرفان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اتنا اسلحہ اور سونا یہاں موجود ہے لیکن اس کوٹھی کو بالکل غیر محفوظ چھوڑ دیا گیا۔"

"اس کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں۔" عرفان بولا۔ "یہ سونا اور اسلحہ اس وقت یہاں لایا گیا تھا جب تم نے قصور میں اس کا سونا لوٹا تھا اور اس واقعہ کو چار مہینے ہو چکے ہیں۔ پھر یہ کوٹھی پولیس کی نظروں میں آ گئی۔ حاجی کی تلاش میں پولیس تین مرتبہ اس کوٹھی پر چھاپہ مار چکی ہے۔ حاجی نے اگرچہ اس کے بعد ایک مرتبہ بھی ادھر کا رخ نہیں کیا لیکن اسے یہ اطمینان ہو گا کہ سونا محفوظ ہے۔ وہ جس قسم کے حالات سے دوچار رہا ہے ان کے پیش نظر اسے یہ اسلحہ اور سونا کہیں اور منتقل کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ وہ اسے لے کر کہاں جاتا۔ ہر جگہ تو چھاپے پڑے رہے ہیں۔ اس لئے ہر جگہ غیر محفوظ سمجھ کر اس نے یہ مال یہیں رہنے دیا۔ صرف ایک چوکیدار کا رکھا جانا بھی ایک نفسیاتی حربہ ہو سکتا ہے کہ وہ صرف کوٹھی کے سامان کی دیکھ بھال کیلئے ہے۔ ویسے اس تہ خانے کا راستہ حاجی اور مقصود کے علاوہ کسی کو بھی معلوم نہیں۔ مجھے بھی ایک روم محض اتفاق سے پتا چل گیا تھا اور میں نے حاجی سے اس کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔"

"یہ کوٹھی تو اب بھی پولیس کی نگاہ میں ہو گی۔" شارق بولا۔ "اگر پولیس کو بھنک بھی مل گئی کہ یہاں کوئی موجود ہے تو وہ ریڈ کرنے میں دیر نہیں لگائیں گے۔"

"اسی لئے تو برآمدے والا دروازہ بند کر دیا گیا ہے اور کوئی فالتو بتی بھی نہیں جلائی گئی تاکہ

کسی کی توجہ مبذول نہ ہو سکے۔ ویسے بھی اب کیا پروگرام ہے۔" عرفان نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ٹیلی فون کہاں ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"اوپر۔" عرفان نے جواب دیا۔

وہ دونوں اوپر اس کمرے میں آ گئے جہاں ٹیلی فون موجود تھا۔ ان کی آوازیں سن کر ثمینہ بھی اس کمرے میں آ گئی تھی۔ شارق نے فون کا ریسیور اٹھا کر ایس پی سہیل کے گھر کا نمبر ملایا۔ کال اس کی بیٹی نے ریسیو کی تھی۔

"پاپا کھانے کی میز پر بیٹھے ہیں۔ کچھ مہمان آئے ہوئے ہیں۔ آپ ایک گھنٹے بعد فون کیجئے گا۔" اس نے کہا۔

"ان سے کہو کہ شارق کا فون ہے۔ کھانا کھا کر مجھے اس نمبر پر رنگ کر لیں۔ میں یہاں چند منٹ سے زیادہ نہیں رکوں گا۔" شارق نے سیٹ پر لکھا ہوا نمبر نوٹ کروا کر ریسیور رکھ دیا۔

صرف دو منٹ بعد فون کی گھنٹی بجی۔ شارق نے مسکراتے ہوئے ریسیور اٹھا لیا۔ اس کی توقع کے عین مطابق کال ایس پی سہیل کی تھی۔

"مجھے شارق سے بات کرنی ہے۔ ابھی اس نے مجھے فون کیا تھا۔"

"شارق ہی بول رہا ہوں جناب۔" شارق نے جواب دیا۔ "آپ کو کھانے کے دوران زحمت دی۔ لیکن کیا کروں میرے پاس وقت کم ہے اور اطلاع بہت اہم۔۔ اب فرمایئے کیا حکم ہے۔"

"میں تمہاری بات سن رہا ہوں۔ تفصیل سے بتاؤ۔" سہیل نے کہا۔

"یہاں اسلحہ کی چند پیٹیاں اور تقریباً" چار ٹن سونے کے بسکٹ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اوہ کہاں' فوراً" بتاؤ میں آ رہا ہوں۔" سہیل بولا۔

"داروغہ والا میں حاجی کی ایک پرانی کوٹھی ہے۔" شارق بتانے لگا۔ "اس کوٹھی کے تہ خانے کے دو کمروں میں اسلحہ اور سونے کی پیٹیاں رکھی ہوئی ہیں۔ میں تہ خانے کا دروازہ کھلا ہوا چھوڑ جاؤں گا۔ ایک کمرے میں آپ کو حاجی کا ایک آدمی بھی بندھا ہوا ملے گا۔ تو آپ کتنی دیر میں آ رہے ہیں۔"

"ایک گھنٹہ تو لگے گا۔" سہیل نے جواب دیا۔

"میں ٹھیک ایک گھنٹے تک انتظار کروں گا اور آپ سے پہلے یہاں کسی اور کو نہیں پہنچنا چاہئے۔ آپ میری بات سمجھ رہے ہیں نا؟" شارق بولا۔

aazzamm@yahoo.com

"سمجھ رہا ہوں۔۔"

سہیل کچھ اور کہنا چاہتا تھا مگر شارق نے فون بند کر دیا۔

"ایس پی سہیل ایک گھنٹے بعد یہاں آ رہا ہے۔ ظاہر ہے وہ اکیلا نہیں ہو گا۔ ہم اس کے آنے سے چند منٹ پہلے یہاں سے نکل جائیں گے۔" شارق نے ثمینہ اور عرفان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور اس ایک گھنٹے کے دوران کیا کیا جائے۔" عرفان بولا۔

"چائے پی جا سکتی ہے۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں گھومتی ہوئی کچن کی طرف نکل گئی تھی۔ وہاں ہر چیز موجود ہے۔"

"تو پھر دیر کس بات کی ہے۔ جلدی سے چائے بنا کر لے آؤ۔ ہم نے تو ابھی تک کھانا بھی نہیں کھایا۔" شارق نے کہا۔

ثمینہ کچن کی طرف چلی گئی اور وہ لوگ ہال کمرے میں آ گئے۔ شیر محمد قالین پر پڑا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور اسی رسی سے پیر بھی بندھے ہوئے تھے۔ طفیل اس کے سامنے صوفے پر بیٹھا پستول سے کھیل رہا تھا۔

پندرہ منٹ بعد ثمینہ چائے بنا کر لے آئی۔ چائے کے دوران گفتگو بھی جاری رہی۔ عرفان نے شارق سے سوال کیا تھا کہ اس نے ایس پی سہیل کو اطلاع کیوں دی۔

"اس لئے کہ وہ ایک دیانتدار اور فرض شناس آفیسر ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ "حاجی کے اڈوں کے بارے میں اس سے پہلے بھی اسی کو اطلاع دیتا رہا ہوں۔ اب یہاں سونے کے بسکٹوں کی چار پیٹیاں ہیں اور میں دعوے سے کہتا ہوں کہ ان پیٹیوں میں سے ایک بھی بسکٹ غائب نہیں ہو گا۔"

"پولیس کا ہر آدمی اگر ایسا ہی ذمہ دار اور فرض شناس اور دیانتدار ہوتا تو ہم اس طرح تباہی کے دہانے پر نہ کھڑے ہوتے۔"

وہ لوگ اسی موضوع پر گفتگو کرتے رہے۔ تقریباً" پینتالیس منٹ بعد وہ لوگ اٹھ کر برآمدے میں آ کھڑے ہوئے پھر کوٹھی سے باہر آ گئے۔ پولیس اب کسی بھی وقت پہنچ سکتی تھی۔

"اگرچہ ساڑھے دس بج رہے تھے لیکن سڑک پر اب بھی ٹریفک رواں دواں تھا۔ زیادہ آمدورفت بسوں، ٹرکوں اور ٹریکٹر ٹرالیوں کی تھی۔ وہ چاروں کوٹھی سے تقریباً" پچاس گز آگے جا کر سڑک پار کر کے اس طرح کھڑے ہو گئے جیسے کسی بس وغیرہ کا انتظار کر رہے ہوں۔

انہیں آدھا گھنٹہ مزید انتظار کرنا پڑا اور پھر سفید رنگ کی ایک کار اور پولیس کی چار پانچ

گاڑیاں کوٹھی کے سامنے رکیں۔ مسلح پولیس والے گاڑیوں سے اتر کر کوٹھی کے سامنے پھیل گئے۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ کچھ پولیس والے رائفلیں تانے اندر گھس گئے تھے۔ سفید کار سے اترنے والا شخص سادہ لباس میں تھا۔ وہ بھی کار سے اتر کر دوڑتا ہوا کوٹھی میں گھس گیا۔

شارق وغیرہ سڑک کے دوسری طرف کھڑے دیکھتے رہے۔ اس نے دور ہی سے سفید کار سے اترنے والے سادہ لباس والے شخص کو پہچان لیا تھا۔ وہ ایس پی سہیل تھا۔

شارق مطمئن ہو گیا۔ چند منٹ بعد اس نے جلو کی طرف سے آنے والی ایک ویگن کو اشارہ کیا۔ ویگن تقریباً" خالی تھی۔ وہ چاروں اس میں بیٹھ گئے۔ کوٹھی کے سامنے سے گزرتے ہوئے شارق نے گردن گھما کر دیکھا۔ ایس پی سہیل ایک باوردی انسپکٹر کے ساتھ کوٹھی کے گیٹ پر کھڑا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

شارق کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

○

اخبار میں یہ خبر پڑھ کر حاجی ناچ اٹھا تھا۔

وہ ان دنوں سمن آباد میں اپنے ایک پرانے کارکن سلطان کی کوٹھی میں پناہ لئے ہوئے تھا۔ سلطان دراصل جرمنی میں اس کا نمائندہ تھا۔ وہ کئی سال سے جرمنی میں رہائش پذیر تھا۔ جرمنی کے علاوہ مشرقی یورپ کے اور بھی کئی ممالک سے اس کے رابطے تھے۔ کاروبار کی آڑ میں جرمنی میں جو بھی مال پہنچتا وہ سلطان کے ذریعے ہی ترسیل ہوتا تھا۔ لیکن کچھ عرصہ سے مال کی ترسیل میں گڑبڑ ہو رہی تھی۔ ایک مرتبہ تو اس نے جرمنی کے ایک اخبار میں بھی یہ خبر پڑھی تھی کہ پاکستان میں ہیروئن کے بین الاقوامی سمگلر حاجی عبداللہ کی گرفتاری کیلئے چھاپے مارے جا رہے ہیں۔ اسے تھوڑی بہت گڑبڑ کا پتا تو چلا تھا لیکن تفصیلی حالات معلوم نہیں تھے۔

جرمنی میں اسے مختلف پارٹیوں سے معاملات میں خاصی دشواری پیش آ رہی تھی۔ پاکستان سے مال نہیں پہنچ رہا تھا اور پارٹیاں اسے پریشان کر رہی تھیں۔ اس نے کئی مرتبہ حاجی سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی مگر کامیاب نہیں ہو سکا تھا اور بالآخر صورتحال معلوم کرنے کیلئے خود آ گیا تھا۔

لاہور پہنچ کر بھی اس نے حاجی سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن فوری طور پر کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ یہاں آنے کے دوسرے ہی دن اسے بڑی حیرت ہوئی تھی کہ حاجی جیسا بااثر آدمی پولیس سے چھپتا پھر رہا تھا۔ لاہور پہنچ کر ہی سلطان کو شارق اور ثمینہ کے بارے میں بھی پتا چلا تھا۔ ان دونوں کے بارے میں اس نے سنا ضرور تھا لیکن ملاقات کبھی نہیں ہوئی تھی۔

aazzamm@yahoo.com

صورتحال سے اندازہ ہوتا تھا کہ حاجی کی تباہی کے ذمہ دار ثمینہ اور شارق ہی ہیں۔

کئی روز بعد سلطان مقصود سے رابطہ کرنے میں کامیاب ہو گیا اور مقصود سے ہی اسے اصل صورتحال کا علم ہوا تھا۔ مقصود سے بات ہونے کے دوسرے ہی دن نمبر مارکیٹ والے اسلحہ کے گودام پر چھاپہ پڑا تھا اور پھر اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں سے پتا چلا تھا کہ حاجی کی تباہی کے ذمہ دار شارق اور ثمینہ ہی تھے۔ وہی حاجی کے اڈوں کی مخبری کر رہے تھے۔ اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں سے یہ بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ شارق بھی پولیس کو اتنا ہی مطلوب ہے جتنا حاجی۔ لیکن سلطان کے لئے حیرت کی بات یہ تھی کہ ایک عام آدمی حاجی سے تو شدید نفرت کرتا تھا لیکن شارق کو نہ صرف عوام کی ہمدردیاں حاصل تھیں بلکہ پولیس کا اعلیٰ سطح کا ایک حلقہ بھی اس کی حمایت میں تھا۔

اور پھر مقصود ہی سے سلطان کو یہ پتا چلا کہ حاجی ان دنوں چودھری کرامت کے ہاں پناہ گزیں ہے۔ وہ کرامت کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا اور نہ ہی مقصود نے اس کا فون نمبر یا پتا وغیرہ بتایا تھا۔ وہ حاجی سے بات کرنا چاہتا تھا لیکن مقصود نے کہا تھا کہ حاجی کو اس کا نمبر دے دیا گیا ہے وہ مناسب وقت پر خود ہی اس سے رابطہ کر لے گا۔

اور پھر اس رات گیارہ بجے کے قریب اسے حاجی کا فون ملا تھا۔ فون پر زیادہ تفصیل سے بات نہیں ہوئی تھی۔ حاجی نے صرف اتنا کہا تھا کہ وہ اس کے گھر آ رہا ہے اور پھر تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد حاجی دو آدمیوں کے ساتھ اس کی کوٹھی پر پہنچ گیا۔ ان میں ایک رب نواز تھا اور دوسرا دلاور۔

سلطان کی کوٹھی بیس کنال کے رقبے پر مشتمل تھی۔ ایک حصے پر رہائشی عمارت تھی اور باقی حصے پر بہت بڑا لان بنا ہوا تھا۔ کوٹھی کی دیوار کے ساتھ ساتھ اندر کی طرف آم اور جامن کے درخت بھی تھے۔ سلطان اگرچہ طویل عرصہ سے ملک سے باہر تھا لیکن اس کا ملازم بہت مناسب طریقے سے کوٹھی کی دیکھ بھال کرتا رہا تھا۔

کوٹھی کے سامنے بیس فٹ چوڑی پختہ سڑک تھی۔ اس سے آگے پندرہ بیس فٹ چوڑا پختہ نالا تھا۔ اس نالے کے وسط میں تین چار فٹ چوڑی نالی تھی جس میں پانی بہتا رہتا تھا۔ باقی حصہ خشک رہتا تھا۔ البتہ برسات کے دنوں میں یہ نالہ پانی سے بھر جاتا تھا۔ پچھلے دنوں کی بارش سے اس نالے میں اب بھی تھوڑا بہت پانی تھا۔ نالے کے دوسری طرف بھی ایسی ہی سڑک اور اس کے ساتھ کوٹھیاں تھیں۔

سلطان کی کوٹھی کے پچھلی طرف کشادہ گلی تھی اور اس طرف بھی گیٹ تھا۔ ان کوٹھیوں میں رہنے والوں کی زیادہ آمدورفت اسی گلی سے ہوتی تھی۔ لیکن حاجی کی گاڑی نالے والی طرف سے آئی تھی۔

وہ لوگ ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے جس طرح ان کی آمد ہوئی تھی اس سے سلطان کو یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ حاجی اب یہیں رہے گا۔ کم از کم اس وقت تک جب

تک اسے کوئی خطرہ محسوس نہ ہو۔

"حاجی صاحب۔" سلطان نے کہا۔ "یہاں کے حالات دیکھ کر اور مقصود کی باتوں سے یہ اندازہ ہوا ہے کہ آپ کے خلاف ان کارروائیوں میں شارق اور ثمینہ کا بڑا ہاتھ ہے۔ یہ لوگ کون ہیں۔ کیا دشمنی ہے آپ سے۔ میں نے تو سنا تھا کہ وہ آپ کا رائٹ ہینڈ ہے۔"

"غلطی میری ہی تھی۔" حاجی نے کہا۔ "میں نے اسے فٹ پاتھ سے اٹھا کر آسمان پر پہنچا دیا لیکن وہ بہت کم ظرف نکلا۔ وہ دراصل سانپ ہے جسے میں نے آستین میں پالا تھا۔ اب وہ مجھے بار بار ڈس رہا ہے۔"

"لیکن وہ آپ کے خلاف کیوں ہوا؟ اس کی کوئی وجہ تو ہو گی۔" سلطان نے پوچھا۔ "میں نے تو سنا ہے اس نے آپ کے لئے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے تھے۔ آج تک کی تاریخ میں ہیروئن کی سب سے بڑی کھیپ اسی نے سمندر کے راستے ملک سے باہر پہنچائی تھی۔"

"ہاں یہ درست ہے۔" حاجی نے کہا۔ "مجھے یہ اعتراف ہے کہ واقعی بہت بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے تھے لیکن مجھے برباد کرنے میں بھی اس کا ہاتھ ہے۔ وہ اب تک مجھے اربوں ڈالر کا نقصان پہنچا چکا ہے۔ مجھے بالکل برباد کر دیا ہے اس نے۔ میرے منہ پر کالک مل دی ہے۔ پوری دنیا میں رسوائی ہو رہی ہے۔ پوری دنیا میں میری ساکھ تباہ کر دی ہے۔"

"اس کی کوئی وجہ تو ہو گی؟" سلطان نے کہا۔

"وجہ!" حاجی نے اسے گھورا۔ "اسے مال لینے کیلئے افغانستان بھیجا تھا۔ وہاں اس کی نیت میں فتور آ گیا۔ افغان ایجنٹوں کو قتل کر کے اس نے مال پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن دوسرے آدمی بروقت پہنچ گئے اور یہ جان بچا کر بھاگ آیا۔ یہاں آ کر اس نے مجھے ایک نئی کہانی سنا دی۔ لیکن افغان ایجنٹ بھی یہاں پہنچ گئے اور مجھے اصل کہانی کا پتا چل گیا۔ میں نے شارق سے باز پرس کرنا چاہی تو وہ دھمکیاں دیتا ہوا بھاگ گیا۔ میرا خیال تھا وہ واپس آئے گا اور ڈانٹ ڈپٹ کر معاملہ ختم کر دے گا۔ لیکن اس نے میرے خلاف کارروائیاں شروع کر دیں۔ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ میرے ایک دو آدمی اس کے ہاتھ میں مارے گئے ہیں۔"

سلطان کو حاجی کی اس کہانی پر یقین نہیں آیا تھا۔ شارق اس کا کارندہ ہی تو تھا۔ ہو سکتا ہے اس نے کوئی بے ایمانی کی ہو۔ لیکن معمولی سی بات پر اتنا بڑا ہنگامہ۔ اس قسم کے بزنس میں ایسی باتیں تو ہوتی ہی رہتی ہیں اور ایسے معاملات افہام و تفہیم سے طے بھی ہو جاتے ہیں اور پھر شارق کو حاجی کی طاقت کا اندازہ ہو گا۔ اس سے ٹکرانے کیلئے ہمت کی ضرورت تھی اور شارق نے یہ ہمت کی تھی تو یقیناً کوئی اہم بات ہو گی۔ کسی چھوٹی سی بات کیلئے وہ اپنے آپ کو خطرے میں

aazzamm@yahoo.com

نہیں ڈال سکتا تھا۔

حاجی کی بات پر یقین نہ کرنے کے باوجود سلطان نے اس سے کوئی اختلاف نہیں کیا تھا۔

"لیکن حاجی صاحب۔۔" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "عرفان تو آپ کا بہت ہی قابل اعتماد آدمی تھا اسے کیا ہوا؟"

"تم شارق کو نہیں جانتے۔" حاجی نے کہا۔ "اس کے ساتھ جو لڑکی ہے نا ثمینہ وہ ناگن ہے ناگن۔ اس نے عرفان کو اپنے حسن کے جال میں پھنسا لیا ہے اور عرفان محض اس خوبصورت ناگن کی وجہ سے مجھے چھوڑ کر ان کے ساتھ جا ملا ہے۔"

سلطان نے مزید کوئی جرح نہیں کی۔ ویسے اسے شبہ ہو گیا تھا کہیں نہ کہیں گڑبڑ ضرور ہے۔ یقیناً" حاجی سے کوئی ایسی غلطی ہوئی ہو گی جس کا خمیازہ وہ اب بھگت رہا تھا ہے۔ اس نے معاملے کی تحقیقات کرنے کا فیصلہ کر لیا اور یہ بھی طے کر لیا کہ اس معاملے میں اگر حاجی قصور وار ثابت ہوا تو وہ اسے چھوڑ کر خاموشی سے جرمنی واپس چلا جائے گا۔

حاجی کو یہاں آئے ہوئے دو دن ہو چکے تھے اور پھر تیسرے روز اخبار میں چودھری کرامت کے قتل کی خبر پڑھ کر وہ اچھل پڑا تھا۔ اس کے جسم کے مسام پسینہ اگلنے لگے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ حاجی اس قدر زیادہ خوفزدہ ہوا تھا۔ گزشتہ رات چودھری کرامت نے اسے فون پر بتایا تھا کہ شارق اور عرفان آئے تھے اور اس سے حاجی کے بارے میں پوچھ رہے تھے لیکن اس نے نہ صرف انہیں ٹال دیا بلکہ پولیس کو بھی شارق کے بارے میں فون پر گمنام اطلاع دے دی تھی اور اب وہ بچ نہیں سکے گا۔ وہ فون پر بات کر ہی رہا تھا کہ شارق کی آواز سنائی دی تھی۔ شارق نے دھمکی دی تھی۔ حاجی کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ شارق دوبارہ وہاں پہنچ گیا تھا۔

اس کے بعد حاجی نے کئی مرتبہ سوچا تھا کہ پولیس کو فون کر کے کرامت کے مکان میں شارق کی موجودگی سے آگاہ کر دے لیکن پھر اس نے یہ خیال ذہن سے نکال دیا۔ وہ جانتا تھا کہ شارق بہت چالاک آدمی ہے اور پولیس کے پہنچنے سے پہلے ہی وہاں سے نکل جائے گا اور اب اخبار میں چودھری کرامت کے قتل کی خبر پڑھ کر وہ کانپ اٹھا تھا۔ شارق نے اسے بھی دھمکی دی تھی کہ اب وہ براہ راست اس کے سامنے آئے گا۔

جب سے شارق سے تنازعہ شروع ہوا تھا شارق ہی کا پلہ بھاری رہا تھا۔ شارق اسے تباہی کے دہانے پر پہنچا چکا تھا لیکن حاجی ابھی تک اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکا تھا۔ بگاڑتا تو کیا وہ تو اس کا سراغ بھی نہیں لگا سکا تھا۔ اس کے برعکس خود حاجی کو ہر دوسرے تیسرے دن اپنا ٹھکانہ بدلنا پڑتا تھا اور حاجی کیلئے حیرت کی بات یہ تھی کہ شارق فوراً" ہی اس کے نئے ٹھکانے کا پتا چلا لیتا تھا۔ وہ

جس طرح نہایت خفیہ طور پر چودھری کرامت کے مکان سے نکلا تھا اسے یقین تھا کہ اب شارق اس کا سراغ نہیں لگا سکے گا لیکن شارق دوبارہ عین اس وقت کرامت کے مکان پر پہنچ گیا تھا جب کرامت فون پر اس سے بات کر رہا تھا اور شارق نے کرامت سے فون کا ریسیور چھین کر اس سے بات کی تھی۔

تین چار دن گزر گئے تھے۔ شارق نے اس سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔ شارق نے چودھری کرامت سے اس کا ٹھکانہ معلوم کرنے کی پوری کوشش کی ہو گی۔ کرامت نے اپنی جان تو دے دی مگر اس کا ٹھکانہ نہیں بتایا ہو گا۔

اس روز حاجی رات بھر بے چین رہا تھا۔ اسے ایک لمحہ کو بھی نیند نہیں آ سکی تھی۔ ایک عجیب سا اضطراب تھا۔ کبھی وہ بستر پر لیٹ کر کروٹیں بدلنے لگتا اور کبھی اٹھ کر ٹہلنے لگتا۔

صبح پانچ بجے کے قریب وہ کمرے سے نکل کر باہر آ گیا اور ننگے پیر لان میں گھاس پر ٹہلنے لگا۔ دلاور اس وقت برآمدے میں ایک کرسی پر بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا۔ اس کی گود میں کلاشنکوف رائفل رکھی ہوئی تھی۔ دلاور اور رب نواز رات کو باری باری جاگ کر پہرہ دیتے تھے۔

اس وقت ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ حاجی کو گھاس پر ٹہلتے ہوئے کچھ سکون سا ملا۔ وہ گھاس پر بیٹھ گیا۔ دلاور نے ایک گارڈن چیئر اس کے پاس لا کر رکھ دی۔

"کرسی پر بیٹھ جائیں حاجی جی۔ گھاس پر اوس پڑی ہوئی ہے۔ کپڑے گیلے ہو جائیں گے۔"

"اوئے رہنے دو اوئے۔" حاجی بولا۔ "اب تو ہر چیز پر اوس پڑ گئی ہے۔" دلاور دوبارہ اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ حاجی کچھ دیر تک تو گھاس پر ہی بیٹھا رہا پھر اٹھ کر کرسی پر بیٹھ گیا اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر اونگھنے لگا۔

ساڑھے چھ بجے کے قریب دھپ کی ہلکی سی آواز سن کر اس کی آنکھ کھل گئی اور وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اخبار والا گلی سے گزرتے ہوئے اخبار پھینک گیا تھا اور دلاور اپنی جگہ سے اٹھ کر اخبار اٹھانے جا رہا تھا۔ حاجی نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔

"حاجی جی۔۔ حاجی جی۔۔ یہ دیکھیں کیا ہو گیا۔۔؟"

دلاور کی آواز سن کر حاجی نے گڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔

"کیا ہوا ہے؟ کیا قیامت ٹوٹ پڑی ہے اب۔" وہ کرسی پر سنبھل کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ دلاور اس کے قریب کھڑا تھا اور اس نے اخبار اپنے سامنے پھیلا رکھا تھا۔

"غضب ہو گیا حاجی جی۔" دلاور بولا۔ "پولیس نے داروغہ والا' والی کوٹھی پر چھاپہ مارا ہے اور

aazzamm@yahoo.com

تہ خانے کا سارا مال پولیس کے قبضے میں آگیا ہے۔"

"کیا بکتے ہو۔" حاجی اچھل پڑا۔ اس نے دلاور کے ہاتھ سے اخبار جھپٹ لیا۔ پہلے ہی صفحہ پر چار کالمی سرخی تھی۔

"شارق کی نشاندہی پر حاجی عبداللہ کی کوٹھی پر چھاپہ۔"

"کروڑوں روپے کا اسلحہ اور چار من سونا برآمد۔"

"حاجی اس خبر کو پڑھتا چلا گیا۔ اس کے دماغ سے نیند کا خمار نکل گیا۔ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھوں کی سرخی کچھ اور بڑھ گئی تھی۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور سامنے کھڑے ہوئے دلاور کی طرف دیکھتے ہوئے دھاڑا۔

"صبح سویرے یہی منحوس خبر سنانی تھی تم نے مجھے۔"

"یہ خبر تو اخبار میں چھپی ہے حاجی جی۔ اس میں میرا کیا قصور۔" دلاور نے جواب دیا۔

حاجی اسے گھورتا ہوا اندر آگیا اور ہال کمرے میں ایک صوفے پر گر سا گیا۔ دلاور بھی اس کے ساتھ ہی اندر آیا تھا۔ حاجی مسلسل چیخ رہا تھا۔

"اس اخبار نے لکھا ہے کہ ایس پی سہیل کو شارق نے اسی کوٹھی سے فون پر اطلاع دی تھی۔ میں جاننا چاہتا ہوں شیر محمد کہاں مر گیا تھا۔ اس کے ہوتے ہوئے شارق کوٹھی میں داخل کیسے ہوا تھا۔

"حاجی جی اخبار میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب پولیس کوٹھی میں داخل ہوئی تو تمام دروازے کھلے ہوئے تھے اور کوٹھی کا چوکیدار شیر محمد قالین پر بندھا پڑا تھا۔ اس چھوٹی سی خبر میں شیر محمد کا بیان بھی چھپا ہے۔ آپ نے وہ نہیں پڑھا۔" دلاور نے کہا۔

"اوئے میں نے تو صرف یہی ایک خبر پڑھی ہے جس نے میرے دل پر قیامت ڈھا دی ہے۔ میرا آخری اثاثہ وہی تھا۔ میرا خیال تھا کہ پولیس کبھی اس تہ خانے تک نہیں پہنچ سکے گی۔ اس تہ خانے کے بارے میں تو شارق کو بھی معلوم نہیں تھا۔ اس نے پولیس کو کیسے بتا دیا۔"

"وہی تو آپ کو بتا رہا ہوں۔" دلاور بولا۔ "یہ شیر محمد کا بیان تو پڑھیں۔ اس کے کہنے کے مطابق ایک جوان اور خوبصورت عورت نے کال بیل بجائی تھی۔ اس نے جب دروازہ کھولا تو وہ عورت اندر گھس آئی اور اس سے کسی اکبر نامی شخص کے بارے میں پوچھنے لگی۔ اسی دوران تین آدمی اندر گھس آئے جنہوں نے اسے کمرے میں لا کر رسیوں سے باندھ دیا۔ ان تین آدمیوں میں ایک عرفان تھا۔ دوسرا شارق اور تیسرا اس کیلئے اجنبی اور وہ خوبصورت عورت ثمینہ تھی۔ ثمینہ اور اجنبی آدمی اس کے پاس کھڑے رہے اور شارق اور عرفان کسی اور کمرے میں چلے گئے تھے

اور پھر کافی دیر بعد شارق نے کسی سے فون پر بات کی تھی۔ اس کے بعد ثمینہ نے کچن میں جا کر چائے بنائی تھی۔

وہ تقریباً" ایک گھنٹہ وہاں رہے تھے پھر کوٹھی کے دروازے کھلے چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ ان کے جانے کے آدھے یا پونے گھنٹے بعد پولیس آئی تھی۔ تہ خانے کا خفیہ راستہ بھی پولیس کو کھلا ہوا ہی ملا تھا۔ ایک سادہ لباس والا پولیس آفیسر اپنے ساتھیوں سے بار بار شارق اور ثمینہ کا ذکر کر رہا تھا۔

"تو یہ حرکت عرفان کی ہے۔" حاجی غرایا۔ "جب وہ بھاگا تو مجھے اسی وقت ان باتوں کا خیال رکھنا چاہئے تھا۔ اوئے۔۔۔ تم مقصود کو فون کرو۔۔ اس سے کہو۔۔ فوراً" یہاں آئے۔"

حاجی کے چیخنے دھاڑنے کی آواز سن کر سلطان بھی اپنے کمرے سے نکل کر آگیا تھا۔ اس کے بیٹھنے پر حاجی نے اخبار اس کی طرف بڑھا دیا۔

"معلوم ہوتا ہے شارق آپ کے سارے راز جانتا ہے۔" سلطان نے خبر پڑھنے کے بعد کہا۔ "آپ کا جھگڑا ہوا تھا تو ان چیزوں کا بندوبست آپ کو اسی وقت کر لینا چاہئے تھا۔"

"[illegible] کس بات کا خیال رکھتا۔" حاجی بولا۔ "میرے اپنے ہی بندے بزدل نکلے۔ آج [illegible] کا پتا نہیں چلا [illegible] اور وہ شارق۔۔۔ وہ تو چھلاوہ ہے چھلاوہ۔۔۔ پلک جھپکنے کی دیر میں ہر جگہ پہنچ جاتا ہے۔ میں نے وہ سونا چار مہینے پہلے اس تہ خانے میں رکھوایا تھا۔ میرا خیال تھا وہ وہاں محفوظ رہے گا۔ مگر وہ تو ہر جگہ پہنچ رہا ہے۔ وہ سونا میری آخری امید تھی۔ اب میں واقعی بالکل [illegible] ہو چکا ہوں۔ میرے پاس کچھ نہیں بچا۔"

"ہاتھی مر کر بھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے حاجی صاحب۔۔" سلطان نے کہا۔ "اور آپ تو ابھی زندہ ہیں۔ یہاں آپ کے پاس کچھ نہیں بچا تو کیا ہوا باہر تو اب بھی آپ کی وہی قدر و قیمت ہے۔ آپ کے ایک اشارے پر آپ کے قدموں پر دولت کے انبار لگ سکتے ہیں۔ آپ کچھ عرصہ کیلئے باہر کیوں نہیں چلے جاتے۔"

"باہر کیسے چلا جاؤں۔" حاجی نے کہا۔ "تمام راستوں کی نگرانی ہو رہی ہے۔ میں تو اس شہر سے نہیں نکل سکتا' ملک سے کیسے نکلوں گا اور پھر یہ تمہاری خوش فہمی ہے کہ لوگ میرے قدموں پر دولت کے انبار لگا دیں گے۔ اب اس بات کو بھول جاؤ کہ باہر کے ملکوں میں میری کوئی قدر و قیمت ہے۔ اب تو کوئی مجھے اپنے قریب بیٹھنے بھی نہیں دے گا۔ یہ بڑا گندا کاروبار ہے۔ سلطان لوگوں کو میری نہیں ہیروئن کی ضرورت تھی جس سے وہ دولت کماتے تھے۔ اب میں انہیں ہیروئن سپلائی نہیں کر سکتا اس لئے کسی کو اب میری ضرورت نہیں ہو گی۔ بیرون ملک کی کیا بات کرتے ہو۔

aazzamm@yahoo.com

یہیں پر آزما کر دیکھ لو۔ جنہیں میں نے کروڑوں کا فائدہ پہنچایا ہے وہ اب مجھے ایک ٹکا بھی نہیں دیں گے۔ لوگ نوٹوں کے تھیلے بھر بھر کر میرے پاس آتے تھے اور اب--- اب کوئی مجھ سے ملنے کو تیار نہیں ہے۔"

"اس میں شبہ نہیں کہ صورتحال بہت سنگین ہے۔" سلطان نے کہا۔ "لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شارق کا کیا بندوبست کیا جائے۔"

"اس کا بندوبست تو اسی صورت میں کیا جا سکتا ہے جب اس کا کوئی سراغ ملے۔" حاجی نے کہا۔ "میں نے مقصود کو بلایا ہے وہ آ جائے تو کچھ سوچتے ہیں۔"

اس دوران سلطان کا ملازم چائے بنا کر لے آیا۔ اس نے ایک ایک کپ سب کے سامنے رکھ دیا۔

"پانی پلاؤ مجھے۔" حاجی نے کہا۔

ملازم ایک گلاس پانی لے آیا۔ حاجی کا حلق خشک ہو رہا تھا۔ اس نے ایک ہی سانس میں پورا گلاس حلق میں انڈیل لیا اور پھر کپ اٹھا کر ہلکی ہلکی چسکیاں لینے لگا۔

رب نواز برآمدے میں بیٹھا ہوا تھا۔ ڈیڑھ گھنٹے بعد ایک بجیرو گلی والی طرف گیٹ کے سامنے آ کر رکی تو اس نے پہلے حاجی کو بتایا پھر جا کر گیٹ کھول دیا۔ وہ مقصود تھا۔ وہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا حاجی اس پر چڑھ دوڑا۔

"یہ--- یہ سب کیا ہو رہا ہے مقصود۔" وہ اخبار اس کے سامنے لہراتے ہوئے چیخا۔ "اس نے مجھے برباد کر کے رکھ دیا ہے اور تم ان کا سراغ تک نہیں لگا سکے۔ اب یہ کہاں تک جائے گا۔ اسے تلاش کرو۔ اپنے سارے آدمی لگا دو۔"

"اپنے پاس آدمی ہیں ہی کہاں حاجی صاحب۔" مقصود نے جواب دیا۔ "اب کوئی بھی ہمارے قریب پھٹکنے کو تیار نہیں ہے۔ جو لوگ کتوں کی طرح ہمارے پیچھے پیچھے دم ہلاتے پھرتے تھے آج وہ ہمارے سائے سے بھی بچتے ہیں۔ اور ویسے بھی آج کل سارے دھندے ٹھپ ہو رہے ہیں۔ پولیس کے ڈر سے چھوٹے چھوٹے پرچون فروش بھی روپوش ہیں۔ ہمارے پاس کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جسے شارق وغیرہ کی تلاش میں لگایا جا سکے۔"

"تو پھر وہ ہمیں تلاش کر لے گا۔" حاجی غرایا۔ "اس روز اس نے دھمکی دی تھی کہ اب وہ خود سامنے آئے گا۔ یہ تو دعائیں دو کرامت کو اس نے مر کر بھی یہاں کا پتا نہیں بتایا۔ ورنہ اب تک وہ یہاں پہنچ چکا ہوتا۔"

"ایک بات سمجھ میں آتی ہے حاجی صاحب۔" مقصود نے کہا۔ "شارق کی ماں اور بہن کو

تلاش کیا جائے۔ وہ ہمارے قبضے میں آ جائیں تو شارق خود بخود ہمارے قدموں پر جھک جائے گا۔"

"ماں اور بہن کو۔" حاجی غرایا۔ "مردوں کو تو آج تک تلاش نہیں کر سکے۔ برقعہ پوش عورتوں کو کیسے تلاش کر لو گے۔"

"انہیں تلاش کر لینا زیادہ آسان ہے حاجی صاحب۔" مقصود نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مجھے یہ تو پتا چل گیا ہے کہ شارق نے چند روز پہلے اپنی ماں اور بہن کو گوجرانوالہ بھیج دیا تھا۔ آپ کو یاد ہو گا کہ طفیل نامی رکشہ ڈرائیور بھی ان لوگوں کے ساتھ مل گیا تھا اور اب بھی انہی کے ساتھ ہے۔ وہ گوجرانوالہ کا رہنے والا ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ شارق نے اپنی ماں اور بہن کو اسی کے گھر بھیجا ہو گا۔ کیوں نہ وہاں چیک کیا جائے۔"

"تو پھر معلوم کرو انتظار کس بات کا ہے۔" حاجی نے کہا۔

"کل میں خود گوجرانوالہ جاؤں گا اور مجھے امید ہے کہ کل شام سے پہلے آپ کو اچھی خبر سننے کو ملے گی۔" مقصود نے کہا۔

"مجھے کل رات تک اس کا پتا چاہئے۔" حاجی نے کہا۔ "اس کی بہن کو پکڑ کر لاؤ یا ماں کو پھر دیکھتا ہوں وہ کیسے مجھ سے بچ کر نکلتا ہے۔"

"فکر مت کریں حاجی صاحب اب وہ بچ کر نہیں جائے گا۔" مقصود نے کہا۔

کچھ دیر بعد مقصود چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد ملازم نے ناشتہ تیار کر دیا۔ حاجی نے بڑی مشکل سے چند نوالے حلق سے اتارے اور اپنے کمرے میں آ گیا۔

"دوپہر تک کمرے میں ٹہلتا رہا۔ اس کا دماغ سلگ رہا تھا۔ داروغہ والا کی کوٹھی پر پولیس کے چھاپے نے اس کی ساری امیدیں ختم کر دی تھیں۔ یہ حقیقت تھی کہ اس کا سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔ اسلحہ کی چند پیٹیاں اور چار من سونا۔ اس نے سوچا تھا کہ یہ سونا لے کر وہ انڈیا کی طرف نکل جائے گا لیکن اس دوران شارق نے اسے ایک لمحہ کو بھی چین سے بیٹھنے نہیں دیا تھا۔ اور بالآخر یہ سونا بھی اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ کوٹھی کے نیچے تہ خانے کے راستے کا صرف اسے، مقصود اور عرفان کو علم تھا۔ شارق کو تو معلوم بھی نہیں تھا کہ اس کوٹھی کے نیچے کوئی تہ خانہ بھی ہے۔ اسے عرفان ہی لے کر وہاں پہنچا تھا اور اب حاجی سوچ رہا تھا کہ اس نے عرفان کے ساتھ زیادتی کی تھی۔ اسے اتنی سخت سزا نہیں دی جانی چاہئے تھی اور اب وہ اپنا انتقام لے رہا تھا اور یہ حاجی کی بدقسمتی تھی کہ عرفان شارق کے ہاتھ لگ گیا تھا۔

حاجی رات بھر جاگا تھا۔ آنکھوں میں شدید جلن ہو رہی تھی۔ لگتا تھا جیسے کسی نے اس کی آنکھوں میں مٹھی بھر مرچیں جھونک دی ہوں۔ وہ بستر پر لیٹ گیا اور اس کے کچھ ہی دیر بعد اس

aazzamm@yahoo.com

کی آنکھ بند ہو گئیں۔

دوپہر کو دلاور دو مرتبہ اس کے کمرے میں آیا تھا اور حاجی کو سوتا دیکھ کر واپس چلا گیا تھا۔ اس نے حاجی کو جگانے کی ہمت نہیں کی تھی۔

چار بجے کے قریب حاجی کی آنکھ کھل گئی۔ اس کے بعد بھی وہ تقریباً" ایک گھنٹے تک بستر پر پڑا رہا۔ اس وقت وہ برسوں کا بیمار لگ رہا تھا۔ دلاور کمرے میں آیا تو اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"حاجی صاحب۔ آپ اٹھ کر منہ ہاتھ دھو لیں۔ میں کھانا گرم کرواتا ہوں۔ دوپہر کو میں نے آپ کو جگانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔"

"کھانا اس وقت کیا کھانا ہے۔ چائے بنوا دو۔ بس یہی کافی ہے۔" حاجی نے بستر سے اٹھتے ہوئے کہا۔

چائے حاجی نے لان میں بیٹھ کر پی تھی۔ سلطان بھی وہیں بیٹھا ہوا تھا۔ دلاور اور رب نواز چند گز دور گھاس پر بیٹھے سگریٹ کے کش لگا رہے تھے۔

نو بجے کے قریب مقصود بھی آ گیا اور اسی وقت ملازم نے آ کر بتایا کہ کھانا تیار ہو گیا ہے۔ وہ لوگ اٹھ کر اندر آ گئے۔

حاجی نے پہلا نوالہ اٹھایا ہی تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ سلطان کے ملازم نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا۔ چند سیکنڈ بات کی پھر میز کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"حاجی صاحب کے لئے فون ہے کوئی ثمینہ بی بی ہے۔"

حاجی کے ہاتھ سے نوالا چھوٹ گیا اور وہ وحشت زدہ سی نظروں سے فون کی طرف دیکھنے لگا۔

○

"میرا خیال ہے اب حاجی کے خلاف فیصلہ کن قدم اٹھا ہی لینا چاہئے۔" یہ بات ثمینہ نے کہی تھی۔ وہ سب لوگ اس وقت ہال کمرے میں بیٹھے چائے پی رہے تھے اور وقت شام چھ بجے کا تھا۔ "آج صبح اخبار میں اپنی کوٹھی پر چھاپے کی خبر پڑھ کر وہ پاگل ہو گیا ہو گا۔ یہ اس کے تابوت میں آخری کیل تھی اور اب میرا خیال ہے کہ اس کا جنازہ اٹھا ہی دینا چاہئے۔"

"ثمینہ بی بی ٹھیک کہتی ہے شارق باؤ۔" طفیل نے کہا۔ "آج اس کا قصہ ختم کر ہی دینا چاہئے۔"

"اور اس کے بعد کیا ہو گا؟" شارق نے اسے گھورا۔

"اگر حاجی سے مقابلہ میں بچ گیا تو اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دوں گا اور قسم اللہ کی

آپ لوگوں کے بارے میں زبان نہیں کھولوں گا۔" طفیل نے جواب دیا۔

"تو پھر ٹھیک ہے تیار ہو جاؤ۔ ہم تھوڑی ہی دیر بعد روانہ ہو جائیں گے۔ لیکن گاڑی کہاں سے آئے گی۔" شارق بولا۔

"گاڑی کی فکر مت کرو۔ میں ابھی آدھے گھنٹے میں لے کر آتا ہوں۔" طفیل کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

طفیل کے جاتے ہی انہوں نے تیاری شروع کر دی۔ طے یہ پایا تھا کہ صرف مرد جائیں گے اور عورتیں گھر پر ہی رہیں گی۔ لیکن ثمینہ ان کے ساتھ جانے پر ضد کرنے لگی۔

"لے چلو شارق باؤ۔ اسے بھی آخری معرکے میں حاجی کے ساتھ دو دو ہاتھ کر لینے دو۔" نولکھا نے کہا۔

اور پھر ثمینہ بھی تیار ہو گئی۔ اس نے جینز اور کالی ٹی شرٹ پہن لی۔ نولکھا نے کلاشنکوف رائفلیں نکال لیں۔ تمام رائفلوں کے میگزین چیک کئے گئے اور ہر رائفل کے ساتھ ساتھ ایک ایک فاضل میگزین بھی رکھ دیا گیا۔

آدھے گھنٹے بعد طفیل ایک کار چوری کر کے لے آیا۔

"کہاں سے لائے کار؟" شارق نے پوچھا۔

"کوٹ خواجہ سعید کی ایک گلی میں کھڑی تھی چابی اگنیشن میں لگی ہوئی تھی۔ موقع ملتے ہی میں اسے لے آیا۔ اور اتفاق سے ٹینکی بھی بھری ہوئی ہے۔" طفیل نے جواب دیا۔

دس منٹ بعد وہ اس گاڑی میں روانہ ہو گئے۔ ثمینہ شارق کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی۔ نولکھا، عرفان اور طفیل پچھلی سیٹ پر تھے۔

ٹھیک نو بجے وہ اس علاقے میں پہنچ گئے۔ پہلے انہوں نے کوٹھی کے آگے اور پیچھے کا ایک چکر لگایا پھر وہاں سے تقریباً" سو گز دور ایک مکان کے سامنے گاڑی روک لی۔ اس دکان کے ایک پلر پر لگے پر "ٹیلی فون کی سہولت موجود ہے" لکھا ہوا تھا۔ ثمینہ کار سے اتر کر دکان پر آ گئی۔ اس نے دکاندار سے ٹیلی فون مانگا اور سیٹ لے کر کاؤنٹر کے آخری سرے پر چلی گئی اور سلطان کے بنگلے کا نمبر ملانے لگی۔ کال فوراً" ہی ریسیو کر لی گئی۔ وہ سلطان کا ملازم تھا۔

"حاجی سے بات کراؤ۔ اس سے کہو میں ثمینہ بات کر رہی ہوں۔" ثمینہ نے کہا۔

چند سیکنڈ خاموشی رہی پھر حاجی کی آواز سنائی دی۔

"تم۔۔ تم کتیا۔۔ گشتی۔۔ میں تمہیں۔۔۔"

"تمہیں بولنے کیلئے الفاظ نہیں مل رہے۔ پہلے سوچ لو تمہیں کیا کہنا ہے۔" ثمینہ اس کی بات

aazzamm@yahoo.com

کاٹتے ہوئے بولی۔ "تم سمجھتے تھے یہاں محفوظ ہو۔ ہم نے تمہیں جان بوجھ کر مہلت دے رکھی تھی۔ وہ مہلت ختم ہو رہی ہے۔ اب تمہارے پاس صرف پندرہ منٹ ہیں۔ اس دوران اگر تم اپنے ساتھیوں سمیت ہاتھ اٹھا کر باہر آ جاؤ اور اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو تو ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے بلکہ بڑے احترام سے پولیس کے حوالے کر دیں گے لیکن ٹھیک پندرہ منٹ بعد تمہاری کوٹھی پر حملہ شروع ہو جائے گا۔ یہ بات ذہن میں رکھو۔ تمہارے پاس صرف پندرہ منٹ ہیں۔" ثمینہ نے جواب کا انتظار کئے بغیر فون بند کر دیا' جینز کی جیب سے پانچ روپے کا نوٹ نکال کر ٹیلی فون سیٹ کے قریب رکھا اور واپس آ کر کار میں بیٹھ گئی۔

کار نے پہلے گلی کا چکر لگایا۔ نولکھا اور طفیل کار سے اتر کر بڑی تیزی سے سامنے والی کوٹھی کے آگے کھڑی ہوئی ایک کار کے پیچھے چھپ گئے۔ ان دونوں نے چادریں اوڑھ رکھی تھیں اور چادروں کے اندر رائفلیں چھپی ہوئی تھیں۔

کار اوپر سے گھوم کر نالے والی طرف آ گئی۔ شارق نے پہلے ثمینہ کو اتارا پھر عرفان کو اور چند گز آگے جا کر کار روک لی اور نیچے اتر کر کار کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ ثمینہ اور عرفان نالے میں اتر گئے تھے۔ اس طرح انہیں نالے کی منڈیر کی آڑ مل گئی تھی۔

اس وقت ساڑھے نو بجے تھے۔ سڑک پر اور گلی میں بھی لوگوں کی آمدورفت تھی۔ اندیشہ تھا کہ گلی میں آنے جانے والا کوئی آدمی فائرنگ کی زد میں نہ آ جائے۔ لیکن نولکھا کو اطمینان تھا کہ فائرنگ شروع ہوتے ہی لوگ گھروں میں دبک جائیں گے۔

حاجی کو دی ہوئی مہلت کے پندرہ منٹ پورے ہوتے ہی ثمینہ نے نالے میں پڑا ہوا ایک پتھر اٹھا کر پوری قوت سے کوٹھی کی طرف اچھال دیا۔

پتھر غالباً" برآمدے کی چھت پر گرا تھا۔ اس کے فوراً" ہی بعد اندر سے فائرنگ شروع ہو گئی جس کا مطلب تھا کہ وہ لوگ بھی مقابلے کیلئے تیار بیٹھے تھے۔ شارق' ثمینہ اور عرفان نے بھی فائرنگ شروع کر دی۔

فضا فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھی۔ گلی ایک دم سنسان ہو گئی۔ لوگوں نے اپنے گھروں کی بتیاں بجھا دیں۔ ساتھ والی کوٹھی کے گیٹ کے سامنے کھڑی ہوئی کار کے پیچھے چھپے ہوئے نولکھا نے بھی فائر کھول دیا۔

رب نواز اس طرف والے برآمدے کی چھت پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے بھی جوابی فائرنگ شروع کر دی۔ اس کی چلائی ہوئی گولیوں نے کار کو چھلنی کر دیا۔ کار کے دوسری طرف سے طفیل نے فائر کھول دیا۔ رب نواز اس کی گولیوں کی زد میں آ گیا اور وہ چیختا ہوا برآمدے کی چھت سے

نیچے گرا۔

"میں کوٹھی کے اندر جا رہا ہوں۔" نولکھا نے طفیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم یہیں رہو اگر کوئی چھت پر سے فائرنگ کرے تو تم بھی فائر کھول دینا۔"

"رک جاؤ نولکھا اندر جانا خطرناک ہو گا۔" طفیل چیخا۔ مگر نولکھا کار کی آڑ سے نکل کر حاجی والی کوٹھی کی طرف دوڑا۔ اس نے حیرت انگیز طور پر پانچ فٹ اونچی دیوار پر چڑھ کر دوسری طرف چھلانگ لگا دی۔ وہ دھب کی آواز سے نیچے گرا اور برآمدے کی طرف دوڑا۔

اسی لمحے برآمدے والے دروازے کی آڑ سے فائرنگ شروع ہو گئی۔ وہ حاجی تھا۔ جو کلاشنکوف سے فائرنگ کر رہا تھا۔ نولکھا نے آم کے ایک درخت کے پیچھے چھلانگ لگا دی اور تنے کی آڑ لے کر فائرنگ کرنے لگا۔ دروازے کی طرف سے فائرنگ رکی تو نولکھا درخت کی آڑ سے نکل کر برآمدے کی طرف دوڑا۔

حاجی اس وقت رائفل کا میگزین بدل رہا تھا۔ اس نے نولکھا کو آتے دیکھا تو فائر کھول دیا۔ نولکھا رک گیا۔ اس کے جسم کو اس طرح جھٹکے لگ رہے تھے جیسے اس نے بجلی کے ننگے تار کو چھو لیا ہو۔ اس کا جسم گولیوں سے چھلنی ہو گیا لیکن وہ گرا نہیں وہ سنبھل گیا۔ اس نے رائفل کو دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور دو قدم آگے بڑھ گیا۔

حاجی کی آنکھیں خوف و دہشت سے پھیل گئیں۔ نولکھا کا جسم گولیوں سے چھلنی تھا۔ خون کی کئی دھاریں بہہ رہی تھیں لیکن وہ رائفل تانے آگے آ رہا تھا۔ اس نے جیسے ہی رائفل سیدھی کی حاجی نے ایک بار پھر ٹرائیگر دبا دیا۔ اس مرتبہ بھی کئی گولیاں نولکھا کے جسم میں پیوست ہو گئیں۔ وہ پھر لڑکھڑایا۔ اس مرتبہ وہ نہیں سنبھل سکا۔ لیکن اس مرتبہ اس کی انگلی نے بھی ٹرائیگر دبا دیا۔ اس کی رائفل سے نکلنے والی گولیاں دیوار میں پیوست ہونے لگیں۔ پھر وہ دھڑام سے گرا اور اس کی رائفل بھی خاموش ہو گئی۔

طفیل نے نولکھا کی بھیانک چیخوں کی آواز سن لی تھی۔ وہ کار کی آڑ سے نکل کر دوڑتا ہوا دیوار پر چڑھ گیا۔ اندر کودتے ہی اس نے نولکھا کو خون میں لت پت بے حس و حرکت پڑے دیکھ لیا تھا۔ وہ ایک درخت کی آڑ میں کھڑے ہو کر فائرنگ کرنے لگا۔

نولکھا کی چیخوں کی آواز شارق نے بھی سنی تھی۔ وہ چیختا ہوا ساتھ والی کوٹھی کی طرف دوڑا اور دیوار پر چڑھ کر حاجی والی کوٹھی میں کود گیا اور درختوں کی آڑ سے کمروں کی کھڑکیوں کی طرف فائرنگ کرنے لگا۔

ثمینہ اور عرفان کو بھی کوٹھی تک آنے کا موقع مل گیا تھا۔ وہ بھی اندھا دھند فائرنگ کر رہے

aazzamm@yahoo.com

تھے۔ اور پھر شارق نتائج کی پرواہ کئے بغیر آگے بڑھ آیا۔ اس نے بھی نولکھا کی لاش دیکھ لی تھی اور اس کا دماغ گھوم گیا تھا۔

طفیل۔۔ تم اس طرف سے فائرنگ جاری رکھو میں اندر جا رہا ہوں۔" شارق چیختا ہوا برآمدے کی طرف دوڑا۔

اس نے پیر کی ٹھوکر سے دروازہ کھولا تو حاجی ایک طرف سے دوڑتا ہوا دوسری طرف جا رہا تھا۔ اس نے مڑ کر فائر کیا مگر اس کی رائفل خالی ہو چکی تھی۔ شارق موت کے فرشتے کی طرح اس کے سامنے کھڑا تھا۔ شارق نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر فائر کھول دیا۔ حاجی کے جسم میں کئی سوراخ ہو گئے۔ اس کے منہ سے نکلنے والی چیخیں بڑی خوفناک تھیں۔

دوسری طرف ثمینہ اور عرفان کو بھی اندر آنے کا موقع مل گیا تھا۔ وہ بھی اندھا دھند فائرنگ کرتے ہوئے اندر گھس آئے۔ اور پھر ثمینہ چیخ کر گری۔ اس کی ٹانگ میں گھٹنے سے کچھ اوپر گولی لگی تھی۔

طفیل بھی اندر آ گیا۔ شارق پر جیسے جنون طاری ہو گیا تھا۔ وہ ان لوگوں کو چن چن کر ختم کر رہا تھا۔ طفیل اور عرفان بھی اندھا دھند گولیاں برسا رہے تھے۔

اور پھر ان کی فائرنگ کا جواب دینے والا کوئی نہیں رہا۔ کوٹھی میں مختلف جگہوں پر حاجی اور اس کے ساتھیوں کی چھ لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ ساتویں لاش نولکھا کی تھی جو برآمدے میں پڑی تھی۔ ثمینہ زخمی تھی اس کی ٹانگ سے خون بہہ رہا تھا۔ گولی ران کا گوشت چیرتی ہوئی نکل گئی تھی۔

"عرفان گاڑی لے کر آؤ جلدی کرو۔" شارق چیخا۔

"اس طرف مقصود کی پجیرو کھڑی ہے۔" طفیل چیخا۔ "اسی طرف سے نکلو۔" اس نے باہر آ کر نولکھا کی لاش کندھے پر لادی۔ شارق نے زخمی ثمینہ کو اٹھا کر کندھے پر ڈال لیا۔ عرفان دوڑتا ہوا باہر آ گیا۔ پجیرو کا دروازہ لاک نہیں کیا گیا تھا اور چابی بھی اگنیشن میں موجود تھی۔

نولکھا کی لاش پچھلی سیٹ پر ڈال دی گئی۔ ایک سیٹ پر شارق ثمینہ کو لے کر بیٹھ گیا اور عرفان ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

اور پھر دوسرے ہی لمحہ پجیرو ایک زور دار جھٹکے سے آگے بڑھی اور گلی سے نکل کر تیز رفتاری سے سڑکوں پر دوڑنے لگی۔

○

نولکھا کی لاش ہال کمرے میں چارپائی پر پڑی تھی۔ شاہ پری لاش سے لپٹی بلک بلک کر رو رہی

تھی۔ شاہ پری اور ان کا ساتھ افغانستان سے تھا۔ وہ نولکھا سے بہت زیادہ مانوس ہو گئی تھی۔ ان سب نے ہمیشہ ایک دوسرے کا ساتھ دیا تھا۔ کسی ایک کو معمولی سی تکلیف بھی ہوتی تو سب تڑپ اٹھتے اور اب نولکھا کی زخموں سے چور لاش دیکھ کر رضیہ اور شاہ پری اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ سکی تھیں۔ شاہ پری کی حالت تو بہت خراب تھی۔ رضیہ کو شارق اس کمرے میں لے گیا جہاں اس نے زخمی ثمینہ کو لٹایا تھا۔

اتفاق سے دو دن پہلے رضیہ نے بازار سے کچھ ایسی دوائیں منگوا لی تھیں جو ایسے موقع پر کام آ سکتی تھیں۔ رضیہ نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے شارق کو باہر نکل جانے کا اشارہ کیا اور شاہ پری کو اندر بلا کر دروازہ بند کر لیا۔

وہ تقریباً" آدھے گھنٹے بعد باہر نکلیں۔ شارق نولکھا کی لاش کے پاس کھڑا آنسو بہا رہا تھا۔ رضیہ کو دیکھ کر وہ اس کی طرف لپکا۔

"پریشانی کی کوئی بات نہیں۔" رضیہ نے کہا۔ "گولی گوشت کو چیرتی ہوئی نکل گئی تھی۔ میں نے ڈریسنگ کر دی ہے چند روز میں ٹھیک ہو جائے گی۔"

شارق ثمینہ کے کمرے میں آ گیا۔ وہ بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔ خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے اس کے چہرے پر زردی پھیلی ہوئی تھی۔ شارق کو دیکھ کر وہ اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

"مجھے نولکھا کے پاس لے چلو پلیز؟"

شارق چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر وہ ثمینہ کو سہارا دے کر ہال کمرے میں لے آیا اور صوفے پر بٹھا دیا۔ ثمینہ نے زخمی ٹانگ آگے کو پھیلا لی تھی۔ نولکھا کی لاش دیکھ کر ثمینہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

عرفان اور طفیل بھی آنسو بہا رہے تھے۔ شاہ پری تو چارپائی کی پٹی سے لگ کر بیٹھ گئی تھی۔

"طفیل۔" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم نے کہا تھا کہ حاجی سے مقابلے کے بعد تم اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دو گے۔"

"ہاں شارق باؤ۔" طفیل بولا۔ "میں صبح ہی اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دوں گا۔"

"صرف تم ہی نہیں ہم سب۔" شارق بولا۔ "حاجی کا گروہ ختم ہو گیا ہے اور حاجی کے خاتمے کے ساتھ ہی ہمارا مقصد بھی پورا ہو گیا ہے۔ اب اگر کوئی اور حاجی پیدا ہو گا تو اس کا راستہ روکنے کیلئے کوئی اور شارق اور نولکھا بھی آ جائے گا۔ اس لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر دیا جائے۔ تم سب لوگوں کا کیا خیال ہے۔"

وہ تقریباً" ایک گھنٹے تک مشورہ کرتے رہے اور پھر سب نے شارق کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر

aazzamm@yahoo.com

لیا۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد شارق پجیرو پر کہیں چلا گیا۔ اس کی واپسی ڈیڑھ گھنٹے بعد ہوئی تھی۔ پجیرو میں ایک بوری رکھی ہوئی تھی جس میں سونے کے بسکٹ بھرے ہوئے تھے۔ یہ وہ سونا تھا جو تقریباً" چار مہینے پہلے قصور کے علاقے میں حاجی کے آدمیوں سے چھینا گیا تھا۔

اور پھر تین بجے کے قریب شارق ٹیلی فون پر ایس پی سہیل سے بات کر رہا تھا۔

"یہ تم نے کیا کیا شارق۔" ایس پی سہیل کہہ رہا تھا۔ "چھ آدمیوں کا قتل کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ صبح جب یہ خبر اخبارات میں چھپے گی تو پورے شہر میں ایک ہنگامہ اٹھ کھڑا ہو گا۔"

"ہنگامہ نہیں جشن۔" شارق نے کہا۔ "حاجی کے قتل اور اس کے گروہ کے خاتمے پر لوگ جشن منائیں گے۔"

"میں ایک بار پھر کہہ رہا ہوں کہ اپنے آپ کو روک لو شارق۔" سہیل نے کہا۔ "اب بھی وقت ہے میں پوری کوشش کروں گا کہ۔۔"

"میں نے آپ کا مشورہ ماننے کا فیصلہ کر لیا ہے۔" شارق نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"میں اپنے ساتھیوں سمیت صبح چھ بجے اپنے آپ کو آپ کے سامنے سرنڈر کرنے کو تیار ہوں۔ صبح چھ بجے مینار پاکستان کے سامنے۔ لیکن ایک بات ذہن میں رکھئے کہ اگر اس وقت کسی پولیس والے نے ہم پر رائفل اٹھانے کی کوشش کی تو ہم بلالحاظ فائر کھول دیں گے اور مرنے سے پہلے بیس تیس آدمیوں کو ختم کر دیں گے۔"

"تم فکر مت کرو ایسی کوئی بات نہیں ہو گی۔" سہیل نے کہا۔ اس کے لہجے میں عجیب سا تاثر تھا۔ "مجھے تمہارے اس فیصلے پر خوشی ہوئی۔ میں ابھی ڈی آئی جی صاحب سے بات کرتا ہوں لیکن ایسا نہ ہو کہ آخری وقت پر تم اپنا فیصلہ بدل دو۔"

"میں نے جو فیصلہ کیا ہے وہ بدل نہیں سکتا۔" شارق بولا۔ "صبح ٹھیک چھ بجے مینار پاکستان کے سامنے۔" اس نے فون بند کر دیا۔

اور پھر ٹھیک پانچ بجے وہ کوٹھی سے نکل گئے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر شارق تھا اس کے ساتھ اگلی سیٹ پر ثمینہ اور شاہ پری۔ پچھلی سیٹ پر رضیہ، عرفان اور طفیل تھے۔ آخری سیٹ کی جگہ پر سفید چادر سے ڈھکی ہوئی نولکھا کی لاش پڑی تھی۔

مینار پاکستان کے سامنے سڑک پر دور تک پولیس کے مسلح جوان کھڑے تھے۔ گیٹ کے اندر وسیع لان میں بھی پولیس والے بڑی تعداد میں موجود تھے۔ سڑک پر بسوں اور دوسرے ٹریفک کی آمدورفت جاری تھی۔

شارق نے شاہی قلعہ کے عین سامنے مینار پاکستان کے لان والے گیٹ میں پجیرو موڑ دی۔

گیٹ پر کھڑے ہوئے پولیس والے مستعد ہو گئے۔ ایک انسپکٹر پجیرو کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ تقریباً" پچاس گز آگے جا کر شارق نے پجیرو روک لی۔ وہاں ڈی آئی جی اور پولیس کے کئی اعلیٰ افسران کھڑے تھے۔ ان میں ایس پی سہیل بھی تھا۔ شارق نے انجن بند کر دیا۔ چند لمحے اپنی سیٹ پر بیٹھا رہا اور پھر نیچے اتر آیا۔ عرفان اور طفیل نے بھی نیچے اتر کر نولکھا کی لاش کو گاڑی سے نکال کر نیچے رکھ دیا۔

اور پھر ان سب نے اپنی اپنی رائفلیں پجیرو سے نکال لیں۔ ایس پی سہیل ڈی آئی جی کے ساتھ کھڑا تھا۔ سب سے پہلے شارق نے آگے بڑھ کر اپنی رائفل ایس پی سہیل کے قدموں میں رکھ دی۔ ثمینہ اور عرفان وغیرہ نے بھی اس کی تقلید کی اور پھر ان سب نے اپنے ہاتھ آگے بڑھا دیئے۔ ڈی آئی جی نے اشارہ کیا۔ شارق اور اس کے ساتھیوں کو ہتھکڑیاں پہنا دی گئیں۔ ان آفیسروں کے ساتھ اخبارات کے رپورٹر بھی کھڑے تھے۔ انہوں نے شارق اور ثمینہ کو گھیر لیا لیکن شارق اور ثمینہ نے اپنی زبانیں بند رکھیں۔ جب انہیں پولیس کی گاڑی میں سوار کرایا جانے لگا تو شارق نے ایس پی سہیل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"میری خواہش ہے کہ نولکھا کی تدفین پورے احترام سے کی جائے اور مجھے اس کے جنازے میں شریک ہونے کی اجازت دی جائے۔ ثمینہ زخمی ہے اس کی ٹانگ میں گولی لگی تھی۔ اسے مناسب علاج کی ضرورت ہے اور شاہ پری افغان لڑکی ہے اسے ہم افغانستان سے لے کر آئے تھے یہ بے گناہ ہے اور میری ماں اور بہن کا خیال رکھا جائے۔

"شارق صاحب۔" ایک پریس رپورٹر چیخا۔ "آپ اپنے بارے میں کچھ کہنا چاہیں گے؟"

"اس وقت صرف اتنا کہوں گا کہ کسی شریف آدمی کو جرم کے راستے پر نہ دھکیلا جائے۔ پولیس میں بدعنوان اور راشی لوگوں کی نہیں، ایس پی سہیل جیسے ذمہ دار، دیانتدار اور فرض شناس لوگوں کی ضرورت ہے۔ باقی مجھے جو کچھ بھی کہنا ہے عدالت میں کہوں گا۔ اگر مجھے کہنے کی اجازت دی گئی تو۔"

وہ لوگ پولیس کی گاڑی میں بیٹھ گئے۔ گاڑی حرکت میں آ گئی۔

ڈھائی سال پہلے ایک معصوم بچے پر ظلم و استبداد سے جو ڈرامہ شروع ہوا تھا وہ اپنے پیچھے ایک طویل خونچکاں داستان چھوڑ کر ختم ہو گیا۔

ختم شد

Scanned By:
Azam & Ali